

غالب

دیوان

نعت و منقبت

تحقیق ، تدوین ، تنقید و تشریح
ڈاکٹر سید تقی عابدی

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

کتاب :	عالم دیوانِ نعت و منقبت
تحقیق و تدوین اور تنقید :	ڈاکٹر سید تقی عابدی
سند اشاعت :	2006ء
تعداد :	1000
کتابت :	سید فیروز Urdu World Net
	مارکھم۔ اوٹارو۔ کینیڈا
	ٹیلیفون (905) 470-2040
ایڈیشن :	اول

ملنے کے پتے

DR.SYED TAGHI ABEDI

1110, Secretariate Rd., Newmarket

ON, L3X 1M4 Canada

Tel:905-868-9578 (Res)

Tel:416-495-2701 Ext.5233 (Work)

Fax: 905-868-9578

e-mail:taqiabedi@Rogers.com

SHAHID PUBLICATION

2253, Resham Street, Kucha Chelan, Darya Ganj

New Delhi-110002

Tel:011-23272724

e-mail:drshahidhusain_786@yahoo.com

انتساب

غواص بحر معنوی ، زینت دہندہ محفل لکھنو
شاہباز بلند پرواز آسمان تنقید، عندلیب گلستان ادب و ادیب
مصور ”تعبیر غالب“

پروفیسر سید نیر مسعود رضوی

کے نام

بقول غالب

ع۔ زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہئے

فہرست

صفحہ نمبر			
8	ڈاکٹر سید تقی عابدی	رو میں ہے رخشِ عمر	1
10	ڈاکٹر سید تقی عابدی	حرفے چند	2
12	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کا زندگی نامہ	3
44	ڈاکٹر سید تقی عابدی	جدول دیوانِ نعت و منقبت	4
52	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب اور ذوق	5
61	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب غزل پر غالب ہوتے ہوئے بھی میر سے مغلوب کیوں؟	6
73	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کے اشعار کے معنی خود غالب سے پوچھیے	7
80	ڈاکٹر سید تقی عابدی	پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟	8
86	ڈاکٹر سید تقی عابدی	نیویارک لائبریری میں دیوانِ غالب کا نایاب نسخہ	9
89	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کی حمد	10
97	ع۔ ای۔ زوہم غیر غوغا جہاں انداختہ	غالب کی فارسی حمد	11
105	ع۔ سپاسے کرو نامہ نامی شود	غالب کی فارسی حمد	12
139	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کی فاتحہ	13
145	ع۔ خدایا زبانی کہ بخشیدہ	غالب کی فارسی مناجات	14
169	ع۔ بہر ترویج نبی حاکم ادیان وطن	غالب کی فارسی فاتحہ	15
172	ع۔ بہر ترویج جناب عالی یم الحساب	غالب کی فارسی فاتحہ	16
182	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کی نعتیہ غزل کا اجمالی تجزیہ	17
189	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کا معراج نامہ	18
201	ع۔ آن بلہلم کہ در چمنستان شاخسار	غالب کی فارسی نعت	19
216	ع۔ مرا ولیست بہ پس کوچہ گرفتاری	غالب کی فارسی نعت	20
226	ع۔ کیست تم تا بخروش آدر دم بی ادبی	غالب کی فارسی نعت	21
229	ع۔ حق جلوہ گرز طرز بیان محمدؐ ست	غالب کی فارسی نعت	22

صفحہ نمبر			
231	ع۔ بنام ایزدائے ملک قدسی صریح	غالب کی فارسی نعت	23
249	ع۔ ہمانادرا اندر یزدان روزگار	غالب کا فارسی معراج نامہ	24
331	ع۔ چوں تازہ کھم درخن آئین بیاں را	غالب کی فارسی نعت بشمول منقبت امام علی	25
339	ع۔ بعد حمد ایزد و نعت رسول	غالب کی فارسی نعت و منقبت امام علی	26
377	ع۔ شب چست سویدای دل اہل کمال	غالب کی نعتیہ رباعی و قطعات	27
377	ع۔ ستن زینبیران مرسل		
377	ع۔ تابود چار عید در عالم		
378	ع۔ اس کی امت میں ہوں میرے چیں کیوں کام بند	غالب کے نعتیہ مفرد اردو اشعار	28
379	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کی منقبت امام علی	29
395	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کی منقبت امام مہدی	30
399	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب عزادار امام حسین	31
404	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب عاشق حضرت عباس	32
406	ع۔ خواہم کہ صبح نالہ زلسر برآورد	غالب کی فارسی منقبت امام علی	33
415	ع۔ دوش آمد و بوسہ بزم پردہ خان نہاد	غالب کی فارسی منقبت امام علی	34
426	ع۔ صبحی کہ درہوای پرستاری و غن	غالب کی فارسی منقبت امام علی	35
433	ع۔ نازم بہ گراں مائیگی دل کہ زسودا	غالب کی فارسی منقبت امام علی	36
449	ع۔ آں بحر خیزم کہ مراد رشتان دیدہ ام	غالب کی فارسی منقبت امام علی	37
462	ع۔ در محمد دستبر دباؤ در کند علی	غالب کی فارسی منقبت امام علی	38
466	ع۔ ہزار آفرین بر من و دین من	غالب کی فارسی منقبت امام علی	39
504	ع۔ ساز یک ڈڑہ نہیں فیض چمن سے بے کار	غالب کا اردو قصیدہ امام علی	40
520	عبدالباری آسی	غالب کی اردو منقبت امام علی کی تشریح	41
523	ع۔ دہر جز جلوہ یکنائی معشوق نہیں	غالب کا اردو قصیدہ امام علی	42
533	عبدالباری آسی	غالب کی اردو منقبت امام علی کی تشریح	43

صفحہ نمبر			
539	ع۔ مگر مراد دل کا فر بود شب میلاد	غالب کی فارسی منقبت امام حسین	44
555	ع۔ ابراہنکبار و ماچل از ناگر۔ مستن	غالب کی فارسی منقبت امام حسین	45
564	ع۔ پیاد کر بلاتا آں ستم کش کارواں بنی	غالب کی فارسی منقبت امام حسین	46
573	ع۔ هست از تمیز گر پہ ہما استخوان دھد	غالب کی فارسی منقبت امام محمدی	47
584	ع۔ آوارہ غربت نتواں دیدہ صنم را	غالب کی فارسی منقبت حضرت عباس	48
591	ع۔ غالب ہم دوست سے آتی ہے دوست	غالب کے منتخب مفرد اردو اشعار	49
595	ع۔ منصور فرقہ علی اللہیاں منم	غالب کے منتخب مفرد فارسی اشعار	50
598	ع۔ شریطست کہ بہر ضبط آداب و رسوم	غالب کی منتخب فارسی رباعیات	51
598	ع۔ بردل از دیدہ فتح یا بست خواب		
599	ع۔ فکر تاریخ سال میں مجھ کو	غالب کا منتخب اردو قطعہ	52
601	ع۔ زین خرابی کہ در جہان افتاد	غالب کا فارسی مرثیہ امام رضا اور سید العلماء	53
614	کالی داس گیتا رضا	اقتباس مقدمہ دعای صبح	54
616	ع۔ اے خدا اے دادرا کویر کشاد	غالب کا فارسی منظوم ترجمہ دعای صبح	55
633	ع۔ یا الہی قلب من محبوب و تنگ	غالب کا فارسی منظوم ترجمہ دعای امام سجاد	56
634		عکس نسخہ اول دعای صبح	57
660	ڈاکٹر سید تقی عابدی	مرزا غالب کا سلام اور مرثیہ	58
663	ع۔ ہاں! اے نفس باو بحر شعلہ فشاں ہو	غالب کا اردو مرثیہ	59
664	ع۔ سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو	غالب کا اردو سلام	60
667	ڈاکٹر سید تقی عابدی	غالب کے نوے	61
672	ع۔ ای کج اندیشہ فلک حرمت دیں بایستی	غالب کا فارسی نوحہ	62
674	ع۔ شدم بدان شور کہ آفاق بہم زد	غالب کا فارسی نوحہ	63
676	ع۔ سرو چمن سروری افتاد ز پا حای	غالب کا فارسی نوحہ	64
678	ع۔ ای فلک شرم از ستم بر خاندان مصطفیٰ	غالب کا فارسی نوحہ	65

صفحہ نمبر			
680	ع۔ و قہیست کہ در بیچ و خم نوحہ سرائی	غالب کا فارسی نوحہ	66
682	دیوان اردو غالب	دیباچہ دیوان غالب (تمنائی و فن در نجف)	67
684	ڈاکٹر سید تقی عابدی	عشق محمد و آل محمد غالب کے خطوط کے آئینے میں	68
688	ع۔ شنیدم کہ شادی دریں دریغ تک	غالب کی فارسی مثنوی ابر گہر بار (حکایت)	69
689	ڈاکٹر ظ۔ انصاری	غالب کی فارسی مثنوی ابر گہر بار کا اردو ترجمہ	70
730	ع۔ معنی و گرز خمہ یر تارزن	غالب کی فارسی مثنوی ابر گہر بار (معنی نامہ)	71
731	ڈاکٹر ظ۔ انصاری	غالب کی فارسی مثنوی ابر گہر بار کا اردو ترجمہ	72
772	ع۔ بیاساقی آئین جم تازہ کن	غالب کی فارسی مثنوی ابر گہر بار (ساقی نامہ)	73
773	ڈاکٹر ظ۔ انصاری	غالب کی فارسی مثنوی ابر گہر بار کا اردو ترجمہ	74
818		کتابیات	75

رومیں ہرے رخسارِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ)
پیشہ	:	ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ) ایف آر سی پی (کینیڈا)
ذوق	:	طبابت
شوق	:	شاعری، ادبی تحقیق و تنقید
قیام	:	مطالعہ اور تصنیف
شریک حیات	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک، کینیڈا
اولاد	:	گیتی
	:	دو بیٹیاں (محسوما اور رویا) دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

- تصانیف :
- (۳۰) شہید (1982ء)، جوشِ موذت، گلشنِ رویا،
اقبال کے عرفانی زاوے، انشاء اللہ خاں انشاء، رموز
شاعری، اظہارِ حق، مجتہدِ نظم مرزا دبیر، طالعِ مہر، سلکِ
سلام دبیر، تجزیہ یادگار انیس، ابوابِ المصائب،
ذکرِ درباران، عروسِ سخن، مصحفِ فارسی دبیر،
مثنویات دبیر، کائناتِ ہجتم، روپ کنوار کمار،
دربارِ رسالت، فکرِ مطمئنہ، خوشہٴ انجم، دُرِ دریائے نجف،
تاشیرِ ماتم، عجی مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل،
ہوا انجم، تعشقِ لکھنوی، ادبی معجزہ
تجزیہٴ شکوہ جواب شکوہ، رباعیات دبیر، قافی لا قافی،
تجزیہٴ رباعیات فراق گورکھپوری
- زیرِ تالیف :

حرفے چند

سچ تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ غالب کی نعت و منقبت کے بارے میں اجمالی گفتگو کرنا حقیقت میں بحر بیکراں کو کوزے میں بند کرنے سے کم نہیں۔ پھر بھی اس سنگِ گراں کو میں نے تک و تنہا بلند کر کے محرابِ عشق پر جما دیا ہے۔ میری زبان اور میرے بیان پر فارسی کی گہری چھاپ ہے جو شاید میرے فارسی مطالعہ اور ذاتی ماحول کی وجہ ہو، امید ہے کہ قارئین درگزر کریں گے۔ راقم نے بعض مقامات پر خود فارسی اشعار کا ترجمہ کیا اور بعض مقامات پر اگر عمدہ فارسی ترجمہ حاصل ہوا تو شکریہ کے ساتھ اس بیاضِ عشق میں شامل کیا تاکہ میرا مقصد اور ان علمائے ادب کے کام کی قدردانی ہو سکے۔ اس کتاب میں مرحوم ڈاکٹر ظ۔ انصاری، مرحوم عبدالباری آسی کے ترجموں کے ساتھ ساتھ آنجنمائی کالی داس گپتا رضا کے مقدمہ کے اقتباس کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ دیوانِ نعت و منقبت اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے جس میں اس موضوع پر غالب کی تمام شعری اور نثری تخلیقات کو شامل کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اربابِ علم و فن سے گزارش ہے اگر غالب کا اس موضوع پر کلام شامل ہونے سے رہ گیا ہو تو اطلاع دینے سے دریغ نہ فرمائیں۔

نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

خیر اندیش

سید تقی عابدی

ٹورانٹو۔ کینیڈا

۲۸ نومبر ۲۰۰۶ء

سعدق اگر عاشقی کنی و جوانی
عشق محمدؐ بس است و آلِ محمدؐ
(سعدی شیرازی)

(غالب کا عقیدہ بھی یہی ہے)

غالب کا زندگی نامہ

نام :	مرزا اسد اللہ بیگ
عرف :	مرزا نوشہ
خطابات :	نجم الدولہ ویر الملک۔ نظام جنگ
تخلص :	اسد۔ غالب
(جناب اکبر علی خان عرشی زادہ نے دیوان غالب نسخہ عرشی زادہ میں استدلال کیا ہے کہ مرزا غالب نے 1816 مطابق 1231 ہجری میں اسد تخلص ترک کر کے غالب تخلص اختیار کیا)	
تاریخ ولادت :	8 رجب 1212 ہجری مطابق 27 دسمبر 1897 عیسوی۔ طلوع صبح روز یکشنبہ
مقام ولادت :	آگرہ (اکبر آباد)
والد :	مرزا عبداللہ بیگ خاں عرف مرزا دولہا
والدہ :	عزت النساء بیگم دختر خواجہ غلام حسین خاں (جن کا شمار شہر کے عمائدین اور امراء میں ہوتا تھا)
جد :	غالب کے دادا قوت خان بیگ ماوراء النہر سے شاہ عالم کے دور میں ہندوستان آئے
قومیت :	ترک سلجوقی
بھائی :	غالب کے ایک دو سال چھوٹے بھائی مرزا یوسف خاں تھے جو ایام جوانی میں مجنون ہو کر 1857 عیسوی میں انتقال کر گئے
شریک حیات :	امراؤ بیگم دختر نواب الہی بخش
غالب کی عمر شادی کے وقت 13 برس اور امراؤ بیگم کی عمر گیارہ سال تھی۔	
غالب لکھتے ہیں۔ ”7 رجب 1225 ہجری کو میرے واسطے حکم دوام جس صادر ہوا ایک بیڑی (یعنی بیوی) میرے پانوں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔“ امراؤ بیگم نے غالب کے انتقال کے ایک سال	

بعد 1870ء میں اس دارقانی سے کوچ کیا۔

اولاد :

سات اولادیں پیدا ہوئیں لیکن کسی کی عمر (15) مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔

غالب سیف الحق کو اس کے لڑکے کے مرنے پر لکھتے ہیں۔ ”تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اس کا مرجانا معلوم ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا، بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ چوتھ (74) برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔“

سکونت :

غالب نے زندگی کے پہلے 13 برس آگرہ میں گزارے اگرچہ دہلی میں آتے جاتے رہے لیکن ان کی عمر 14 برس کی تھی جبکہ انھوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی اور کئی مکانات تبدیل کیے۔ دہلی میں غالب کا قیام قریب ساٹھ برس تھا۔ غالب کبھی کوئی مکان نہیں فریدا ہمیشہ کرائے کے مکان میں رہے ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے بھی رہے۔ بقول حاتی قاسم جان کی گلی یا جیش خاں کے پھانک یاس کے قرب و جوار کے سوا کسی اور ضلع میں جا کر نہیں رہے سب سے اخیر مکان جس میں ان کا انتقال ہوا حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوان خانہ کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جس کی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ ایک گھر بنا لیا ہے

یہ بندہ کمینہ ہمسایہ خدا ہے

غالب خط میں لکھتے ہیں۔ ”میں اب بلیماران میں ایک حویلی کرایہ پر لے کر اس میں رہتا ہوں۔ دس گیارہ برس سے اس تنگنا میں رہتا تھا۔ سات برس تک ماہ بہ ماہ چار روپیہ دیے گئے تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ ایکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا جس نے لیا ہے پیام بلکہ ابرام کیا مکان خالی کر دو۔ مکان کہیں ملے تو میں اٹھوں۔ بیدرد نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگا دی صحن بالا خانے کا جس کا دو گز عرض اور دس گز طول اس میں پاڑھ بندھ گئی رات کو وہیں سویا۔ گرمی کی شدت پاڑ کا قرب گمان یہ گزرتا تھا کہ یہ کٹ گھر ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملے گی۔ تین راتیں

اس طرح گزریں دو شنبہ 29 جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آگیا وہاں جا رہا۔ جان بچ گئی۔ یہ مکان نسبت اُس مکان کے بہتر ہے

لائقہ، چوڑا چکا ہاڑ، سڈول اکہرا جسم، بھرے بھرے ہاتھ پاؤں، کتابی چہرہ، کھڑا نقشہ، چوڑی پیشانی، ناک کی کاٹھی اونچی، رخسار کی ہڈیاں ابھری ہوئی، بادامی آنکھیں گھنی لمبی پلکیں، کان لمبے اور سرخ و سپید رنگ۔

شکل و صورت :

غالب عقوان شباب میں دلی کے حسین اور خوش رولوگوں میں شمار کئے جاتے۔ حالی نے غالب کو بڑھاپے میں دیکھا تب بھی خوبصورتی کے آثار ان کے چہرے اور قد و قامت اور ذیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔

غالب حاتم علی مہر کو حلیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا۔ کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چٹھی تھا اور دیدہ و رولوگ اس پر رشک کیا کرتے تھے۔ ہاں مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے وہ مزے یاد آ گئے کیا کہوں جی پر کیا گزری جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام، ملا، حافظ بساطی، نیچے بند، دھوبی، سٹھ، بھٹیارا، جولاہا، کنجڑا، منہ پر داڑھی سر پر لمبے بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اُسی دن سر منڈوا یا۔ جوانی میں مٹی کا استعمال بھی کرتے تھے۔ آخری عمر میں لمبا قد ہونے کی وجہ سے کمر میں ذرا خم آ گیا تھا۔

غالب نے اپنی زندگی میں بہت کم سفر کئے۔

مسافرت :

ا۔ آگرہ اور دہلی کے درمیان کئی بار آئے گئے۔

ب۔ ایک دفعہ میرٹھ گئے۔

ج۔ دو بار رام پور کا سفر کیا۔

د۔ ایک بار فیروز پور اور بھرت پور بھی گئے۔

ھ۔ غالب کا سب سے طولانی اور مشہور سفر کلکتہ کا تھا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ ماہ شوال 1242 ہجری مطابق اپریل 1827 عیسوی کو دہلی سے روانہ ہوئے۔

۲۔ دہلی سے لکھنؤ گئے جہاں ان کا قیام تقریباً پانچ مہینے رہا۔ اس دوران ایک مرتبہ

کانپور بھی گئے لیکن لکھنؤ کے دوستوں نے دوبارہ لکھنؤ بلا لیا۔ جس وقت غالب لکھنؤ

گئے اُس زمانے میں غازی الدین حیدر شاہ اودھ میں تھے اور نائب صدر نواب آغا

میر صاحب تھے۔ بقول غلام رسول مہر مرزا غالب اس لئے دہلی سے لکھنؤ گئے کہ

”انھیں امید تھی کہ بادشاہ اودھ سے اچھی رقم مل جائے گی“۔ بقول غالب

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطع شوق نہیں ہے یہ شہر عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

جاوہ رہ کشش کام کرم ہے ہم کو

ع۔ لائیاں معتمد الدولہ بہادر کی امید

لیکن لکھنؤ میں غالب کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ دربار تک رسائی، مالی اعانت اور

شاعی اعزاز سے غالب محروم رہے جس کی وجہ غالبیات کے ماہرین نے غالب کی

خود داری اور شرطیں بتائی ہیں کیوں کہ غالب نے جو مدحیہ نثر صنعت تعطیل میں

نائب السلطنت روشن الدولہ کے سامنے پیش کرنے لکھی تھی اور جو کبھی پیش نہیں کی

جاسکی اُس کی پہلی دو شرطیں یہ تھیں کہ

۱۔ نائب صدر اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر غالب کی پذیرائی کریں۔

ب۔ نذر پیش کرنے سے غالب کو معاف رکھا جائے۔

چنانچہ اسی لئے غالب نے لکھنؤ کو ستم آباد کہا ہے۔ بقول غالب

”بتاریخ 26 ذی قعد روز جمعہ از آں ستم آباد برآمد و بتاریخ 29 دردار السرور کانپور

رسیدم“۔ غالب کو اگرچہ مالی لحاظ سے لکھنؤ میں کچھ فائدہ نہ ہوا لیکن لکھنؤ کے قیام

کے دوران یہاں کے عمائدین اور برگزیدہ شخصیتوں سے غالب کی ملاقات اور تعلقات قائم ہو گئے۔ جن میں شیخ ناسخ، مجتہد العصر سید محمد، میر انیس، مرزا دبیر، امیر اللہ سرور، عاشق علی خاں اور صاحبزادے فشی امیر حسن بک قابل ذکر ہیں۔ فروغ اردو کے غالب نمبر نومبر 1968 میں لکھا ہے کہ ”غالب کی انیس سے ملاقات ہوئی اور غالب نے اُن سے کسی غزل کی فرمائش کی تو انھوں نے غزل کی بجائے ایک سلام سنایا اور کہا کہ اب جواباً اپنا کوئی مرثیہ سنائیں۔ غالب نے اپنے کہے ہوئے مرثیہ -ع- ہاں اے نفس باد بحر شعلہ فشاں ہو

کے تین بند انیس کو سنا کر یہ بھی کہہ دیا کہ ”مرثیہ کہنا تو آپ ہی کا حق ہے۔“

میر انیس نے مرزا غالب کے انتقال پر یوں منظوم خراج ادا کیا

گلزار جہاں سے باغ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوار رحمت میں گئے
مداح علی کا مرتبہ اعلیٰ ہے
غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے

تذکرہ جلوہ خضر جلد اول میں ایک روایت کے بموجب مرزا غالب لکھنؤ میں مرزا دبیر سے بھی ملے تھے۔ غالب نے دبیر کی فرمائش پر اپنا کہا ہوا ایک مرثیہ سنایا تو ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ

”ع- یہ مرثیہ ہے کا ہے کو واسوخت ہو گیا

حضرت ایہ حق تو آپ کا ہی ہے دوسرا اس کوچہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔“

۳-26 ذی قعد مطابق 27 جون 1827ء کو لکھنؤ سے کان پور روانہ ہوئے اور تین

دن سفر میں طے کر کے کان پور پہنچے اور کچھ دن قیام کیا۔

۴- غالب کان پور سے باندہ گئے جہاں ان کا ماموں زاد بھائی رہتا تھا۔ غالب کا

باندہ میں تقریباً چھ مہینے قیام رہا۔ باندہ کے قیام کے دوران کچھ غزلیات کہی اور دوستوں کو ارسال کی۔

۵۔ غالب باندہ سے موڈہ اور وہاں دو روز ٹھہر کر چلہ تارا گئے اور پھر الہ آباد میں 24 گھنٹے گزار کر بنارس پہنچے۔

۶۔ غالب جولائی 1827ء میں بنارس آئے اور تقریباً چھ مہینے بنارس میں رہ کر 29 دسمبر 1827ء کو بنارس سے پٹنہ اور مرشد آباد ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔

غالب بنارس میں خوش رہے اور انھوں نے یہاں ایک (108) اشعار پر مشتمل خوب صورت مثنوی جو نہایت مرصع اور مسجع فارسی مثنوی ”چراغ دیر“ کے نام سے حسینان بنارس کے حسن و جمال کی تعریف میں لکھی۔

۷۔ بنارس سے پٹنہ اور مرشد آباد ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے اور وہاں دو سال گزارے اور 29 نومبر 1829ء کو دہلی واپس ہوئے۔ کلکتہ کے سفر کا مقصد اور قیام کے دوران کے مسائل کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ غالب نے اپنی پنشن کا مقدمہ سپریم کورٹ میں دائر کیا جس میں اگرچہ انگریز حکمرانوں نے غالب کے حق کی تائید کی تھی لیکن مقدمہ کا غالب کے خلاف فیصلہ ہوا۔ مقدمہ سولہ سال تک چلتا رہا۔ غالب ہزاروں روپیوں کے مقروض ہو گئے۔ غالب کو دوسرے درجہ کے ساتھ تین ہزار روپے سالانہ سے زیادہ نہ ملے۔ سرکاری جانب سے خطاب بھی نہ ملا۔

ب۔ غالب دو سال تک ایک گھلا پر فضا مکان دس روپے کرایہ پر لے کر آرام سے رہے۔ مشاعروں اور ادبی محفلوں کے علاوہ علمی مجادلوں میں شریک رہے۔

ج۔ کلکتہ کے دوران غالب کے کلام پر اعتراضات، غالب کا جواب اور پھر جواب کارڈ عمل اور غالب کی مصالحت کی کوششیں اور معروف مثنوی ”آشتی نامہ“ کی تصنیف کی داستان طولانی ہے۔ اس طولانی مثنوی جو (158) اشعار پر مشتمل ہے اس کا بعد میں نام بدل کر ”بعدمخالف“ رکھا گیا۔

بقول حالی مرزا کی عمر کچھ کم چالیس برس کی تھی جب کہ وہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے اسٹرلنگ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے جن کی مدد میں مرزا کا فارسی

قصیدہ ان کے کلیات میں موجود ہے، وعدہ کیا تھا کہ تمہارا حق ضرور تم کو ملے گا۔ کول برک صاحب جو اُس وقت دہلی میں رزیڈنٹ تھے انھوں نے دہلی ہی میں مرزا سے عمدہ رپورٹ کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔ مگر آخر کار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ ملا۔ گورنمنٹ نے سر جان میلکم گورنر بمبئی سے جولا رڈ لیک کے سکریٹری رہ چکے تھے مرزا کے مطالعہ کی بابت استفسار کیا۔ انھوں نے مرزا کے دعوے کو غلط بتایا۔ جب مرزا کو مایوسی ہوئی تو انھوں نے ولایت میں اپیل کی مگر وہاں بھی کچھ نہ ہوا۔

۱۔ غالب کی والدہ پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ غالب نے ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی۔

تعلیم و تربیت :

ب۔ آگرہ میں مولوی معظم سے کسب علم کیا۔

ج۔ عبدالصمد ایک پارسی نژاد شخص سے جس کا مسلمان ہونے سے پہلے نام ”ہرمزد“ تھا فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ عبدالصمد عزلی کا بھی استاد تھا۔

غالب نواب کلب علی خاں کو لکھتے ہیں۔ ”بد و فطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا چاہتا تھا فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے۔ بارے مراد بر آئی اور اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا اور اکبر آباد کے مکان پر دو برس رہا اور میں نے اُس سے حقائق و دقائق زبان فارسی کے معلوم کئے۔

عبدالصمد غالب کے حُسن قابلیت اور استعداد سے متاثر تھا۔ چنانچہ وہ ہندوستان سے باہر چلے جانے کے بعد بھی غالب کو یاد کرتا رہتا تھا۔ حالی یادگار غالب میں لکھتے ہیں ”قاطع برہان“ اور ”درفش کاویانی“ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالصمد نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گُر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار اور دیگر ضروری باتیں مرزا کے دل میں یہ نشین کر دی تھیں۔

ملازمت :

۱۔ غالب نے زندگی بھر انگریز سرکار کی ملازمت نہ کی۔ مسٹر ٹامسن سکریٹری گورنمنٹ ہند نے گورنمنٹ دہلی کالج کے فارسی مدرس کی جگہ جس کی تنخواہ سو روپیہ ماہوار تھی غالب کو بلوایا لیکن حسب سابق ان کے استقبال کو پاکی تک نہ پہنچا تو غالب نے اس

نوکری سے انکار کر دیا۔

حکایت : مسٹر ٹامسن کے بلوانے پر جب غالب پاکی سے اتر کر اس انتظار میں ٹھہرے کہ سکریٹری صاحب ان کے استقبال کے لئے آئیں گے اور جب معلوم ہوا کہ سکریٹری صاحب اس لئے نہیں آئیں گے کہ غالب نوکری کرنے کے لئے آرہے ہیں تو غالب نے کہا کہ ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو نہ اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں کمی ہوئے۔ صاحب نے کہا ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔ مرزا غالب نے کہا مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے اور یہ کہہ کر چلے آئے۔

ب۔ بہادر شاہ ظفر نے 1266 ہجری میں غالب کو خلعت جوہر اور پچاس روپیہ ماہوار کے وظیفہ پر مامور کیا تاکہ خاندان تیمور کی تاریخ نویسی کتابی شکل میں مرتب کی جاسکے۔ جب 1271 ہجری میں استاد ذوق کا انتقال ہو گیا تو بہادر شاہ ظفر کے اشعار کی اصلاح اور دربار کے ملک اشعرا کی جگہ بھی غالب سے متعلق ہو گئی۔ بقول غالب ”جب بادشاہ دہلی نے مجھے نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمت تاریخ نگاری سلاطین تیمور یہ مجھ کو تفویض کی تو میں نے ایک غزل طرز تازہ پر لکھی۔ مقطع اس کا یہ ہے۔

غالب وظیفہ خوار ہو و دشاہ کو دعا
وہن گئے کہ کہتے تھے کہ نہیں ہوں میں
دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی۔ سات برس مجھ کو روٹی دے کر بگڑی۔ بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مہینہ مقرّر کیا۔ اُن کے ولی عہد نے چار سو روپیہ سال۔ ولی عہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔“

ج۔ 1855ء میں والی رام پور نواب یوسف علی خان غالب کے شاگرد ہوئے۔ یہ سلسلہ نواب کی موت 1865ء تک جاری رہا۔ پھر 1865ء سے 1869ء تک نواب کلب علی خان سے خط و کتابت رہی۔ غالب لکھتے ہیں۔ ”نواب یوسف علی خان بہادر والی رام پور کہ میرے آشنائے قدیم ہیں۔ اس سال یعنی 1855 میں میرے شاگرد ہوئے۔ ناظم ان کو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلیں اُردو کی بھیجے ہیں۔

اصلاح دے کر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہا۔ غالب کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دربار رام پور سے سو روپیہ کی ہنڈوی ملتی اور وہ ہر بار والی رام پور کو دے دیتے۔ ع۔ تم سلامت رہو ہزار برس

1865ء میں نواب کلب علی خان نے غالب کو جشن منہ نشینی کی شرکت پر ایک ہزار روپے دیئے اور رخصت ہوتے وقت مزید دو سو روپیے بطور ”زادراہ“ دیئے۔ غالب کے آخری دور میں دربار رام پور سے تعلقات خراب ہو گئے تھے جو پھر ٹھیک نہ ہو سکے۔ اور دربار سے غالب کی مالی اعانت ختم کر دی گئی۔

پوشاک و لباس : گھر پر دہلی کے شرفا کا لباس ہوتا یعنی انگرکھایا گھلی آستین کا لفی گریبان کا کرتا اور برکا پا جامہ۔ ٹمل کی ہلکی ٹوپی جس پر کامدانی یا کشیدے کڑھائی کا کام ہوتا۔ جاڑوں میں گرم کپڑے کا کلی دار پا جامہ اور مرزئی پہنتے تھے۔ گھر پر بعض اوقات ریشمی لنگی بھی پہنتے تھے۔ باہر جاتے تو ٹکڑا، تنگ مہری کا پا جامہ، کرتے پر صدری۔ اوپر کسی بھاری اور قیمتی کپڑے کی قبا اور اس پر ایک جامہ۔ پاؤں میں گھٹیلی جوتی۔ ہاتھ میں لمبا عصا جس کی شام پر کندہ تھا۔ یا اسد اللہ الغالب

می داشت عصای کنده چو مہر بدست

بُد نقش بر آن ”یا اسد اللہ الغالب“

سر پر عموماً کلاہ پاپاخ یا سیاہ پوشتین کی چو گوشیہ لمبی ٹوپی۔ کبھی کبھی مغل انداز میں مخروطی کلاہ اور اس پر دستار باندھ لیتے۔ جاڑوں میں شالی رومال بھی کندھوں پر ڈال لیتے تھے۔

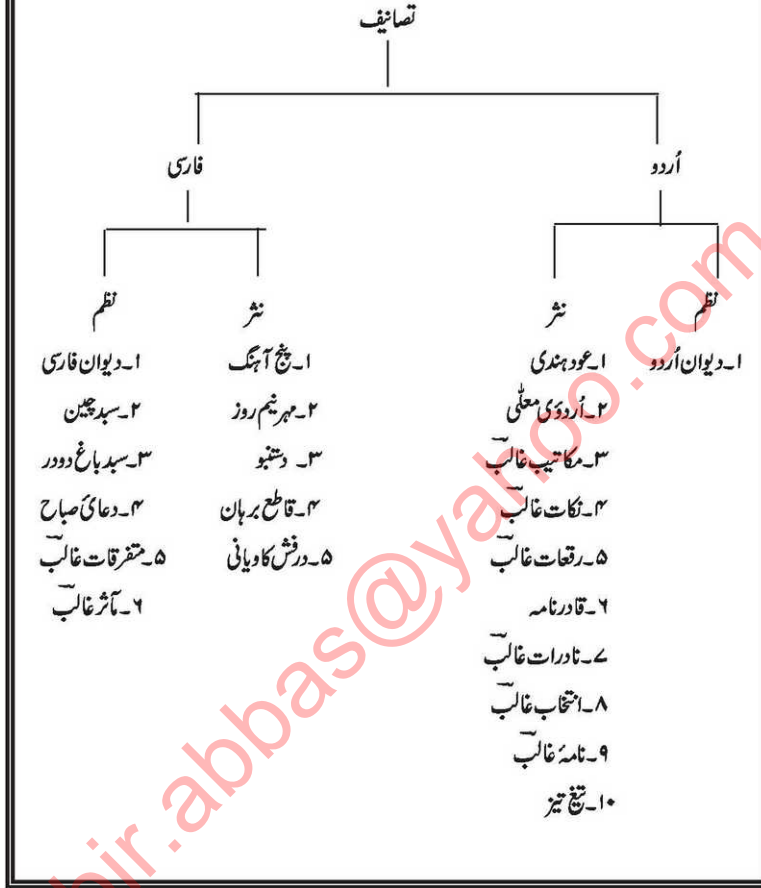
خوارک و غذا : ا۔ صبح سویرے نہار منہ باداموں کا شیرہ مصری کے شربت کے ساتھ پیتے تھے۔

ب۔ ناشتہ کچھ دن چڑھے کرتے تھے۔

ج۔ دوپہر کا کھانا مفصل ہوتا۔ گوشت کے شوقین تھے۔ بکری، دنبہ، مرغ، کبوتر، اور شیر شوق سے کھاتے۔ گوشت میں سبزی اور چنے کی دال ضرور ڈلاتے۔ روٹی سالن کے شوربے میں ڈبو کر کھاتے۔ پُرانے چاولوں کو ترجیح دیتے تاکہ ذود ہضم

خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ... کاظم علی خان	1981ء	لکھنؤ	20
خطوطِ غالب... مالک رام	1962ء	لکھنؤ	21
عروسِ سخن... تقی عابدی	2004ء	لاہور	22
غالب پر چند مقالے... نذیر احمد	1991ء	نئی دہلی	23
غالب نما... میر سلطان پوری	1969ء	لکھنؤ	24
نظامی جنٹری... محمد سلطان مرزا	1949ء	دہلی	25
ذکرِ رباران... تقی عابدی	2006ء	لاہور	26
ہما غالب نمبر... عبدالوحید صدیقی	1969ء	نئی دہلی	27
اُردوئے معلیٰ غالب نمبر... خواجہ احمد فاروقی	1969ء	نئی دہلی	28
نفوسِ غالب نمبر... محمد طفیل	1969ء	لاہور	29
نعتِ رنگ جلد (12)... صبیح رحمانی	2001ء	کراچی	30
آبِ حیات... محمد حسین آزاد	1962ء	الہ آباد	31
یادگارِ غالب... الطاف حسین حالی	1980ء	الہ آباد	32

کو اصلاح کی نظر سے دیکھتے اور اس میں ضروری رد و بدل کرتے تھے۔
 حافظہ و مطالعہ : غالب کا حافظہ بلا کا تھا اور ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ کبھی گھر پر کتاب خرید کر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہمیشہ کتاب داروں سے کرایہ پر کتاب منگوا کر پڑھتے اور واپس کر دیتے تھے اور کتاب کے تمام زم معنی و مطالب ان کے ذہن میں محفوظ ہو جاتے۔



دیوان فارسی : غالب کی زندگی میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔

پہلا ایڈیشن	1845ء	508	6672	مطبع دارالسلام دہلی	یہ دیوان ضیاء الدین احمد خان کی تصحیح و ترتیب کے بعد شائع ہوا۔ آخر میں غلط نامہ ہے اور تیر رخشاں کے تاریخ کے دو قطع ہیں۔ یہ اب کمیاب ہے۔
دوسرا ایڈیشن	1863ء	-	10424	منشی نولکشور اشعار	

غالب کا فارسی دیوان 1835ء میں ”میتخانہ آرزو“ کے عنوان پر مرتب ہو چکا تھا لیکن دس سال بعد شائع ہوا۔

سبد چمن : اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے ایک 1867ء میں غالب کی زندگی میں اور دوسرا 1938ء میں مکتبہ جامعہ دہلی کی طرف سے۔ اس میں مثنوی ”ابر گہر بار“ ہے جو (42) صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں (1098) اشعار ہیں۔

سبد باغ دورو : یہ نسخہ دراصل سبد چمن ہی کا بعد کا ایڈیشن ہے جو شائع نہ ہو سکا جس کو پروفیسر سید وزیر حسن عابدی صدر شعبہ فارسی و عربی دہلی یونیورسٹی نے شائع کیا اس کے پہلے حصے میں مثنوی ابر گہر بار اور دوسرے حصے میں چند نثریں شامل ہیں جو کلیات نثر میں موجود نہیں۔

دعای صباح : یہ کتاب حضرت علی کی دعا الصباح کا منظوم ترجمہ ہے جو غالب نے اپنے بھانجے مرزا عباس بیگ اسٹنٹ کمشنر پولیس لکھنؤ کی فرمائش پر لکھی اور یہ غالب کی زندگی میں مطبع نولکشور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں (26) صفحات ہیں۔ کتاب میں

پہلے عربی دعا کی نثر ہے جس کے نیچے فارسی نثری ترجمہ ہے جو غالب کا نہیں اور پھر غالب کا (124) اشعار میں منظوم کردہ فارسی ترجمہ رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آخری دو صفحات میں امام زین العابدینؑ کی دعا کا سات شعر میں ترجمہ ہے۔ دعا صباح کا جدید ایڈیشن جسے مرحوم گیتا رضانے ترتیب دے کر شائع کیا اس کتاب میں شامل ہے

متفرقات غالب : مرحوم مسعود حسن ادیب کی ترتیب کردہ کتاب 1947ء میں ہندوستان پر پریس رام پور سے شائع ہوئی جس میں فارسی خطوط، کچھ نظمیں اور اردو غزل شامل ہے جسے غالب نے ایک قلمی بیاض میں کلکتہ کے قیام کے دوران لکھے تھے۔ اس میں مثنوی باد مخالف کے علاوہ مثنوی ظفر بھی شامل ہے جو غالب نے دہلی میں تصنیف کی تھی۔ اس کتاب میں ادیب مرحوم کا بسیط مقدمہ بھی شامل ہے۔

ماثر غالب : اس کتاب میں غالب کے (32) بیئیس فارسی خطوط ہیں جو غالب نے کلکتہ اور ڈھاکہ کے دوستوں کے نام لکھے تھے جنہیں قاضی عبدالودود نے حکیم حبیب الرحمن کے کتاب خانہ سے حاصل کر کے مفید حاشیوں اور بعض نادر اردو فارسی تحریروں کے ساتھ شائع کیا۔ ماثرب غالب 1949ء میں علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں پہلے شائع ہو چکی ہے۔

بچ آہنگ : اگرچہ غالب نے اس کتاب کو 1825ء میں تصنیف کیا وہ پہلی بار 1849ء میں مطبع سلطانی اور دوسری بار 1853ء میں مطبع دارالسلام دہلی سے شائع ہوئی۔ بقول غالب اس مجموعہ کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا۔ یہ کتاب (493) صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے پانچ حصے ہیں جن میں القاب و آداب اور اُن سے متعلقہ مراتب، مصطلحات و لغات فارسی، مکاتیب منتخب اشعار اور تقاریض وغیرہ شامل ہیں۔

مہر نیم روز : شاہ ظفر کی خواہش پر غالب تاریخ دنیا کے آغاز سے مغل حکمران عہد تک کے حالات جس کتاب میں لکھنا چاہتے تھے اُس کا نام پر توستان تھا جس کا پہلا حصہ ”مہر نیم روز“ اور دوسرا حصہ ”ماہ نیم ماہ“ تجویز کیا تھا۔ مہر نیم روز (116) صفحات کی کتاب

1854ء میں فخر المطالع سے شائع ہوئی لیکن دوسرے حصہ کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی اور 1857ء کے ہنگامہ میں خاندان تیمور کا خاتمہ ہو گیا۔

دستنبو : اس کتاب میں غالب نے غدر کے حالات لکھے اور یہ التزام بھی کیا کہ تمام کتاب میں کوئی عربی لفظ نہ آنے پائے۔ غالب نے غدر کے حالات اگست 1858ء تک لکھ کر کتاب ختم کر دی۔ اس (88) صفحات کی کتاب کو مطبع مفید خلائق نے 1858ء میں شائع کیا۔

قاطع برہان : غالب نے برہان قاطع فارسی کی لغت جسے محمد حسین تبریزی ثم دکنی نے لکھا تھا اس کی غلطیوں کو نکال کر قاطع برہان کے نام سے 1862ء میں نول کشور سے شائع کروایا اس کتاب میں (97) صفحات ہیں۔

درفش کاویانی : قاطع برہان میں مزید اضافات اور مطالب جمع کر کے 1865ء میں غالب نے اکمل المطالع سے شائع کیا۔ اس کتاب میں (154) صفحات ہیں۔

دیوان اردو غالب : یہ منتخب دیوان مرزا غالب کی زندگی میں پانچ مرتبہ شائع ہوا اور آج بھی مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ غالب نے اپنے دیوان کا انتخاب خود کیا۔ پہلی بار مولوی سراج الدین احمد کی فرمائش پر ”گل رعنا“ کے نام سے اور دوسرے 1868ء میں نواب کلب علی خاں کی فرمائش پر جسے ”انتخاب غالب“ کے نام سے امتیاز علی عرچی نے کتاب خانہ رامپور سے شائع کیا۔ غالب نے جس دیوان سے یہ انتخاب کیا وہ بھی ”نسخہ حمیدیہ“ کے نام سے بھوپال سے شائع ہو چکا ہے۔ غالب کی زندگی میں جو منتخب دیوان پانچ بار شائع ہوئے ان کی تفصیل یوں ہے :

ایڈیشن	سنہ طبع	تعداد شعر	مطبع	ملاحظات
پہلا	1841ء	1070	مطبع سید الاخبار۔ دہلی	صفحات 108۔ شروع میں غالب کا فارسی دیباچہ اور آخر میں ضیا الدین احمد کی تقریظ ہے۔ اس کا ایک نسخہ رامپور لاہوری میں ہے۔

ایڈیشن	سنہ طبع	تعداد شعر	مطبع	ملاحظات
دوسرا	1847ء	1159	مطبع دارالسلام۔ دہلی	غالب کا فارسی دیباچہ اور غیر رخشاں کی تقریظ ہے۔
تیسرا	1861ء	1796		صفحات 88۔ غالب کا فارسی دیباچہ اور غیر رخشاں کی تقریظ ہے۔
چوتھا	1862ء	1796	مطبع نظامی۔ کانپور	صفحات 104۔ غالب کا فارسی دیباچہ اور غیر رخشاں کی تقریظ ہے۔
پانچواں	1863ء	1795	مطبع منشی شیو نرائن۔ آگرہ	صفحات 146۔ غالب کا فارسی دیباچہ اور غیر رخشاں کی تقریظ ہے۔ اس کا ایک نسخہ 1994ء میں راقم نے نیویارک لائبریری میں دریافت کیا۔

ان پانچ ایڈیشنوں کے علاوہ کوئی اور ایڈیشن غالب کی زندگی میں شائع نہ ہوا۔ غالب نے اپنے فارسی دیباچہ میں جو اس کتاب میں موجود ہے تاکید کی تھی کہ اگر کہیں میرے اشعار دستیاب ہوں تو اس دیوان کا جزو نہ کئے جائیں لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ دیوان غالب میں اشعار کی تعداد 2500 اشعار کے لگ بھگ ہے یعنی تقریباً سات سو اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ غالب کی تاکید اور خواہش کا احترام کیوں نہیں ہوا؟

عزیز ہندی : مرزا غالب کا مجموعہ ہے جس میں غالب کے (137) خطوط کچھ تقریظیں اور نثری نمونے شامل ہیں۔ منشی ممتاز علی خان چودھری عبدالغفور سردار اور غلام غوث بیکر کی مدد سے یہ مجموعہ جو (188) صفحات پر مشتمل ہے مرزا غالب کی زندگی میں 1868ء

کو مطبع مجبائی میرٹھ سے شائع کیا جس میں فنی ممتاز کا دیباچہ، غلام مولا صاحب قلق کی تقریظ اور کچھ تاریخی قطعات ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر خارج از محل نہیں کہ غالب پہلے تمام خطوط فارسی میں لکھتے تھے لیکن 1849ء سے انھوں نے اردو میں اس نئے طرز کی خطوط نگاری کی جو مکالمہ نگاری ہے۔ عود ہندی کا تاریخی قطعہ کا شعر یہ ہے۔

موسم کیا جو مہر غالب سے سرور تاریخ بھی اس کی ”مہر غالب“ لکھتی
 اردوی معنی : مرزا غالب کے خطوط کا پہلا حصہ 464 صفحات پر مشتمل غالب کے انتقال کے بیس دن بعد شائع ہوا۔ قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کبھی

ہے یہی سال طبع سال وفات
 ”آج اون کا سخن تمام ہوا“

1285 ہجری

اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع مجبائی سے شائع ہوا جس میں حصہ اول اور دوم دونوں کو یکجا کر دیا گیا اور یہ کام حالی کی زیر نگرانی انجام پایا۔ اردوی معنی کے مزید ایڈیشن کریمی پریس لاہور اور شیر محمد سرخوش نے بھی شائع کئے اور آج بھی مسلسل شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مکتب غالب : غالب کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو 1857ء سے 1865ء تک والیاں رام پور نواب یوسف علی خاں اور نواب کلب علی خاں اور بعض دوسرے صاحبان کو غالب لکھتے رہے ان (130) مکتوبات کو امتیاز علی خان عرچی نے یکجا کر کے دیباچہ کے ساتھ 1937ء میں شائع کیا اور اس جمع آوری میں عرچی نے ریاست کی طرف سے بھیجے گئے خطوط کی نقل بھی حاشیوں میں لگادی۔

نکات غالب : یہ بیس (20) صفحات پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے جو فارسی زبان کی صرف قواعد ہے جو اردو میں لکھی گئی۔

رقعات غالب : یہ سولہ صفحات پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے جس میں پنج آہنگ سے منتخب شدہ (15) پندرہ فارسی مکتوب ہیں۔

دونوں رسالے مطبع سراجی سے شائع ہوئے جو ماسٹر پیارے لال آشوب کی درخواست پر غالب نے تشکیل دیئے اور پھر دوبارہ شائع نہ ہو سکے۔

قادر نامہ : یہ آٹھ صفحات کا مختصر رسالہ ہے جس میں (137) اشعار ہیں۔ یہ رسالہ غالب نے عارف کے بیٹوں باقر علی اور حسین علی کی تعلیم کے لئے خالق باری اور آمد نامہ کی طرز پر لکھا جس میں اردو اور فارسی ہم معنی لغات ہیں۔ اس کا پہلا شعر لفظ قادر سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس کو ”قادر نامہ“ کہا گیا۔

قادر اللہ اور یزدان ہے خدا
ہے نبی مرسل پیمبر رہنما

قادر نامہ 1864ء میں مجلس پریس دہلی سے شائع ہوا۔ اور اس کے مختلف ایڈیشن شائع ہوئے۔

نادر ات غالب : یہ غالب کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جو غالب نے منشی نبی بخش حقیر اکبر آبادی کو لکھے تھے۔ ان (72) خطوط میں (69) خطوط غیر مطبوعہ تھے جنہیں آفاق حسین دہلوی نے 1947ء میں ادارہ نادر ات کراچی کی جانب سے شائع کروایا۔

انتخاب غالب : غالب نے اس مختصر کتاب کو پنجاب کے کیشنر میکلوڈ صاحب کی فرمائش پر مرتب کیا تھا اس (48) صفحات کی کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں کچھ نثریں، خطوط، لطیفے، اور دوسرے حصے میں منتخب اشعار ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار 1943ء میں دین محمدی پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

نامہ غالب : غالب نے 1865ء میں یہ سولہ (16) صفحہ کا خط مطبع محمدی دہلی سے چھپا کر تقسیم کروایا جس میں ساطع برہان جو غالب کی قاطع برہان کے جواب میں لکھی گئی تھی اس کا جواب تھا۔ نامہ غالب اب عود ہندی کا جزو بن گیا ہے۔

تج تیز : غالب نے یہ (34) صفحات کا رسالہ قاطع برہان کے جواب میں احمد علی احمد کی کتاب موید برہان کے جواب میں لکھا جو 1867ء میں مطبع اکمل المطالع سے صرف ایک بار شائع ہوا۔

شجرہ غالب

(پردادا)

شہزادہ ترسم خان

(خاندان شاہی سمرقند)

(دادا)

قوتان بیگ

نصر اللہ بیگ

(چچا)

عبداللہ بیگ

(والد)

یوسف مرزا خاں

(وفات 1857)

اسد اللہ خاں

(وفات 1869)

(۷ اولادیں کوئی بھی پندرہ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہا)

- ☆ غالب کی ماں عزت النساء بیگم آگرے کے ممتاز رئیس خواجہ غلام حسین خاں کی صاحبزادی تھی۔
- ☆ غالب کی اہلیہ امراؤ بیگم نواب الہی بخش خاں برادر والی لوہارو کی صاحبزادی تھی۔ غالب کی پہلی برسی کے دن 1870ء فروری میں انتقال کر گئیں۔
- ☆ زین العابدین عارف غالب کی اہلیہ کی بہن بنیادی بیگم کے صاحبزادے تھے۔ دو شادیں کیں۔ دونوں بیویاں عارف کی زندگی میں انتقال کر گئیں۔ عارف نے بھی 1852ء میں انتقال کیا۔ عارف کی عمر 36 برس تھی۔
- ☆ باقر علی اور حسین علی عارف کے بیٹے تھے۔ حسین علی عارف کے مرنے کے بعد غالب کے گھر رہتے تھے۔ حسین علی خاں 1850ء میں پیدا ہوئے اور تیس (30) سال کی عمر میں 1880ء میں انتقال کر گئے۔
- ☆ باقر علی خاں 1848ء میں پیدا ہوئے اور اٹھائیس (28) سال کی عمر میں 1867ء میں انتقال کر گئے۔ باقر اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور قرباں علی ساکت سے اصلاح لیتے تھے۔

مذہب :

مرزا غالب کے اجداد ماورئی النہری تھے۔ اُن کا مذہب حنفی تھا۔ لیکن بقول غالب ع۔ ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش کرد
 اِس لئے غالب کے مذہب کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ غالب کی ذات مذہبی بندشوں سے اونچی تھی لیکن تحقیق کا تقاضہ تمام زاویوں پر روشنی ڈالنا ہے چنانچہ یہاں ہم اپنا نظریہ دیئے بغیر لفظ بہ لفظ من وعن مشاہیر کے بیانات رقم کر کے قاری کو نتیجہ اخذ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی خارج از محل نہیں کہ غالبیات کے اکثر ماہرین نے ان کے عقیدہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جب کہ غالب کے اشعار کی تنقید میں بال کی کھال نکالی ہے۔ غالب کی نجی زندگی پر تبصروں میں ولایتی شراب کے نام اور ان کے دام تک ملتے ہیں لیکن ان کے نعتیہ اور منقبتی کلام کے جام کا ذکر تک نہیں ملتا۔ غالب کے عقیدے کا غالب کی سوانح عمری لکھنے والوں کے جملوں کو سند بنا کر فیصلہ کیا جاتا ہے جبکہ خود غالب کے کلام میں واضح طور پر ان مسائل پر گفتگو ہے اور جوان کے دیوان میں موجود ہے اور جس کو راقم نے اس دیوان نعت و منقبت میں یکجا کیا ہے۔ ان اشعار کے مطالب و معانی کو سمجھنے کے لئے افلاطون کی ذہانت اور ارسطو کی فطانت کی ضرورت نہیں بلکہ عقل سلیم کشادہ قلبی اور فیصلہ کن عقل کی ضرورت ہے۔
 ۱۔ مولانا محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ ”اہل راز اور تصنیفات سے بھی ثابت ہے کہ ان کا مذہب شیعہ تھا اور لطف یہ تھا کہ ظہور اس کا جوش محبت میں تھا نہ کہ تہماً اور تکرار میں۔“

ب۔ الطاف حسین حالی یادگار غالب میں لکھتے ہیں۔ اگرچہ مرزا کا اصل مذہب صلح محل تھا مگر زیادہ تر ان کا میلان طبع تشیع کی طرف پایا جاتا تھا اور جناب امیر کو وہ رسول خدا کے بعد تمام امت سے افضل جانتے تھے۔ ایک بار مرحوم بہادر شاہ نے دربار میں کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب شیعہ المذہب ہیں۔ مرزا کو بھی اطلاع ہو گئی چند باعیاں لکھ کر حضور کو سنائیں جن میں تشیع اور رفقہ سے تھاشی

کی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب رباعیاں صرف بادشاہ کو خوش کرنے اور اہل دربار کو ہنسانے کے لئے لکھی گئی تھیں۔ کیوں کہ دربار میں ایک منتفیس بھی ایسا نہ تھا جو مرزا کو شیعہ یا کم از کم تفضیلی نہ جانتا ہو۔ ”غالب نے تمام عبادات و فرائض میں صرف دو چیزیں لے لی تھیں۔ ایک توحید و جود اور دوسری نبیؐ اور آل نبیؐ کی محبت اور اس کو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔“

راقم نے حالی کے وہ بیانات جو غالب کی تجویز و تکلفین کے سلسلہ میں ہیں ان کو اس لئے یہاں پیش نہیں کیئے تاکہ تکرار سے اجتناب ہو۔ حالی کے وہ جملے میکش اکبر آبادی کے مضمون میں آگے صفحات میں ملیں گے۔

ج۔ عبدالباری آسی شرح دیوان غالب مطبوعہ 1930ء میں لکھتے ہیں۔ ”مرزا اہل تشیع سے تھے مگر ان کا سارا خاندان سنی المذہب تھا اور وہ کسی سے تعصب نہیں رکھتے تھے چونکہ غالب کے دوست اور عزیز سنی تھے لہذا ان کو کوئی مشکل سے سمجھتا تھا کہ یہ شیعہ ہیں۔“

د۔ امتیاز علی خاں عری دے دیوان غالب مرتبہ عرشی میں لکھتے ہیں۔

ع۔ اولیں دور امامت طرب ایجاد بہار

۱۔ اولین دور امامت یعنی امام اول۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میرزا صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلا امام مانتے تھے۔ دوسرے قصیدے میں وحی ختم رسل کہا ہے۔ جس کا مطلب قائلین امامت کے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی امامت کی بھی وصیت فرمائی تھی۔ چونکہ یہ دونوں قصیدے صفر 1238ھ (نومبر 1821ء) سے پہلے کے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب ابتدائے عمر ہی سے مسلک آبا سے منحرف ہو گئے تھے۔ ابھی تک اس تغیر عقائد کا حقیقی سبب معلوم نہ ہو سکا، سوائے اس خیال کے کہ نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر کے بیٹوں سے، جو شیعہ مذہب تھے ان کا لڑکپن سے بہت میل جول تھا۔ بعض قرینے ایسے بھی ہیں کہ ان کی نانھیال کو شیعہ ہونا چاہئے (دیباچہ مکاتیب غالب، طبع چہارم صفحہ ۱۸، ۱۹۔

ہ۔ جو شمسلیانی شرح دیوان غالب میں لکھتے ہیں۔ ”بو تراب حضرت علیؑ کا لقب ہے فرماتے ہیں اے غالب دوست کے ہم نشین سے دوست کی بوآیا کرتی ہے۔ اسی خیال سے میں حضرت علیؑ کی عبادت کرتا ہوں اور اسی عبادت کے ذریعہ خدا پرستی میں مشغول ہوں۔ اگرچہ مرزا مذہبی خیالات کے آدمی نہ تھے۔ نماز بھی نہیں پڑھتے تھے روزہ بھی نہیں رکھتے تھے مگر مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے وہ اثنا عشری یعنی شیعہ ہیں۔“
و۔ کالید اس گپنارضا دعای صباح میں لکھتے ہیں۔ ”غالب علیؑ اور علی پہلو سے نہ سہی مگر جذباتی طور پر کٹر شیعہ تھے۔“

ز۔ مالک رام ذکر غالب میں تفصیل سے غالب کے مذہب پر بحث کرتے ہیں جس کا ہو، ہوا اقتباس یہ ہے :

”مرزا کے مذہب کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے، جن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ میری نظر میں ان کے عقائد سے متعلق کسی قسم کا شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ دراصل اس بارے میں اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ حکیم محمود خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں نے مرزا کی تجہیز و تکفین، اہل تشیع کے طریقے پر نہیں ہونے دی۔ اس سے بعض لوگوں نے فرض کر لیا کہ ان دونوں صاحبوں اور خاص کر نواب ضیاء الدین احمد خاں سے زیادہ کون ان کے معتقدات سے واقف ہو سکتا تھا اور جب انھوں نے تمام رسوم اہل تشیع کے عقیدے کے مطابق ادا کیں تو یقیناً انھیں معلوم ہوگا کہ مرزا دراصل اسی مسلک کے پیرو تھے اور شیعہ نہیں تھے۔ حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے۔ جہاں تک اقرار باللسان کا تعلق ہے، مرزا ساری عمر کھلے بندوں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کرتے رہے اور اس میں ان کے مخاطب سنی اور شیعہ دونوں فرقوں سے تعلق رکھنے والے بزرگ تھے۔“ فرماتے ہیں :

”میں موحّد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ، سمجھے ہوئے ہوں۔ انبیاء سب واجب تعظیم اور اپنے اپنے وقت میں مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ

ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت۔ اور امامت نہ
اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین، اسی
طرح تا مہدی موعود علیہ السلام۔

ع۔ بریں زیستم ہم بریں بگذرم

(بنام نواب علاء الدین احمد خاں۔ سنی)

”قالب، اثنا عشری حیدری“۔ (بنام غلام حسین قدر بلگرامی۔ شیعہ)

”بندہ علی ابن ابی طالب، اسد اللہ المخلص بقالب“۔

(بنام محمد حسن ناخدائے شیرازی۔ شیعہ)

”عطیہ حضرت بتوسط جناب سیف الحق پہنچا اور میں نے اس کو بے تکلف عطیہ
مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضیٰ علیہ التحسینہ والہنا آپ کا دادا اور میرا آقا۔ خدا کا احسان ہے
کہ میں احسان مند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا۔“ (بنام میر غلام بابا خان
بہادر۔ سنی)

”میں علی کا غلام اور اولاد علی کا خاندان“ (بنام حکیم سید احمد حسین مودودی۔ سنی)

”صاحب! بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خاتمہ پر ۱۲ کا ہندسہ کرتا ہوں۔

خدا کرے کہ میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو۔ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔“

(بنام مرزا حاتم علی تہر۔ شیعہ)

”جانتے ہو کہ علی کا بندہ ہوں۔ اس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کھاتا۔“

(بنام یوسف میرزا۔ شیعہ)

”خدا کے بعد نبی اور نبی کے بعد امام۔ یہی ہے مذہب حق، والسلام والا کرام، علی

علی کیا کرو اور فارغ البال رہا کر“ (مخرج۔ شیعہ)

امامت من اللہ کا ثبوت انہوں نے ایک قصیدے میں یوں دینے کی کوشش کی ہے

حقا کہ لفظ احمد و لطفی کہ تحت اوست گنجیست شاہگاں و طلسمیست استوار

اما چے کشایش ایں معنوی طلسم فطرت شگرف قاعدہ کرد اختیار

باید نخست میم ز احمد گرفت کل میم اسم ذات نبی راست پرده دار
 ہر گہ بہ یمن معرفت ذات احمدی میم از میان رفت واحد گشت آشکار
 بے پردہ بنگر از الف، اللہ جلوہ گر وز حا و دال ہشمر و در یاب ہشت و چار

$$12 = 4 + 8$$

اور وہ اس عقیدے پر بہت ابتدا سے قائم تھے۔ مثنوی ابو گہر بار غالباً 1845 میں مکمل ہو چکی تھی۔ اس کے منقبت کے باب میں لکھتے ہیں۔

کہ تا کینہ از مہر بشنا ختم بکس غیر حیدر نہ پرداختم
 جوانی بریں در، بسر کردہ ام شے در خیالش سحر کردہ ام
 یعنی میں نے جب سے ہوش سنبھالا اور کینہ اور محبت کے درمیان فرق کرنا سمجھا، اسی
 دن سے حضرت علیؑ کے سوائے کسی دوسرے سے سروکار نہیں رکھا اسی کے در پر جوانی
 کے ایام بسر کر دیئے اور اسی کی یاد میں راتیں گزار دیں۔ اور انھوں نے اس میں
 کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ ان کے ابتدائی زمانے کے کلام میں جو نسخہ حمید یہ میں چھپا ہے،
 اس طرح کے کئی شعر موجود ہیں۔

ہزار آفت و یک جان بے نوائے اسد خدا کے واسطے اے شہ بیکساں، فریاد
 جس جگہ ہے مسند آرا، جانشین مصطفیٰ اس جگہ تخت سلیمان نقش پائے مسوہ ہے
 اسد، جہاں کہ علیؑ بر سر نوازش ہو کشادہ عقدہ دشوار، کار آساں ہے
 کثرتِ اندوہ سے حیران و مضطر ہے اسد یا علیؑ! وقتِ عنایات و دم تائید ہے

حرمتِ جان مجھ، یک نظر کن سوائے من یا علیؑ، یا مرتضیٰ، یا ابو الحسن، یا ابوتراب
 یہ بیانات پڑھنے کے بعد ناممکن ہے، کہ کوئی شخص انھیں شیطانِ علیؑ کے سوائے کسی

دوسرے گروہ میں شمار کر سکے۔ لیکن یہ بھی واقع ہے، کہ ان کی شیعیت صرف اسی حد تک ہے، کہ وہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو تمام دوسرے صحابہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ انھوں نے باقی صحابہؓ رسولؐ کو ستاروں اور حضرت علیؑ کو چاند سے تشبیح دی ہے۔ لکھتے ہیں۔

شرطت کہ بہر ضبط آداب و رسوم خیزد بعد از نبیؐ، امام معصوم
زاجماع چہ گوئی، بہ علیؑ باز گرائے مہ جائے نشین مہر باشد، نہ نجوم
اس کی تعبیر ہم دوسرے لفظوں میں یوں بھی کر سکتے ہیں، کہ ان کی شیعیت کا امتیازی نشان قبر انہیں، بلکہ تولد ہے، یعنی وہ دوسرے صحابہؓ پر غر نہیں کرتے، بلکہ حضرت علیؑ سے اپنے تولد و محبت کا شدت سے اظہار کرتے ہیں۔ اب یہ کوئی مخصوص شیعہ عقیدہ نہیں، بلکہ تفضیلہ سنی بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

پس مختصر اہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا کی وحدانیت پر یقین کامل رکھتے ہیں، اور نجات کے لئے نبوت پر ایمان کو واجب سمجھتے ہیں۔ نبوت کے بعد امامت مرتضوی کے قائل ہیں اور اسی طرح بارہ اماموں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور امامت کے من اللہ ہونے کے معتقد ہیں۔ وہ تمام صحابہ کا ادب کرتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؑ کو سب دوسرے صحابہ پر ترجیح اور فضیلت دیتے ہیں۔ ان کے اپنے خیال میں یہ اثنا عشری شیعہ عقیدہ ہے۔ آپ چاہیں تو انھیں تفضیلی کہہ لیں۔“ (مالک رام۔ ذکر غالب)

رج۔ میکش اکبر آبادی: معتبر ماہنامہ شاعر کے غالب نمبر 1969 میں میکش اکبر آبادی کے مضمون ”مرزا غالب کا مذہب“ کے اقتباسات یہاں پیش کئے جائے ہیں۔

(جناب افتخار امام صدیقی صاحب ایڈیٹر شاعر میرے شکریہ کے خاص مستحق ہیں کہ اسرے وقت میں اس مضمون کی فیکس کاپی پہنچا کر راقم پر لطف و عنایت کی)۔

مرزا غالب کا مذہب کیا تھا؟ وہ شیعہ تھے یا سنی؟ یہ ایک سوال ہے جو ان کی زندگی میں بھی پیدا ہوا ان کی موت کے وقت بھی اور ان کی وفات کے اتنے زمانے کے بعد بھی یہ سوال اتنا ہی محتاج جواب ہے جتنا ان کی زندگی میں تھا۔ حالی نے یادگار غالب

میں جو کچھ کہا ہے اس کی بنیاد حالی کا ذاتی علم اور قیاس ہے جو ایک حد تک صحیح مان لینے کے بعد بھی قطعی نہیں ہے۔

”مرزا کے جنازے پر جب کہ دلی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا اور شہر کے اکثر عمائد اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب محمد مصطفیٰ خاں حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم۔ اور بہت سے اہل سنت اور امامیہ فرقوں کے لوگ جنازے کی مشایعت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نبیرہ بخشی محمود خاں نے نواب نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے۔ ہم کو اجازت ہو کہ ہم اپنے طریقے کے موافق اُن کی تجہیز و تکفین کریں مگر نواب صاحب نے نہیں مانا اور تمام مراسم اہل سنت کے موافق ادا کئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب صاحب صاحب سے زیادہ اُن کے اصلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر ہمارے نزدیک بہتر ہوتا کہ شیعہ اور سنی دونوں مل کر یا علیحدہ علیحدہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھتے اور جس طرح زندگی میں اُن کا برتاؤ شیعہ اور سنی دونوں کے ساتھ یکساں رہا تھا، اسی طرح مرنے کے بعد بھی دونوں فرقے اُن کی حق گذاری میں شریک ہوتے“ اگر خواجہ حالی کا پہلا بیان تسلیم کر لیا جائے کہ ”دربار میں ایک متنفّس بھی ایسا نہ تھا جو مرزا کو شیعہ یا کم سے کم تفضیلی نہ جانتا ہو“ تو ان کی تجہیز و تکفین کے وقت یہ اختلاف پیدا ہی نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن تجہیز و تکفین کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب سنی تھے کیونکہ بقول مولانا حالی نواب ضیاء الدین احمد خاں سے زیادہ مرزا کے اصلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔ ان عبارتوں سے ایک بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا غالب نہ ایسے شیعہ تھے جس میں ٹھہ کی گنجائش نہ ہو اور نہ ایسے سنی تھے کہ اُن کو قطعیت کے ساتھ سنی کہہ دیا جائے۔ اس موقع پر ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مذہب کے معاملہ میں شیعہ اور سنی دونوں علیحدہ مزاج رکھتے ہیں۔ سنیوں کا مزاج یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سنیوں کے پورے مذہب کے مطابق ہو اور اُس کے ساتھ حضرت علیؑ کی تعریف و توصیف کے ساتھ جناب امیر معاویہ کے

بارے میں اتنا مخلص نہ ہو تو اُس کو قطعیت کے ساتھ شیعہ کہہ دیا جاتا ہے اور اکثر شیعہ ہونے کے لئے صرف ”حُبِّ علیؑ“ ہی کافی سمجھی جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مرزا غالب کوئی عالم یا مجتہد نہ تھے جو عقائد و کلام کی جوئیات تک کے متعلق اپنا مسلک متعین یا ظاہر کرتے۔ پھر بھی انھوں نے مختلف مواقع پر جو اپنے عقائد بیان کئے ایک مرتبہ ان سب کا مجموعی طور سے مطالعہ ضروری ہے۔ یہ ضروری اقتباسات ”یادگار غالب“ اور ان مکتوبات سے پیش کئے جاتے ہیں جو مرزا صاحب نے حضرت جی نمکین دہلویؒ کو لکھے ہیں۔

”میں آدھا مسلمان کہ جس طرح قید کیش و ملت سے آزاد ہوں، اُسی طرح بدنامی و زسوائی کے خوف سے وارستہ ہوں۔“ لیکن اس میں شک نہیں کہ میں مؤحد ہوں، ہمیشہ تنہائی اور سکوت کے عالم میں یہ کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں۔ ”لا الہ الا اللہ، لا موجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ“

”دریہ کے لونڈوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا اور رسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے، عرفاء کے کلام سے حقیقت حقہ وحدۃ وجود کو اپنے دلنشین کرنا اور ہے۔ مشترک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں، مشرک وہ ہیں جو مسلمانوں کو ابو الائمہ کا ہمسرہ مانتے ہیں، دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہیں۔ میں مؤحد خالص اور مومنِ کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھا ہوا ہوں۔ انبیاء سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد ﷺ پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ ختم المرسلین اور رحمتہ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علی ہے ختم حسن ختم حسین۔ اسی طرح تادمہ دی موعود علیہ السلام ”بریں زیستہ ہم بریں یگدرم“ ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباعت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔“

مکتوب مرزا غالب بنام حضرت جی نمکین دہلوی: ”رباعیوں کے بارے میں بات

شروع ہوتی ہے، یا اللہ میرا بیان پیرو مُرشد کے خلاف مزاج نہ ہو۔ تین رُباعیاں جو شروع میں رقم ہوئی ہیں ان کا مضمون یہ ہے کہ علیؑ خلیفہ تھے لیکن میرا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ میں علیؑ کو امام سمجھتا ہوں اور دوسروں کو خلیفہ۔ خلافت، سلطنت اور ریاست کے ہم معنی ہے۔ عرب کی زبان میں۔۔۔ اور حاکم کو خلیفہ کہتے ہیں۔ اگرچہ خلافت کے لغوی معنی نیابت کے ہیں۔ غرض یہ کہ علیؑ نبیؐ کے بعد بلا فصل امام ہیں۔ امامت خدا کی طرف سے ہے اور علیؑ امام ہیں۔ ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی، عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ عثمانؓ کے بعد علیؑ خلیفہ ہوئے غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام برحق علیؑ مرتضیٰ جب رسولؐ کے بعد امام ہوئے تو انہوں نے ابو بکرؓ صدیق کو خلیفہ کر کے حکومت کا کام اُن کے سپرد کر دیا تا کہ مسلمان خطروں سے محفوظ رہیں اور مسلمانوں پر فرمانروائی کریں۔ اس کے بعد عمرؓ کو پسند کیا اور اُن کے بعد عثمانؓ کو خلافت دی۔ ان تینوں نے اپنے کو سپرد کر دیا اور نبیؐ اور امامؑ کی اطاعت کی۔ عثمان کے بعد کوئی شخص حکومت کے قابل مسلمانوں میں نظر نہ آیا۔ جس شخص نے اس کی آرزو کی، وہ بھی اس کا اہل نہ تھا۔ مجبوراً امام وقت نے حکومت کا کام بھی خود ہی سنبھال لیا اور اہل اسلام کے جھگڑوں کو طے کرنے لگے۔ بادشاہ اگر قاضی کا کام کرنے لگے تو اُسے قاضی نہیں کہیں گے۔ علیؑ ہی امام ہیں اپنے عہد میں لیکن خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بنی امیہ کو منتقل ہوئی اور اُن سے آل عباس کو پہنچی۔ ان دونوں گروہوں نے خلفائے ثلاثہ کے برعکس بہت ظلم کئے اور خون بہائے ”علیؑ اور اولاد علیؑ کی امامت کو مٹایا اور ائمہؑ کو شہید کیا۔“

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اُس کا تعلق مرزا غالب کے شیعہ اور سُنی ہونے سے تھا۔ مولانا حالی نے اُن کے متعلق جو لکھا ہے وہ بھی قابلِ توجہ ہے:

”مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت یقین رکھتے تھے اور توحید و جود کو اسلام کا اصل اصول اور رکن رکین جانتے تھے۔ اگرچہ وہ بظاہر اہل حال سے نہ تھے مگر توحید

وجودی اُن کی شاعری کا عنصر بن گئی تھی..... اُنہوں نے تمام عبادات اور قرآن و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں۔ ایک توحید و جود اور دوسرے نبی اور اہل بیت نبی کی محبت، اور اسی کو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔“

ط۔ عباد اللہ فارقی غالب کے مذہبی اور فکری میلانات میں لکھتے ہیں۔ ”مرزا نہ شیعہ تھے نہ سنی ان کا مذہب عشق تھا جو محبت علی ابن ابی طالب میں جلوہ گر ہو گیا تھا۔ مرزا کبھی کبھی وفور جذبہ میں ایسی باتیں بھی کہہ جاتے۔

شرط است کہ بہر ضبط آداب و رسم خیزد بعد از نبی امام معصوم
از اجماع چہ گوئی بہ علی باز گرائی مہ جائے نشین مہر باشد نہ نجوم
یعنی مذہب کے قیام اور ضبط کے لئے نبی کے بعد امام کی ضرورت ہے اجماع کا کیا ذکر کرتے ہو آفتاب کا جانشین ماہتاب کو ہونا چاہئے نہ کہ ستاروں کو۔

ی۔ پروفیسر نذیر احمد غالب کی فارسی قصیدہ نگاری میں لکھتے ہیں۔ ”غالب کے قصائد میں 13 مذہبی قصیدے ہیں جن میں ایک حمد باری میں، تین نعت میں، چار حضرت علی کی منقبت میں، دو حضرت امام حسینؑ، ایک حضرت عباسؑ بن علیؑ، ایک حضرت امام مہدیؑ کی منقبت میں ہے۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ ائمہ اثنا عشر میں صرف تین اماموں کی منقبت لکھی گئی۔ حضرت امام حسنؑ اور آٹھ دوسرے ائمہ سے صرف نظر کرنا تعجب خیز امر ہے، معلوم نہیں اس رد و قبول کے پیچھے کوئی جذبہ کارفرما ہے کہ یہ محض اتفاقی امر ہے۔ موجودہ قصاید سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ غالب شیعہ عقیدے کے حامل تھے اس عقیدے کا تقاضا ہے کہ ان کو صرف تین اماموں کی مدح پر بس نہ کرنا تھا۔

(نوٹ: غالب نے پورے بارہ اماموں کے نام لے کر مدح اور دعا کی ہے جو اسی کتاب میں موجود ہے۔ راقم)

ک۔ آغا محمد سلطان مرزا: فلسفہ غالب 1949ء میں لکھتے ہیں۔ ”غالب کی روح پر ظلم ہوگا اگر ہم غالب کے فلسفہ حیات میں حُب علی کا تذکرہ نہ کریں رسول و آل

رسول کی محبت سے غالب سرشار تھے۔ سب کی منقبت کہی ہے لیکن علی کا عشق تو ان کے خون کے اندر سرایت کر گیا تھا۔ کہتے ہیں۔

غالب ہمہ صفت سے آتی ہے ہر صفت مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

نفس نبی خدائے نصیری امام خلق آں منت عظیم کہ حق ہر جہاں نہاد

شمعی ز آتش شجر طور بر فروخت و اں را بخلوت علی اللہیاں نہاد

آن حضرت کی معراج سے واپسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شب از بادۂ قدس ساغر گرفت صبحی ز دیدار حیدر گرفت

دو ہزار از باہد گر راز گوئے نشاں ہائے بنیش بہم باز گو

آپ نے غور کیا ”صبحی ہم از بادۂ دوش بود“ مست مئے حُب علی اپنے شریہوں کی اصطلاح میں بڑی بات کہہ گیا۔ بات وہی ہے اگر شجر میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ”انی انا اللہ“ تو نہاں خانہ خلوت سے علی کے لہجہ میں گفتگو ہونا کون سی ناممکن بات تھی۔ آخر گفتگو کے لئے کوئی لہجہ تو اختیار کرنا ہی تھا۔ وہ وہی لہجہ کیوں نہ ہو جو دونوں کو مرغوب ہے۔

ل۔ یوسف جمال انصاری، غالب اور تصوف میں لکھتے ہیں۔ ”غالب کے مذہبی عقائد کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ موعود تھے اور بطور ایک مسلمان کے اثنا عشری طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ محمد ﷺ کو خاتم النبیین مانتے تھے۔ ائمہ معصومین کے قائل تھے۔ اس قسم کے عقائد راسخ الحقیقہ اثنا عشری حضرات کے ہوتے ہیں۔ انھیں حُب علی کی وہ دولت ملی تھی اور عشق حسین کا وہ خزانہ ہاتھ آیا تھا اور جملہ عقلی حدود سے متجاوز ہو جاتے چنانچہ جذباتی اعتبار سے نصیری عقاید کی مماثلت بھی کلام غالب میں جا بجا ملتی ہے۔

منصور فرقہ علی اللہیاں منعم
آوازہ انا اسد اللہ بر آورم
اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مذہبی عقیدے کے اعتبار سے غالب اثنا عشری تھے لیکن شاعر
کی نفسیات کچھ اس قسم کی ہوا کرتی ہے۔

م۔ پروفیسر البرٹ تھاکی لے اور پروفیسر انا ماری شمل، مرزا اسد اللہ غالب میں
لکھتے ہیں۔ ”غالب نے فارسی زبان میں قدیم انداز میں ستر (70) قصیدے لکھے
ہیں۔ ان میں حمد یہ بھی ہیں نعتیہ بھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں بھی۔
غالب شیعہ المذہب تھے حالانکہ ان کے خاندان کے دوسرے افراد مسلک اہل
السنّت والجماعت کے پیرو تھے۔“

ن۔ پروفیسر الی ساندرا ابوسانی۔ غالب کی فارسی شاعری میں لکھتے ہیں۔ ”غالب
شیعہ تھے اور اپنے کلام میں اکثر شیعہ اماموں کی تعریف کرتے ہیں۔“
ص۔ حسرت موہانی تذکرہ الشعراء میں لکھتے ہیں۔ ”کسی کو ان کے اصلی مذہب کی
بابت سوا اس کے اور کچھ نہ معلوم ہوا کہ ان کو اہلبیت رسالت سے بے انتہا عشق تھا
اور بس۔ غالباً مرزا شیعہ تفسیلہ تھے۔“

خ۔ ڈاکٹر سید محی تھیل ”عظمت رسول“ خطوط غالب“ میں لکھتے ہیں۔ ”غالب کو
دہری رافضی، شیعہ، سنی، آدھا مسلمان جو کچھ کہا گیا ہو لیکن عشق رسول سے ان کا
قلب منور تھا اور روح بالیدہ۔“

ض۔ ادیب رائے پوری ”غالب کے فارسی کلام میں نعت“ میں لکھتے ہیں۔ ”اگرچہ
غالب نے اپنی عقیدت اور رسول سے اپنی بے پناہ محبت کے اظہار میں لاتعداد
اشعار نظم کی صورت اردو اور فارسی میں کہے لیکن حب رسول کا ایک ایسا نمونہ غالب
نے اپنی نثر میں چھوڑا ہے جو یقیناً اس کی نجات کا باعث بنے گا اور اہل جہاں کو حب
رسول کا درس بن کر زبان و بیان کی تاریخ میں مہر و ماہ کی طرح روشن رہے گا۔“ نواب
علاؤ الدین احمد خاں علانی کو اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ ”اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں
گے تو میرا جلا تا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوؤں گا اور دوزخ کی آج کو تیز

شاگرد :

کروں گا تا کہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفویٰ اور امامت مرتضویٰ اس میں جلیں۔“
 غالب کے شاگردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مالک رام نے تلامذہ غالب میں (175)
 سے زیادہ شاگردوں کے حالات کتابی شکل میں جمع کئے۔ اردو کے چار عظیم شاعروں
 میں یعنی میر، انیس، اقبال اور غالب میں غالب اس لئے بھی منفرد رہے کہ دوسرے
 تینوں شعرا کے شاگردوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ حالی نے اس کثرت کو
 غالب کی وسعت اخلاق اور عام رضا جوئی کی وجہ قرار دے کر لکھا کہ جو شخص اصلاح
 کے لئے ان کے پاس غزل بھیجتا تھا ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے خط میں اُس کی غزل
 میں اصلاح دے کر نہ بھیجیں۔

یہ سچ ہے کہ ان کے شاگردوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ یوسف علی خاں ناطق
 بیتاب اور توفیق جیسے والیاں ریاست، ظفر جیسا بادشاہ مغل، حالی، شیفۃ، حقیر اور
 عرشی جیسے عالم فاضل تفتہ، ذکا جیسے ملازمت پیشہ افراد کے علاوہ بہت سے معمولی
 پڑھے لکھے عام لوگ شامل تھے۔ ان کے ارشد تلامذہ میں حالی، شیفۃ، نیر خشان،
 عارف، سالک، مجروح، علائی اور تفتہ وغیرہ شمار ہوتے تھے۔ غالب کا طریقہ
 اصلاح آموز شانا اور صحت مندانہ تھا۔ جو شعر پسند آتا اُس پر صاد کی علامت لگاتے
 اور بعض اوقات شاگرد کا دل بڑھانے کے لئے تعریفی کلمات لکھ دیتے۔ اگر کسی
 لفظ کے بدل دینے سے شعر عمدہ اور بلند ہو جاتا تو شعر کے نیچے وہ لفظ لکھ دیتے۔
 غالب کی کوشش یہ ہوتی کہ شاعر کا خیال حتیٰ امکان وہی باقی رہے وہ صرف استادی
 دکھانے کے لئے لفظوں کی رد و بدل نہیں کرتے تھے جس سے مضمون میں ترقی نہ
 ہو۔ غالب کے شاگردوں کو معلوم تھا کہ اصلاح کے لئے اچھے کاغذ پر خوش خط
 اشعار لکھیں جائیں تا کہ اشعار کے درمیان اصلاحی نکات رقم ہو سکے۔ چونکہ غالب
 کا طرز بیاں منفرد تھا اس لئے ان کے ان تمام شاگردوں میں سے کوئی بھی شاگرد
 اُس جو ہر نایاب کو پانہ سکا اور غالب نے بھی اپنا نقش بنانے کی کوشش نہ کی۔ غالب
 کے خطوں میں شاگردوں کے لئے بہت سے اشارے ملتے ہیں۔ اصلاح سخن کے

ساتھ ساتھ وہ شاگردوں کے فحشی اور شخصی معاملات میں بھی مدد کرتے تھے۔ غالب نے استادی سے نہ اپنا سکہ جمایا اور نہ سکہ بنایا بلکہ سیکھنے والوں کو طریقوں پر سکھایا۔ غالب ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے دن میں دو چار بار زنا نے میں جاتے ان کی اہلیہ خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرتی تھی۔ اگرچہ وہ غالب کے برعکس متقی پرہیزگار نماز و روزہ کی پابند تھی لیکن ہر حال میں وہ غالب کی پرستار تھیں۔ چنانچہ غالب کے انتقال کے ایک سال بعد برسی کے دن اس دارِ فنا سے کوچ کر گئیں۔ ناتوانی کے باعث چلنا پھرنا بند ہو گیا تھا۔ دن رات پلنگ پر پڑے رہتے۔ خطوں کے جواب یا خود لکھتے یا لکھواتے۔ مرنے سے چند روز قبل تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے بے ہوش اور ہوش میں ہوتے۔ بقول حالی مرنے سے دو دن قبل نواب علّائی کو خط میں لکھوایا۔ ”میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدھ روز میں میرے مسایلوں سے پوچھنا“۔ آخری پہروں یہ شعر دروڑاں تھا۔

ازدواجی زندگی :

آخری ایام :

دم واپس بر سرِ راہ ہے عزیز و اب اللہ ہی اللہ ہے
15 فروری 1869 بروز شنبہ دوپہر ڈھلے انتقال کر گئے۔ یہ افسوس ناک خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی اور زیارت کے لئے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ دلی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ شہر کے ممتاز اور عمائد لوگ جو ہر گونہ مذہب و ملت سے تعلق رکھتے تھے جلوس جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب اپنے خسر نواب الہی بخش خاں کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تاریخ وفات :

نماز جنازہ :

دفن :

کئی تاریخیں کہی گئیں۔ مشہور تاریخ ”آہ غالب بمرّد“ جس میں دس بارہ آدمیوں کو توار دہوا۔ قطعات کے علاوہ حالی، مجروح، تفتہ، اور سالک نے اُردو اور فارسی میں غالب پر مرثیہ لکھے۔

تاریخ وفات :

جدول دیوان نعت و منقبت

کل اشعار دیوان نعت و منقبت

(2888)

کل اشعار دیوان نعت و منقبت (فارسی)

(2649)

کل اشعار دیوان نعت و منقبت (اُردو)

(239)

جدول دیوانِ نعت و منقبت

شماره	موضوع صنف	زبان	ہئیت	در حال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
1	حمد	فارسی	قصیدہ	باری تعالیٰ	ای دوہم غیر موعنا در جہاں انداختہ گفتہ خود حرفی و خود را در گماں انداختہ	52	
2	حمد	فارسی	مثنوی	باری تعالیٰ	سپاسی کز نامہ نای شود سخن در گزارش گرامی شود	114	مثنوی ابر گہریار کلاں پاپچہ
3	مناجات	فارسی	مثنوی	باری تعالیٰ	خدایا زبانی کہ عشیدہ بہ نہروئے جلیکہ عشیدہ	101	مثنوی ابر گہریار حصہ ہے
4	مناجات	فارسی	غزل	چودہ معصومین	بہر تروح نبی حاکم ادیان و ملل کار فرمای نبوت اہدأ ہم ز ازل	20	غالب نے چودہ معصومین کا نام لے کر مناجات کی اور اس کا نام فاتحہ کھٹا
5	مناجات	فارسی	غزل	چودہ معصومین	بہر تروح جناب ولی یوم الحساب ضامن تعمیر شارتان طہای خراب	67	غالب نے چودہ معصومین کا نام لے کر مناجات کی اور اس کا نام فاتحہ کھٹا
6	نعت	فارسی	قصیدہ	حضور اکرم	آن یلہلم کہ در چمنستان شاخسار بود آشیان من شکن طرہ بہار	101	
7	نعت	فارسی	قصیدہ	حضور اکرم	مرا طلیست بہ پس کوچہ گرفتاری کشادہ روی ترا ز شاہدان بازاری	65	
8	نعت	فارسی	قصیدہ	حضور اکرم	کیستم تا بخروش آدم بی ادبی قدسیاں پیش تو در موقف حاجت طلبی	16	غسہ غزل قدسی

شماره	موضوع صنف	زبان	ہیئت	در حال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
9	نعت	فارسی	غزل	حضور اکرم	حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐ است اسے کلام حق بہ زبان محمدؐ است	9	
10	نعت	فارسی	مثنوی	حضور اکرم	بنام ایزد اے کلک قدسی صری بہر جنبش از غیب نیرو پذیر	57	مثنوی ابرگر بارکاتہ ہے
11	نعت	فارسی	مثنوی	حضور اکرم بیان مہراج	ہانا در اندوہ روزگار شے بود سر جوش لیل و نہار	281	مثنوی ابرگر بارکاتہ ہے
12	نعت	فارسی	رباعی	حضور اکرم	عشب چست سویاں لب لب کل	2	
13	نعت	فارسی	قطعہ	حضور اکرم	ع۔ سہ تن ز پیبران مرسل	2	
14	نعت	فارسی	قطعہ	حضور اکرم	تا بود چار عید در عالم	2	
15	نعت	اردو	فردیات	حضور اکرم	اے کائنات میں میں نے کون سے ہیں کون سے واسطے جس شے کے غالب گنبد بیکھکلا	5	
16	نعت بشمول منقبت	فارسی	قصیدہ	حضور اکرم حضرت علی	چون تازہ کم درخ آئین بیاں را آواز دہم شیوہ رہا ہم نفساں را	55	
17	نعت و منقبت	فارسی	مثنوی	حضور اکرم حضرت علی	بعد حمد ایزد و نعت رسول می نگارم نکتہ چند از اصول	129	
18	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علی	خواہم کہ گچ نالہ ز دل سر بر آورم دود از خود و شرارہ ز آذر بر آورم	59	
19	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علی	دوش آمد و بوسہ لبم بردھان نہاد راز دھان خویش بلب در میان نہاد	72	
20	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علی	صحی کہ درھوای پرستاری و من جنبہ کلید بکندہ و دوست بر من	45	
21	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علی	نازم بہ گراں مائیگی دل کہ ز سودا ھر قطرہ خون یافتہ پرواز سویدا	110	

شماره	موضوع صنف	زبان	ہیت	درحال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
22	منقبت	فارسی	ترکیب بند	حضرت علی	آلِ بحر خیرم کہ مداح شہستان دیدہ ام شبِ یمنیاں مادرین گر نہ پایاں دیدہ ام	90	
23	منقبت	فارسی	خمیس	حضرت علی	در محمد و تبرہ بہ اژدر کند علی رفع نزاع بازو کیوڑ کند علی	18	خمسہ برغزل مولانا روم
24	منقبت	فارسی	مشوی	حضرت علی	ہزار آفریں برمن و دین من کہ منعم پر جیست آئین من	128	مشوی ایر گہر بارکاتہ ہے
25	قصیدہ	اُردو	قصیدہ	حضرت علی	سازیکہ ذوق نہیں فیضِ جن سے بیکہ سایہ لالہ ہے داغِ سویدائے بہار	110	
26	قصیدہ	اُردو	قصیدہ	حضرت علی	وہر جز جلوۂ یکنائی معشوق نہیں ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خوش نہیں	67	
27	منقبت	فارسی	قصیدہ	امام حسین	مگر مرا دل کافر بود شبِ میلاد سرِ ظلمتِ دھند از گہاں عصیاں باد	112	
28	منقبت	فارسی	قصیدہ	امام حسین	ایر اٹھلبار و ماٹھل از ناگریستن دارد تفاوت آبِ شہن تا گریستن	63	
29	قصیدہ	فارسی	قصیدہ	امام حسین	بیاد کر بلا تا آن ستم کش کارواںِ نبی کہ دروی آدم آلِ عبا را سارہاںِ نبی	62	
30	منقبت	فارسی	قصیدہ	امام مہدی	ہست از تیزگر بہ صبا استخوانِ دھند آئینِ دھریست کہ کس را زباںِ دھند	77	
31	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت عہاں	آوارہ غریب تو ان دیدِ صنم را خواہم کہ در بہت کہہ سازند حرم را	50	
32	منقبت	فارسی	فردیات	حضرت علی	منصور فرقہ علی اللہیاں منم آوازہ ای انا اسد اللہ در اٹلم	24	

شمارہ	موضوع صنف	زبان	ہیت	درحال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
33	منقبت	اُردو	فردیات	حضرت علی	غالب حکومت علی پہلے حکومت مشغول حق ہوں بندگی بقرابت میں	20	
34	منقبت	فارسی	رباعی	حضرت علی	رع شرطیست کہ ہر ضیاء آداب در ہم	2	
35	منقبت	فارسی	رباعی	حضرت علی	رع بریل از دیدہ فقیست این خلب	2	
36	منقبت	اُردو	قطعہ	معصومین	فکر تاریخ سال میں مجھ کو	7	یہ غالب نے تاریخ کہی
37	مرثیہ	فارسی	ترکیب بند	امام رضا و سید العلماء	زین خرابی کہ در جهان افتاد بگور از خاک کا سامان افتاد	84	☆
38	ترجمہ دعای صبح	فارسی	مشغولی	دعاے حضرت علی	ای خدا اے داور کو بر کشاد از درخیدن زبان باعداد	120	غالب نے منظوم ترجمہ حضرت علی کی مشہور صباح کا کیا
39	ترجمہ دعای امام سجاد	فارسی	غزل	دعا امام سجاد	یا الہی قلب میں محبوب و محب عقل من مغلوب و نفس من پیٹک		امام زین العابدین کی دعا کا فارسی ترجمہ
40	مرثیہ	اُردو	مسدس	امام حسین	رع ہاں اے نفس یاد سر شعلہ فشاں ہو	9	
41	سلام	اُردو	غزل	امام حسین	سلام اُسے کیا اگر بادشاہ کہیں اس کو تو پھر کہیں کہ کچھ اس کے سوا کہیں اس کو	21	
42	نوحہ	فارسی	غزل	امام حسین	ای کج اندیشہ فلک حرمت دین باستی علم شاہ گوں شد نہ چنین باستی	12	

☆ غالب نے یہ مرثیہ سید العلماء سید حسین فرزند سید ولد اعلیٰ خفران آب کے انتقال پر لکھا اور تاریخ کہی۔ مرحوم نے 18 مفر کو انتقال کیا جو امام رضا کی
شہادت کی تاریخ ہے تو اس نسبت سے امام رضا کا مرثیہ بھی لکھا

شماره	موضوع صنف	زبان	ہیت	درحال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
43	نوحہ	فارسی	غزل	آل حبیبا	شدمج بدان شور کہ آفاق بہم زد مانا کہ ز خون ریزی فاطمہ دم زد	11	
44	نوحہ	فارسی	غزل	امام حسین	سردھن سردری افتاد ز پاہای شد غرقہ بخون پیکر شاہ شہداہای	14	
45	نوحہ	فارسی	غزل	آل حبیبا	ای فلک شرم از ستم برخاندان مصطفیٰ داشتی زین پیش سر بر آستان مصطفیٰ	11	
46	نوحہ	فارسی	غزل	شہدائے کربلا	و قہیست کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی سو ز نفس نوحہ گر از تلخ نوائی	14	
47	حمد	فارسی	مثنوی	باری تعالیٰ	حکایت شنیدم کہ شای ہدیہ دیرنگ ز پہلو بردن راند لکڑ پچنگ	441	حکایت ، مثنوی نامہ اور ساقی نامہ مکمل مثنوی ابو گہر پار کے جسے ہیں جن کو علیحدہ خانوں میں مشکل سے تقسیم کیا جاسکتا ہے
48	نعت	فارسی	مثنوی	حضور اکرم	(145) شعر مثنوی نامہ مثنوی دگر دھمہ بہ تار زن گل از غلہ تر بدستار زن		
49	منقبت	فارسی	مثنوی	حضرت علی	(140) شعر ساقی نامہ بیاساقی آئین جم تازہ کن طراز بساط کرم تازہ کن		
					(156) شعر		

جدول دیوان نعت و منقبت

شماره	صنف	تعداد	تعداد شعر
1	حمد	2	168
2	مناجات	3	166
3	نعت	5	248
4	معراج نامہ	1	281
5	نعتیہ رباعی	1	2
6	نعتیہ قطعہ	2	4
7	نعتیہ اُردو و مفرد اشعار	5	5
8	نعت و منقبت امام علیؑ	2	184
9	منقبت امام علیؑ فارسی	7	522
10	منقبت امام علیؑ اُردو	2	177
11	منقبت امام حسینؑ فارسی	3	237
12	منقبت امام محمدؑ فارسی	1	77
13	منقبت حضرت عباسؑ فارسی	1	50
14	منقبتی فارسی و مفرد اشعار	24	24
15	منقبتی اُردو و مفرد اشعار	20	20
16	منقبتی رباعیات فارسی	2	4
17	منقبتی قطعہ اُردو	1	7
18	مرثیہ امام رضاؑ اور سید العلماء	1	84
19	دعای صبا (ترجمہ)	1	120
20	دعای امام زین العابدینؑ (ترجمہ)	1	7
21	مرثیہ اُردو	1	9
22	سلام اُردو	1	21
23	نوع فارسی	5	62
24	مثنوی ابو گہر بار (دکایت)	1	145
25	مثنوی ابو گہر بار (مثنوی نامہ)	1	140
26	مثنوی ابو گہر بار (ساقی نامہ)	1	158

جدول دیوان نعت و منقبت

مُکُل حمزیں = 2

مُکُل مناجاتیں = 3

مُکُل نعتیں = 8

مُکُل نعتیہ رباعیات = 1

مُکُل نعتیہ قطعات = 2

مُکُل نعتیہ مفرد اشعار = 5

مُکُل منقبتیں = 16

مُکُل منقبتی رباعیات = 2

مُکُل منقبتی قطعات = 1

مُکُل منقبتی مفرد اشعار = 44

مُکُل مرثیے = 2

مُکُل سلام = 1

مُکُل نوے = 5

دعای صباح = 1

دعای امام زین العابدینؑ = 1

مثنوی ابی گہر بار (حکایت) = 1

مثنوی ابی گہر بار (معنی نامہ) = 1

مثنوی ابی گہر بار (ساقی نامہ) = 1

مُکُل اشعار دیوان نعت و منقبت = 2888

غالب اور ذوق

(ادبی معرکہ یا ادبی مغالطہ)

اسے بھی زمانے کی ستم ظریفی ہی کہیے کہ گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے اردو شاعری میں غالب اور ذوق کا موازنہ کیا جاتا ہے، یعنی ذوق کو غالب کے مقابل میں کھڑا کیا جاتا ہے اور غالب و ذوق کی باہمی چشمک، جو ہم عصر اور درباری اردو شاعر ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی، اس کو دو عظیم شاعروں کی معرکہ آرائی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سودا اور ضاحک، انشا اور مصحفی، ناسخ اور آتش، انیس و دہر کی ادبی معرکہ آرائیاں مشہور ہیں اور ان کا موازنہ بڑی حد تک صحیح ہے کیونکہ یہ مقابلی شعر ادبی میدان پر آج بھی ایک دوسرے کے ہم پلہ اور ہم وزن نظر آتے ہیں۔ ذوق کا کسی حد تک موازنہ ان کے استاد شاہ نصیر سے تو کیا جاسکتا ہے لیکن غالب سے ان کا موازنہ ایک وقتی ادبی سیاست اور بدعت، ادبی سنت میں تبدیل ہو گئی اور آج اس سے انکار، ادبی شریعت سے بغاوت تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میاں ابراہیم ذوق اردو ادب کے اچھے شاعروں میں تھے جیسا کہ انھوں نے خود دعویٰ کیا تھا: ع۔ ہر فن میں ہوں طاق مجھے کیا نہیں آتا..... یقیناً بہادہ شاہ ظفر کے چار دیوانوں میں سے تین دیوانوں پر استاد ذوق کا اثر اس قدر شدید ہے کہ بعض اوقات پڑھنے والے کو ذوق کے کلام کا گمان ہونے لگتا ہے۔ قصیدہ نگاری میں مرزا سودا کے بعد انھوں نے خاص مقام تو پیدا کیا لیکن غزل گوئی میں وہ کمال پیدا نہ کر سکے۔ مرحوم نیاز فتح پوری ”دلی اسکول کے چار شاعر“ میں لکھتے ہیں: ”ایسا نہیں کہ ذوق نے غزلیں نہ کہی ہوں، کہیں اور بہت کہیں، لیکن معیاری غزل ان کے یہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ میر کا انداز تو انھیں کیا نصیب ہوتا، میر کے شاگردوں کی بھی ہمسری حاصل نہ ہو سکی۔“

غالب اور ذوق کا موازنہ حقیقت میں : ع۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک کا مصداق بن جاتا ہے مزے کی بات یہ ہے کہ اس معرکہ میں غالب کو حملہ آور اور فتنہ گر بنا کر ذوق کو مظلوم اور متین دکھایا جاتا ہے۔ غالب نابغہ روزگار، بکٹائے فن، فرید عصر اور پیغمبر سخن تھے۔ خدائے سخن میر تقی میر کے بعد وہ ملک سخن کے بے تاج بادشاہ تھے، چنانچہ ذوق کا ملک اشعرا کا خطاب، خاقانی ہند کا لقب، شاعروں اور مشاعروں میں آؤ بھگت، قلعہ کے شہزادوں میں عزت، دربار میں استاد کی کاشرف اور دلی کے گلی کوچوں میں استاد ظفر ہونے کی سعادت و معرفت، جو حقیقت میں غالب کا حق تھا، اسے غالب اپنی حق تلفی تصور کرتے تھے اور دربار میں رسائی کی رکاوٹ کو ذوق کی

سیاست سمجھتے تھے۔ چونکہ غالب ایک حساس عظیم آرٹسٹ تھے اس لیے ان زیادتیوں کا اظہار اپنی باریک بینی اور ندرت بیانی سے کبھی کبھار کر دیتے۔ کیونکہ غالب یک و تنہا تھے۔ ایک عصا پکڑ کر چلتے تھے جس پر بھی لوگوں نے اعتراض کیا تھا۔ غالب کے ساتھ نہ شاہ تھا، نہ قلعہ اور نہ دربار، نہ شہزادے اور نہ ان شہزادوں کے ہوا دار شودے اور شعبہ باز جو دلی کے کوچے گلیوں میں خبر رسانی اور سماجی ہر سانی میں مصروف تھے۔ حضرت ذوق بڑی ہوشیاری سے پشت پرودہ یہ تمام کام اپنے حاشیے سے لیا کرتے تھے اور غالب زمانے کی نگاہ میں اس شعر کے معنی بن چکے تھے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

قدیم کہاوٹ ہے کہ مرنے والے کو نیک کام، عمدہ کتاب یا ایک اچھا فرزند ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیتا ہے لیکن محمد حسین آزاد کی وجہ سے اس کہاوٹ میں ایک اچھے شاگرد کا بھی اضافہ ہو گیا یعنی ایک اچھا مخلص شاگرد استاد کو زندگی جاودانہ دے سکتا ہے۔ ذوق کے اکلوتے فرزند مرحوم خلیفہ اسماعیل وہ کام نہ کر سکے جو محمد حسین آزاد کر گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر محمد حسین آزاد نہ ہوتے تو آج ذوق گمنام ہو کر بہادر شاہ ظفر اور قلعہ کے شہزادوں کی بیاضوں میں بکھرے رہتے۔ غالب کو حالی ملے وہ بھی حالی تھے اور انھوں نے بڑے نازک مقامات پر ہوشیاری کے ساتھ اپنے شانے خالی کیے۔ وہ اگرچہ گلشن غالب کے مالی بن کر اپنے گلدستہ کو سجاتے رہے اور ”یادگار غالب“ لکھ کر یادگار روزگار ہو گئے لیکن آزاد کی طرح پرواز نہ کر سکے۔ محمد حسین آزاد جن کے بارے میں شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ ”اگر وہ گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے“، اس آزاد نے ”دیوان ذوق“ کو مقدمہ کے ساتھ مرتب کرنے کے علاوہ اپنی شاہکار تصنیف ”آب حیات“ میں باسٹھ (62) صفحات اپنے استاد بزرگوار پر تزیین کیے جب کہ خدائے سخن میر تقی میر پر اٹھائیس (28)، مرزا غالب پر سونتیس (37) اور میر انیس پر صرف آٹھ صفحات سیاہ کیے۔ ”آب حیات“ میں ذوق کی غزلوں کو آب حیات پلانے کی ناکام کوشش بھی کی گئی۔ ذوق پر اردو نظم کا خاتمہ کیا کیونکہ ان کو ہرگز امید نہیں تھی کہ ایسا قادرِ کلام پھر ہندوستان میں پیدا ہوگا۔ استاد نصیر کو شاگرد ذوق سے حسد اور رشک کرتے ہوئے بتایا گیا۔ ذوق کے حافظ کو اس قدر قوی بتایا کہ انھیں وہ واقعات بھی یاد تھے جب کہ ان کی عمر ایک سال سے بھی کم تھی۔ پہلے دو شعر، جو حمد اور نعت کے ان کے دہن سے نکلے، وہ بالکل موزوں تھے۔ مومن خان مومن سے تو ایک فی البدیہہ تاریخ منسوب ہے، لیکن آزاد نے استاد ذوق سے کم از کم تین تاریخیں منسوب کیں۔ ذوق کو کہیں صاحبِ نظر مورخ، کہیں تفسیرِ کبیر کا مفسر، کبھی شیخ شبلی، کبھی یزید بسطامی،

کبھی ابوسعید ابوالخیر تو کہیں محی الدین عربی قلمبند کیا۔ ”خاقانی ہند“ کو خاقانی شیروان سے دو چند بتایا اور یہ بھی لکھا کہ استاد نے قصیدہ کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ کسی کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچا۔ بہر حال، شاگرد ہو تو ایسا جسے استاد کے منہ پر چیچک کے داغ بھی چمکدار، خوبصورت اور بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ انھی کرشموں اور تعریفوں کو پڑھ کر نیاز فتح پوری نے کہا: ”ذوق کی شاعری ایک ایسا سیلاب تھا جو خس و خاشاک کا بڑا ڈھیر اپنے ساتھ لایا۔ پھر آزاد نے غوطہ لگا کر موتی ڈھونڈنے کی بھی کوشش کی لیکن وہاں تھا کیا جو ہاتھ آتا۔ جسے آزاد نے موتی سمجھا، وہ بھی خرف ریزہ ہی نکلا۔“

”ذوق کے مدحین کی طرف سے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب غالب نے ذوق کا یہ شعر سنا:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

تو اپنا سارا دیوان اس شعر کے عوض دینے پر آمادہ ہو گئے، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ غالب کی غلط بخشی تھی ورنہ خود غالب کے یہاں نہ جانے کتنے ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جن میں ایک شعر ذوق کے دیوان پر بھاری ہے۔“

غالب کے شاگرد وحالی نے ”یادگار غالب“ میں لکھا کہ شیخ ابراہیم ذوق کی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو ان سے چشمک تھی۔“ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ ذوق اور غالب میں باہمی معاصرانہ چشمک تھی۔ غالب نے تمام زندگی بھر ذوق کی طرح کسی کی جبو میں ایک شعر بھی نہیں لکھا۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ معاندانہ جذبات کی شدت غالب میں تھی جب کہ ذوق کے پاس یہ جذبہ کم تھا۔ ذوق صرف اردو کے شاعر تھے لیکن غالب فارسی اور اردو کے عظیم شاعر تھے۔ ان کا فارسی دیوان، جو اردو دیوان سے چھ گنا بڑا ہے، آج ہمارے دعویٰ کا زندہ ثبوت ہے۔ مشہور ہے کہ غالب نے ایک اٹھارہ انیس اشعار کا فارسی قطعہ لکھا جس میں طنز اور اشارہ ذوق پر کیا گیا۔ اس کے دو شعر اس طرح ہیں:

فارسی بیس تابہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزار از مجموعه اردو کہ بے رنگ من است
راست می گویم من و از راست سر نتوان کشید
هرچہ در گفتار فخر تست آن ننگ من است

(ترجمہ..... میری شاعری کے رنگ برنگ نقش دیکھنے کے لئے میرا فارسی کلام دیکھ! میرا اردو کلام اس کے سامنے بے رنگ ہے۔ مجھے یہ حق بات کہتے ہوئے کوئی جھجک نہیں کہ جن چیزوں پر تجھے فخر ہے، وہ میرے لئے باعوض

نگ ہیں)۔

پروفیسر احتشام نے اپنے مضمون ذوق و غالب میں صحیح لکھا ہے کہ ”شعراحتاس ہوتے ہیں۔ اگر انھیں ایک دوسرے سے شکایت ہو تو تعجب نہ ہونا چاہئے۔ ذوق کے مرید اور شاگرد، غالب کو جاہ جاعتراضات کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔ معمولی معاصرانہ چشمک اور مسابقت کے جذبے کو ہوا دینے اور چنگاری بڑھا کر شعلے بنانے میں دربار کا ہاتھ زیادہ تھا۔ ذوق ایک معمولی سپاہی کے اکلوتے بیٹے تھے جنھیں میر کا ظم حسین بے قرار نے پہلے شاہ نصیر کی شاگردی اور پھر شاہ ظفر کی استادی پر معمور کیا تھا۔ فلسفہ، تصوف اور حالات حاضرہ سپے خبر 19 سالہ ملک الشعرا قلعہ کی رنگ رنکیلوں میں مشغول تھے اور بقول آزاد 36 برس کی عمر میں جملہ مہنیات سے توبہ کر لی اور اس کی تاریخ بھی کہی : ع۔ اے ذوق! بگوسہ بار توبہ۔ اس زمانے والی عہد، جو آگے چل کر بہادر شاہ ظفر ہوئے، ان کے استاد ہوئے اور ماہانہ چار روپے تنخواہ مقرر ہوئی۔ ذوق نے کبھی شہزادوں اور قلعہ کی حماقتوں کی تنقید نہ کی بلکہ ان کی عشقیہ شاعری، جو چوما چائی سے لبریز تھی، اس کے دست و بازو بنے رہے اور خود بھی اسی رنگ میں شعر کہنے لگے :

ما تھے پر ترے جھکے ہے جھومر کا پڑا چاند
لا بوسہ ، چڑھے چاند کا وعدہ تھا ، چڑھا چاند

اس کے برخلاف غالب کا خاندان شاہی جاہ و منصب سے ہمیشہ سرفراز رہا۔ شمشیر کی جگہ جب قلم نے لی تو علم اور فضیلت کے میدان کے شہسوار بنے، اس لئے اس زمانے کے کئی مشہور عالم اور فاضل، جن میں فضل حق خیر آبادی، مولوی عبدالقادر، مجتہد سید محمد، آرزوہ قابل ذکر ہیں، ان کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ غالب کو شعوری طور پر اپنے کمال فن کا شدت کے ساتھ احساس تھا، اسی لئے زمانے کی ناشناسی کا گلہ کرتے رہے۔ غالب کی شاعری چونکہ اس دور اور اس ماحول میں ایک نیا تجربہ تھا اور وہ قدیم اور قدامت پسندی کے خلاف تھے، اس لئے اس ماحول میں اجنبی جانے گئے۔ چنانچہ نواب لوہارو مرزا علاؤ الدین کو لکھا: ”مجھے اپنے ایمان کی قسم! میں نے اپنی نظم و نثر کی داد باندازہ بایست نہیں پائی۔ آپ ہی کہا اور آپ ہی سمجھا۔“

پرانے استادوں کی زمینوں میں کشت کاری اور گلگاری ذوق کا شوقین مشغلہ تھا، اس لئے غالب نے کہا تھا :

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن ، اسد
سرکشہ خمائر رسوم و قیود تھا

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگی رسم و رو عام بہت ہے
اور کبھی اپنی تہلیٰ اور داخلی کیفیت کو یوں نبھایا :

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

مشکل ہے ز بس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

غالب کی مشکل اور معنی آفرین کلام کا مذاق اڑانا عام تھا۔ ان کی شاعری کو ”ڈیڑھ جز“ کی شاعری کہا جاتا اور ان میں درباری کی سیاسی چالیں شامل تھیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ اس زمانے کے عالم اور فاضل افراد بھی غالب کی مشکل گوئی کا مذاق اڑانا جائز سمجھتے تھے، چنانچہ اس سے بڑھ کر کیا کفر ان سخن ہو کہ کسی فاضل سن رسیدہ دوست نے غالب کے سامنے مہمل مصرعوں کو موزوں کر کے ان کے دیوان سے بتایا کہ اس کا مذاق اڑانا چاہا۔ وہ شعر یہ ہے:

پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال
پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال
اسی دور کے کسی نامور شاعر نے غالب پر طنز یہ لکھا :

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

ذوق کے دوست اور دربار، شاہی سے وابستہ حکیم آغا جان عیش نے بھی بھری محفل میں غالب کی ادق بیانی کا مذاق اڑایا۔ یہاں زبانِ مرزا سے مراد میرزا سودا اور ان کے قصیدوں کا تتبع کرنے والے ذوق ہیں :

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھتے تو کیا سمجھتے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھتے
کلام میر سمجھتے اور زبان میرزا سمجھتے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھتے یا خدا سمجھتے

یہ طنز و مزاح کے سامان بیشتر ذوق کے حامیوں کی جانب سے غالب کے لئے فراہم کیے جاتے تھے اور بعض اوقات خود حضرت ذوق محرمانہ مسائل چھیڑ دیتے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ”لطايف شعرا“ میں مفتی انتظام اللہ نے لکھا ہے کہ ذوق نے شہزادہ عالی کو مخاطب کر کے ایک نچی محفل میں یہ مقطع پڑھا، جس کو بعد میں محفل کے ایک شخص نے غالب تک پہنچا دیا :

سمجھ ہی میں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھتے تو کیا سمجھتے

بات صرف یہاں تک نہیں رکی بلکہ اس دور کے مزاح گو شاعر عبدالرحمان، جو ہد پد تخلص کرتے تھے اور جن کو بہادر شاہ ظفر نے طائر الاراکین، شہیر الملک، ہد پد الشعرا، منقار جنگ بہارو کے خطابات عطا ہوئے اور ماہانہ سات روپے مقرر دی گئی، انھوں نے بھی لوگوں کو ہنسانے کے لئے غالب کے انداز پر مطلع کہا :

مرکز محور گردوں پہ لب آب نہیں
ناخن قوس و قزح شبہ مضرب نہیں

غالب اس غم کو غلط کرنے اور کبھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے کہہ دیتے :

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپاہ گری
کچھ شاعری ہی ذریعہ عزت نہیں مجھے

اور کبھی ذوق پریوں چوٹ کس دیتے :

بنا ہے شہ کا مصاحب ، پھرا ہے اتراتا
وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

غالبیات سے واقف حضرات یہ جانتے ہیں کہ غالب، میر تقی میر کا بڑا احترام کرتے اور ان کے کلام کو مصحف

شاعری سمجھتے تھے :

غالب! اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناتھ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
لیکن ذوق میر کی زمینوں میں غالب کی کوشش کو سعی بیہودہ سمجھتے تھے کیونکہ خود بری طرح اس تجربہ میں ناکام
ہو چکے تھے، اسی لئے غالب پر طنز کیا تھا :

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق! یاروں نے بڑا زور غزل میں مارا
جب دربار میں غالب نے شاہ ظفر کے سامنے یہ مقطع پڑھا :

یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

تو فوراً بہادر شاہ ظفر نے مسکرا کر کہا: اس وقت بھی ہم ایسا نہیں سمجھتے۔ اگرچہ محفل میں غالب نے اس بات پر
بات بنا کر اچھی طرح نبھایا اور پھر اپنے دعویٰ کا اظہار کیا لیکن بہر حال ذوق نے غزل کے مقطع میں غالب پر فیش زنی
کی:

اے ذوق! بس نہ آپ کو صوفی بتائیے
معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی
پروفیسر احتشام حسین نے ان اشعار کی چوٹ غالب پر بتائی ہے۔

1850ء میں جب بہادر شاہ ظفر کے مرشد کالے شاہ صاحب کی سفارش سے غالب کی شاہی دربار میں
رفت و آمد شروع ہو گئی انھیں تاریخ شاہان تیموری ”مہر نیمروز“ لکھنے کا موقع ملا اور ولی عہد شہزادہ فتح الملک کے استاد
ہوئے تو ذوق اور ان کے احباب کے حلقہ کو ناگوار گزرا کیونکہ بقول مولف ”غالب“ شیخ محمد اکرام: ذوق اور ان کے
معاونین مرزا کی کوششوں میں روڑے اٹکاتے تھے اور شاہی دربار میں غالب کی رسائی کے حق میں نہیں تھے۔ دربار
میں لوگ بادشاہ کا دل ان کی طرف سے مکرر کیے ہوئے تھے۔ بہر حال، انھی دنوں، یعنی دسمبر 1851ء میں مشہور
”سہرا“ کا واقعہ پیش آیا جب بہادر شاہ ظفر کی ملکہ زینت محل نے غالب سے مرزا جوان بخت کی شادی پر سہرا لکھنے کی
فرمائش کی تو غالب نے 12 شعر کا خوبصورت سہرا لکھا اور اس کے مقطع میں تعالیٰ اور طنز سے کام لیا :

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
 دیکھیں اس سہرے سے کھدے کوئی بہتر سہرا
 دربار اور قلعہ میں اس مقطع پر چوٹ اور چیلنج تصور کیا گیا، چنانچہ بہادر شاہ ظفر نے استاد ذوق سے کہا: مقطع پر
 نظر رکھتے ہوئے تم بھی ایک سہرا کہہ دو۔ ذوق نے پندرہ اشعار کا سہرا لکھا اور مقطع میں غالب کا جواب یوں دیا:
 جس کو دعویٰ ہے سخن کا، یہ سنا دے اس کو
 دیکھ! اس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا
 دلی کے گلی کوچوں میں دونوں سہروں کے شعر زبان زد عام ہو گئے۔ یہاں غالب کا مقابلہ ظاہری طور پر ذوق
 سے تھا لیکن پشت پردہ بہادر شاہ ظفر تھے۔ عام لوگ اس کو غالب کی زیادتی سمجھ رہے تھے چنانچہ حالات کو سازگار
 بنانے کے لئے غالب نے بارہ شعر کا ایک قطعہ لکھا جس میں اپنی بات چیت کو کنایہ، رمز، ایما اور اشارے میں پیش کیا۔
 عام قاری کے ذہن اس قطعہ کو غالب کا معذرت نامہ خیال کرنے لگے لیکن بقول احتشام حسین ”یہ قطعہ غالب کی
 قادر الکلامی، ذہانت اور معاملہ فہمی کا نادر نمونہ ہے۔ اس کا ہر شعر معنویت کا خزانہ اور ندرتِ ادا کا معجزہ ہے۔ یہ ایک
 نازک ترین مقام تھا جس میں خودداری اور مصلحت کی جنگ تھی اور غالب اس سے بڑی خوبی سے عہدہ برآ ہوئے۔ اس
 قطعہ کے چند اشعار یہ ہیں :

استاد شہ سے ہو مجھے پر خاش کا خیال
 یہ تاب ، یہ مجال ، یہ طاقت نہیں مجھے
 مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
 مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
 روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیہ
 سودا نہیں ، جنوں نہیں ، وحشت نہیں مجھے
 صادق ہوں اپنے قول میں غالب ! خدا گواہ
 کہتا ہوں کہ سچ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
 واقعات یہ بتاتے ہیں کہ ذوق اور غالب میں کدورت بڑھتی گئی اور اکثر محافل اور مشاعروں میں دونوں کو

ایک مقام پر نہیں دیکھا گیا۔ غالب اگر چہ دربار میں آیا جایا کرتے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ بہادر شاہ ظفر ذوق کے حامی ہیں۔ غالب کو تمام عمر دتی کے دربار اور اس کے ماحول کے شعری مذاق سے گلہ رہا۔ غالب نے ایک قصیدہ، جو بہادر شاہ ظفر کے لئے لکھا تھا، اس میں ہلکے اشارے ذوق پر نظر آتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

نے ہے ترانہ سنج نکسیا نوا بود
 نے ہر سخن سرائے بہ سجاں برابرست
 نے ہر شتر سوار بہ صالح بود ہماں
 نے ہر شباں بہ موسیٰ عمراں برابرست
 نے ہر سنج یافت ز پرویز گوئی بود
 نے ہر کہ باغ ساخت برضواں برابرست

(ترجمہ: ہر نغمہ نگار نکسیا نہیں اور ہر شاعر سجاں کے برابر نہیں۔ ہر خزانہ داد پرویز نہیں اور ہر باغ، جو بنایا

جائے، باغ فردوس نہیں بن سکتا)۔

ان اشعار میں غالب یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ میرے سمندرِ حقیقی کو دوسری سواریوں کے ساتھ ایک اصطبل

میں نہ باندھا جائے، کیونکہ :

ع۔ کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

غالب غزل پر غالب ہوتے ہوئے بھی میر سے

مغلوب کیوں؟

میر، آتش، ناسخ، غالب، اور آباد کی ایک بحر میں ہم قافیہ ردیف غزلوں کا ریویو

ہمارے دور کے مشہور تنقید نگار پروفیسر آل احمد سرور نے اپنے دو شعروں میں غزل کے فن پر بڑے پتہ کی

بات کہی ہے :

غزل میں ذات بھی ہے اور کائنات بھی ہے
ہماری بات بھی ہے اور تمہاری بات بھی ہے
سرور! اس کے اشارے داستانوں پر بھی بھاری ہیں
غزل میں جوہر ارباب فن کی آزمائش ہے

غزل جیسی صنفِ سخن، جس کو سخن کا سر تاج بھی کہا جاسکتا ہے، جاذبہ اور دافعہ کی حامل رہی ہے۔ بعض شعرا نے اسے غمِ جاناں اور غمِ دوراں جان کر کبھی دل سے دور نہیں کیا جنہیں یک فنا کہا گیا۔ البتہ غزل گو شعرا کی فہرست طولانی ہے اور بقول فراق گورکھپوری کے تقریباً پچاس معروف غزل گو شعرا اُدو کے گیسوئے غزل کو سنوارتے رہے ہیں، لیکن ولی، میر، سودا، انشا، مصطفیٰ، آتش، ناسخ، غالب، جرأت، مومن، ذوق، آباد، مجروح، امیر، داغ، عزیز، اکبر، شاد، حسرت، قاتی، اقبال، یگانہ، اصغر، جگر، سیما، اثر، اور کئی دیگر قابل ذکر ہیں۔ دوسری طرف اس کی ساخت، ذات اور ہیئت پر اعتراض کرنے والوں میں وحید الدین سلیم نے کہا کہ غزل کا شاعر قافیہ کا غلام ہوتا ہے۔ وہ خیال کے مطابق قافیہ نہیں لاتا بلکہ قافیہ کے مطابق خیال ڈھونڈتا ہے۔ عظمت اللہ خان نے فتویٰ دیا کہ اردو شاعری کی ترقی کے لئے غزل کی گردن بے تکلف مار دی جائے۔ کلیم الدین احمد نے غزل کو ”نیم وحشیانہ شاعری“ کہا۔ جوش ملیح آبادی نے اس کو اظہارِ بیان کی پابندی کہی اور یہ درس پہلے انھوں نے نظم طباطبائی سے سیکھا۔ حالی نے اس کو بے وقت کی راگنی کہا۔ اگرچہ حالی غزل کے مخالف نہ تھے لیکن غزل میں معاملہ بندی اور اس میں داخل خارجی معاملات کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ میر تقی میر غزل میں روا بعض شعرا کی ”چوما چائی“ سے بیزار اور حضرت غالب کو ”مکتلئے غزل“ کا کافی معلوم ہوئی۔ ان تمام مسائل کو رکھتے ہوئے بھی غزل چونکہ رمز و کنایہ، تشبیہات و استعارات، واردات خارجی و داخلی سے لبریز تھی، اس لئے ہر زمان اور مکان میں گلشنِ شاعری کا گل

سرسبد بنی رہی، کیوں کہ غزل میں کہی گئی داستان بقولِ سیما ب: ع۔ جو سنتا ہے اسی کی داستان معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے اس مضمون میں غالب کی مشہور غزل: ”نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا“ کو منتخب کر کے اسی بحر، ردیف اور قافیہ میں کہی گئی چار متقدمین کی غزلوں سے مقابلہ کیا ہے جو ادب کے طالب علموں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ غالب کی اس غزل میں، جو ان کے دیوان کی سب سے پہلی غزل قرار دی گئی ہے، صرف پانچ اشعار ہیں جن کے چھ مصرعوں میں قافیہ تحریر، تصویر، شیر، شمشیر، تقریر اور زنجیر باندھے گئے ہیں۔ غالب کے متقدمین میں اس بحر، ردیف اور قافیہ میں ہمیں میر، آتش، ناسخ، اور مرزا امجدی خان آباد کی غزلیں نظر آتی ہیں۔ اردو کے دیگر عظیم شعرا سودا، انشا، مصطفیٰ، مومن، ذوق، اور اقبال کے دو اویں میں اسی بحر میں ہم ردیف و قافیہ غزلیں موجود نہیں۔

ایک ہی بحر میں ہم قافیہ اور ردیف اشعار کا مقابلہ اس لئے دلچسپ ہے کہ مختلف عظیم شعرا کی قوتِ تخیل اور فنِ تنزل کو کسی حد تک ایک ہی معیار پر تول جاسکے۔ یہاں یہ اشکال بھی ہے کہ یہ غزلیں مختلف ادوار کی پیداوار ہیں اور متاخرین کے سامنے متقدمین کی غزلیں موجود تھیں، یعنی غالب کے سامنے میر کی غزل کے ۱۳ شعر، آتش کے ۲۲ شعر، ناسخ کے ۲۴ شعر اور آباد کے ۲۴ شعر موجود تھے۔ ایک ہی بحر میں ہم ردیف و قافیہ (۸۳) اشعار کا ہونا رحمت بھی ہے اور زحمت بھی ہے۔ رحمت، سمندِ تخیل کو ہمیز کرنے کے لئے اور زحمت، توار اور سرقہ کے الزام سے بری ہونے کے لئے۔ اس مضمون میں ہم نے مقابلہ کے لئے ان عظیم شعرا کے وہی اشعار نقل کئے ہیں جو غالب کے قافیوں کے ہم قافیہ ہوں۔ اس مضمون میں ہم نے کسی بھی شعر کے محاسن پر بحث نہیں کی کیونکہ وہ سعد بن لندھور کی داستان ہو جاتی۔ شعر کا انتخاب ہمارا ذاتی فیصلہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔

ع۔ عقل معقول بفرما گل بے خار کجاست۔

غالب کا مطلع: نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر منکبہ تصویر کا

”تحریر“ اور ”تصور“ قافیوں پر میر کی غزل میں ”تصور“ پر صرف ایک شعر، خواجہ آتش کی غزل میں ”تحریر“ پر ایک اور ”تصور“ پر پانچ شعر، ناسخ کی غزل میں صرف ”تصور“ پر آٹھ شعر اور آباد کی غزل میں صرف ”تصور“ پر تین شعر اس طرح ہیں:

میر تقی میر: سب کھلا باغ جہاں الّا بہ حیران و خفا
جس کو دل سمجھے تھے ہم، سو غنچہ تھا تصویر کا

خواجہ آتش (۱) حال مستقبل بخوبی اس سے کرتے ہیں بیاں
زایچہ بھی نقل ہے پیشانی کی تحریر کا

(۲) رتبہ سو نچا ہے خموشی سے یہ مجھ دگیر کا
جو کوئی دیکھے اسے شک ہو گل تصویر کا

(۳) دے سکا بوسہ ناک وہ برق و ش خیراتِ حسن
مالدار بے کرم بھی ابر ہے تصویر کا

(۴) کیسی کیسی صورتوں کے دل میں اپنے داغ ہیں
اس مرقع میں بھی ہے کیا کیا ورق تصویر کا

(۵) چاک ہوتا ہے کتاں مرے گریباں کی طرح
یہ بھی دیوانہ ہے آتش! چاند سی تصویر کا

(۶) عالم منطق مصور ہے تیری تصویر کا
منہ کتاب ”قطبی“ ہے خط حاشیہ ہے ”میر“ کا

امام بخش ناسخ (۱) سایہ گلبن پر اگر پڑ جائے مجھ دلگیر کا

ہو ہر ایک غنچہ میں عالم غنچہ تصویر کا

(۲) لاغرا ایسا ہوں کہ میں اکثر ہوا سے اوڑھ گیا

میرے پیکر میں ہے عالم کاغذ تصویر کا

(۳) شکل اُس کی ایسی ہے دلچسپ، گر پڑ جائے عکس

تا قیامت آئینہ میں شبہ ہو تصویر کا

(۴) وہ تصور پیشہ ہوں گر ہو میری تربت پہ نخل

ہو ورق ہر برگ کی جا یا ر کی تصویر کا

(۵) کون عالم کے مرقع میں سجائے گا ثبات

رنگ اوڑ جاتا ہے کھینچتے ہی مری تصویر کا

(۶) اے مصوّر! سو غم کی بھی رعایت چاہیے

خاک گلشن سے بنا گڑ وہ میری تصویر کا

(۷) میری قسمت میں ہے بربادی عجب کیا ہے اگر

کاغذ بادی بنے کاغذ میری تصویر کا

(۸) لاغر ایسا ہوں کسی کو میں نظر آتا نہیں

چاہیے مانی ورق سادہ میری تصویر کا

مرزا مہدی آباد (۱) دھیان ہے ہر دم مجھے اس چاند سی تصویر کا

سامنا ہے روز برقی طور کی تنویر کا

(۲) چپ ہوا ہوں دیکھ کہ نقشہ بہت بے پیر کا

منہ میرا گویا دہن ہے بلبل تصویر کا

(۳) چاند جس کا رکھ دیا ہے نام سب نے متفق

آسمان پر ہے یہ اک خاکہ تری تصویر کا

ردیف غزل کے پاؤں میں پائل کا حکم رکھتی ہے۔ ردیف سے غزل کے نغمہ اور آہنگ میں اضافہ ہوتا ہے۔ فارسی اور اردو علما نے بڑے شاعر کے کمال پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص نکتہ یہ پیش کیا ہے کہ بڑے شاعر کی نظر غزل کے قافیے پر نہیں بلکہ ردیف، وہ بھی ردیف کی Joint چلوں پر ہوتی ہے جو قافیہ کی چلوں کو Joint میں بٹھائی جاتی ہے۔ بڑا شاعر قافیہ کو ردیف میں ایسا کھپا دیتا ہے کہ ساخت اور معنی کے اعتبار سے ردیف کوئی اضافی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ ہمارے اس مطلب کو واضح کرنے کے لئے میر کا ایک شعر ردیف ”گیا“ میں پیش کیا جاتا ہے جس میں قافیہ ردیف میں گم ہو گیا اور ردیف سے پورے شعر کی شعریت حاصل ہوئی۔

کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلہ پُر پیچ و تاب

شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

بہر حال، خواجہ آتش کے پاس شعر نمبر تین اور پانچ، ناتخ کے پاس شعر نمبر دو، پانچ اور سات اور آباد کے شعر نمبر دو متوسط درجہ کے غزل کے شعر محسوب ہو سکتے ہیں اور باقی تمام اشعار، جن میں تری، مری تصویر کا غلبہ ہے، درحقیقت معاملہ بندی اور خارجی خیالات کے معمولی خیالات ہیں۔

میر کا شعر ان تمام اشعار سے الگ اور عمدہ ہے جس میں میر کا انداز فک رہا ہے، پھر بھی غالب کا مطلع طالع اور تابناک ہے جسکی روشنی نے میر کے شعر کو بھی مدھم بنا دیا۔ ناسخ کے مصرع: ع۔ ”میرے پیکر میں ہے عالم کا غنڈ تصویر کا..... اور..... ع۔ کاغذ بادی بنے کاغذ میری تصویر کا“ غالب کے شعر کی تخلیق کے وقت پیش نظر ضرور رہے ہوں گے اور غالب کو میر کی نسبت سہولت حاصل رہی ہوگی۔ امام بخش ناسخ متولد ۱۷۷۲ء غالب متولد ۱۷۹۷ء سے عمر میں ۲۲ سال بڑے تھے۔ ناسخ اور غالب میں نہ صرف خط و کتابت کا رشتہ قائم تھا بلکہ غالب نے ناسخ کو اپنا منتخب اُردو دیوان کا ایک قلمی نسخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۵۰ ہجری کو ارسال کیا اور ناسخ نے بھی اپنا ایک قلمی نسخہ غالب کو روانہ کیا تھا جو یقیناً غالب کے مطالعہ میں رہا ہوگا۔ آتش، ناسخ اور غالب نہ صرف میر کی استادی کو قبول کرتے تھے بلکہ اس کی تقلید اور پیروی کو اپنی معراج تصور کرتے تھے اور گاہے گاہے میر کے تقدس کے گن گاتے تھے۔ اسی لئے آتش نے کہا۔ ع۔ منہ کتاب ”قطبی“ ہے خط حاشیہ ہے ”میر“ کا ناسخ نے کہا:

شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
اور غالب نے اس کی تائید کی:
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
غالب کی غزل کا دوسرا شعر:

کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
اگرچہ تنہائی کا عشقیہ شاعری میں گھسا پٹا فرسودہ مضمون ہمیشہ نظر آتا ہے جس کو غالب نے نئی زندگی عطا کی
اور اس قافیہ ”شیر“ میں آتش کے دو اور ناسخ کا صرف ایک شعر ملتا ہے:

خواجه آتش مثل شانہ دست رس اُس زلف پر ہوئے اگر
دعوت افعی کروں بھر کر پیالہ شیر کا

(۲) خود بیاں رخ کی صباحت کا کراے شیریں وہن
قد کے کوزے سے جاری ہووے دریا شیر کا

امام بخش ناسخ ہے دلیل مرگِ انسان واقعی موے سفید
کوہکن کی موت تھی انجام جوی شیر کا
بہر حال، ان تینوں اشعار کے مضامین میں جدت کم اور قافیہ پیمائی کی مشق زیادہ نظر آتی ہے۔ اسیر
لکھنوی کی بابت مشہور ہے کہ ہر قسم کے قافیے استعمال کرتے تھے۔ اسیر تو قافیے کے اسیر مشہور ہو گئے لیکن ذوق کو کیا
کہیں کہ ایک قصیدہ میں ۶۲ قافیوں کو ایسا پٹا کہ ان کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔ غالب کا یہ شعر چونکہ جدید پیراہن پہن کر
وارد ہوا تو مور و قبول اور نیا سمجھا گیا اور ممتاز رہا۔ غالب کا تیسرا شعر سراپا اچھوتا اور آمدنی آمد ہے :

جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
اس قافیہ ”شمشیر“ کے ذیل آتش کے چار، ناسخ کے تین اور آباد کے چھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ میر کا
بھی شعر اس قافیہ میں یوں ہے :

کیوں کہ نقاش ازل نے نقش ابرو کا کیا
کام ہے ایک تیرے منہ پر کھنچا خط شمشیر کا

خواجہ آتش (۱) ہجر کے صدمے سے خوبی عشق کی ظاہر ہوئی
زخم کی ایذا سے جوہر کھل گیا شمشیر کا

(۲) نوش بے صرفہ کرے خون گہنگار ان عشق
پھول سے رنگیں رہے مہلوا تیری شمشیر کا

(۳) روسیہ دشمن کا یوں پابوس سے کھینچے نگار
جیسے سہلٹ کی سپر پر زخم ہو شمشیر کا

(۴) روک منہ پر وار قاتل کے سپر کی طرح سے
مرد کے چہرے کا زیور زخم ہے شمشیر کا

ناخن (۱) ناتوانوں سے پناہ ، اے ظالمو! مانگا کرو
دیکھ لو اک بال ہے بازو شکن شمشیر کا

(۲) کیا ہے کبر مئی میری تواضع کے حضور
سرکشی دم میں مٹا دینا ہے خم شمشیر کا

(۳) دوستوں کے سر کیے چن چن کے مقتل میں قلم
چشم پینا ہے ہر اک جوہر تری شمشیر کا

آباد (۱) خون ایسا گرم ہے مجھ عاشقِ دلگیر کا
بن گیا رشک شرر جوہر تری شمشیر کا

(۲) وار کیا کیا تُو نے ، اے قاتل! لگائے واہ واہ!
مان جائیں کیوں نہ ہم لوہا تری شمشیر کا

(۳) تھمے شوقِ شہادت کب سے ہوں سیراب کر!

مجھ کو پانی چاہیے قاتل تری شمشیر کا

(۴) مضطرب میرے تڑپنے نے اسے بھی کر دیا

دیدہ لعل بنا جوہر تری شمشیر کا

(۵) عشق ابرو جائے گا کیا مرے دم کے ساتھ ہی

مرگ ہے قبضے سے چھٹنا مرد کے شمشیر کا

خواجہ آتش کا شعر نمبر ۳۲ تا ۳۸ کا شعر نمبر تین اور آباد کے شعر نمبر ۳، ۴، ۵، خوبصورت اور عمدہ اشعار ہیں۔ ”شمشیر“ کے قافیے پر اردو شاعری اور خصوصی طور پر مرثیوں میں صد ہا ایسے اشعار ہیں کہ کوئی بھی مضمون، جو شمشیر کی خصوصیت سے منسلک ہو، اس کی فوس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ اس کے باوجود حسنِ تعلیل، ایہام، تجنیس اور تلمیحات سے نئے مضمون تراشنا غزل گو شعرا کا ہنر سمجھا جاتا ہے۔ میر کے شعر میں غضب کی جمالیاتی مصوری پوشیدہ ہے لیکن پھر بھی غالب کا شعر لا جواب ہے۔ فارسی اور اردو ادب میں اس مضمون اور اس پائے کا شاہکار شعر شاید ہی تخلیق ہوا ہو۔ ”جذبہ بے اختیار شوق“ غالب کا انداز ہے۔ ”سینہ شمشیر“ اور ”دم شمشیر“ اس شعر کے پیکر کی ساخت کی معجز بیانی ہے۔ اسی لئے تو ابولکلام آزاد نے سچ کہا تھا کہ ”میر انیس کے مراٹھی اور غالب کی غزلیات اردو ادب کی جانب سے دنیائے ادب کو تھکے تصور کئے جائیں۔“

غالب کی غزل کا چوتھا شعر:

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچائے

مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

اس طرز میں آتش کے پاس ایک اور آباد کے پاس دوا اشعار ملتے ہیں:

آتش (۱) رعبہ موسیٰ نمازِ منجگانہ نے دیا

پانچ وقت اللہ سے موقع رہا تقریر کا

آباد (۱) سب کرشمے بھول جائیں گرسین ترا بیان

ساحروں پر سحر چل جائے تری تقریر کا

(۲) جو تری صحبت میں بٹھا آن کر گلچیں ہوا

پھول جھڑتے ہیں یہ عالم ہے تری تقریر کا

خواجہ آتش کا شعر ان کی فکر تصوف اور ”قنانی اللہ“ فلسفہ کی گونج ہے۔ یہ خوبصورت اور مقبول شعر ہے۔
آباد کے دونوں شعر حسن و عشق کی نوک جھونک اور لکھنوی تہذیب کی آواز بازگشت معلوم ہوتے ہوئے بھی غالب
کے شعر کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے اور اسی لئے ان اشعار کا مقابلہ شریعت ادب میں مکروہ ہوگا۔
غالب کی غزل کا مقطع :

بس کہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ میری زنجیر کا
”زنجیر کے قافیے پر میر کا ایک شعر آتش کے دو شعر اور نسخ کے چھ شعر پیش کئے جاتے ہیں :

میر (۱) نالہ کش ہیں عہد پیری میں بھی تیرے در پہ ہم

قد خم گشت ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا

خواجہ آتش (۱) جس سے لپٹا، سوکھا مجنوں کی طرح سے وہ درخت

عشق پیچے پر مجھے ہوتا ہے شک زنجیر کا

(۲) غش کریں گے کودکاں، وحشت سے مجھ دیوانے کی

حلق بسل ہے ہر اک حلقہ مری زنجیر کا

ناسخ (۱) وحشت دل ہوں میں دیوانہ تری تاثیر کا

چشم آہو بن گیا حلقہ ہر اک زنجیر کا

(۲) برسوں گزریں ہیں صدا باہر نکل سکتی نہیں

ہے ہمارا صحت دریاں خانہ زنجیر کا

(۳) بن گیا بت جو لگا عشق بتاں میں مجکو سنگ

نالہ ناقوس ہر نالہ ہوا زنجیر کا

(۴) گلشن کوی تاں کا ہے جو زنداں میں خیال

نغمہ بلبل ہے ہر نالہ مری زنجیر کا

(۵) اس خرابے میں بنایا جس نے گھر دیوانہ ہے

دیکھ ہر دروازے پر ناسخ نشان زنجیر کا

آتش کا شعر نمبر ۲ اور ناسخ کے شعر نمبر ۳، ۴، ۵ عمدہ غزل کے شعر سمجھے جاتے ہیں۔ ناسخ کے اشعار میں زنجیر کی صدا جھنکار کو حلق بلبل، نالہ ناقوس اور نغمہ بلبل کی آواز سے مصرع ثانی میں ظاہر کیا گیا ہے اور مجبوری اور محصور کی حلقہ سے تعبیر کیا گیا ہے، جب کہ میر:

نالہ کش ہیں عہد پیری میں بھی تیرے در پہ ہم

قد خم گشت ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا

پہلے مصرع میں ”نالہ کش“ سے زنجیر کی جھنکار مراد ہے۔ اور ”قد خم گشت“ کی تشبیہ حلقہ زنجیر سے دینا میر صاحب ہی کا حق ہے۔

میر کی آواز میں وہ تھیں ہیں، وہ خاموش گہرائیاں سوئی ہوئی ہیں، وہ ہمہ گیر اور دور رس ہے وہ وزن ہے جو

دوسروں میں نہیں۔ اس میں ہستی کے ساتھ ساتھ بستی کا ذکر ہے :

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد دل لاکھوں کیے جمع تو دیوان ہوا
اسی لئے تو ان کے ہم عصر رفیع سودا نے بھی میر کی کئی غزلوں کی زمینوں پر غزلیں کہنا فخر جانا :
سودا ! تُو اس زمیں میں غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف
محقق نے ایک شعر پر میر کی داد حاصل کی تو اس کا ذکر اپنے دیوان میں کیا :
اکبر نے شاعری کا اکبر اعظم میر ہی کو جانا :

میں ہوں کیا چیز کہ اس طرز پہ جاؤں اکبر
ناخ و ذوق بھی جب چل نہ سکے میر کے ساتھ
اور حسرت نے اپنے دل کی حسرت یوں بیان کی :

شعر مرے بھی ہیں درد و لیکن حسرت
میر کا شیوہ گفتار کہاں سے لاؤں
یہی میر کا شیوہ گفتار لذت گفتار اور طرز گفتار ہے جو میر کا انداز ہے، جس پر ابھی ناقدین، محققین اور شعرا
کو بہت کچھ کرنا ہے :

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

☆.....☆.....☆

غالب کے اشعار کے معنی خود غالب سے پوچھیے؟

یہ بھی زمانے کی ستم ظریفی تھی کہ عوام نے غالب کی زندگی میں ان کے کلام کے مقام و مرتبہ کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ لوگوں نے نہ صرف ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا بلکہ ان کے کلام کا مذاق بھی اڑایا۔ مشہور ہے کہ غالب کے ایک آشنا عبدالقادر رامپوری نے جن کا لال قلعہ سے بھی تعلق تھا، ایک دن غالب سے کہا: آپ کا یہ شعر سمجھ میں نہیں آتا:

پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال
پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال

مرزا غالب نے یہ سن کر کہا کہ یہ شعر میرا نہیں لیکن عبدالقادر نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ میں نے آپ ہی کے دیوان میں دیکھا ہے۔ یعنی وہ طنز کر کے یہ بتانا چاہتے تھے کہ غالب کا دیوان ایسے مہمل اشعار سے بھرا پڑا ہے۔ اسی لئے تو غالب نے نواب علاؤ الدین احمد کو لکھا: ”مجھے اپنے ایمان کی قسم! میں نے اپنی نظم و نثر کی داد با اندازہ بایست پائی نہیں۔ آپ ہی کہا اور آپ ہی سمجھا۔“ یہ حقیقت ہے کہ غالب کے کلام کا موضوع فلسفہ ہے اور ان کی شاعری کے بدن پر الفاظ کا جامہ اتنا باریک اور تنگ ہے کہ صاحبِ نظر کو اس کا عریاں بدن نظر آسکا ہے لیکن اسے دیکھنے کی تاب ہر شخص میں نہیں۔ بعض نقاد اسے کیفِ شراب، یعنی نشہ کا حاصل سے موسوم کرتے ہیں جو غالب سے زیادتی ہے، جب کہ یہ انتہائی بلند فکری ہے۔ اسی لئے تو خود غالب نے کہا تھا:

مشکل ہے ز بس کلام میرا ، اے دل!
سن سن کے اُسے سخنِ وِرانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وِگر نہ گویم مشکل

کبھی غالب نے اپنے دل کو یوں بھی تسلی دی:

نہ ستائش کی تمنا ، نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی ، نہ سہی

اور کبھی یہ سوچ کر خوش ہو گئے:

ع۔ خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
غالب عبدالقادر شاہ کو خط میں لکھتے ہیں: ”نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد انا تو انا کی عنایت و اعانت سے
خوب ہو چکا ہے۔ اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی رہے گا۔“

اسی لئے تو غالب کا کلام ہندوستان کی الہامی کتاب بن گیا اور بجنوری کو کہنا پڑا: ہندوستان کی الہامی
کتابیں دو ہیں: مقدس وید اور دیوان غالب۔ اردو ادب میں کئی مستند شریں غالب کے کلام پر لکھی گئیں۔ شاعرین
نے ان کے تقریباً سارے اردو دیوان پر تنقید و تبصرہ کیا ہے جو بڑی حد تک غالب کے اشعار کو سمجھنے میں مددگار ثابت
ہو سکتا ہے۔ غالب نے خود اپنے خطوط میں بعض اشعار کے معنی بتائے ہیں جن کو اس مضمون میں پیش کیا جا رہا ہے۔
غالب کے اردو دیوان کی پہلی غزل کا پہلا شعر:

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

کو بعض ناقدوں نے کیف شراب کا حاصل سمجھ کر بے معنی قرار دیا جو غالب کے ساتھ نا انصافی ہے۔ اس
شعر میں اگر کاغذی پیرہن کو سمجھا جائے تو شعر سمجھ میں آ سکتا ہے۔ غالب نے عبدالرزاق شاکر کو لکھا: ”ایران میں
رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے، جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر
لٹکا کر لے جانا۔ پس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کسی کی شوخی تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے، اس کا پیرہن
کاغذی ہے، یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو، موجب رنج و ملال و آزار ہے۔“

شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا
قیس، تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

کے بارے میں عبدالرزاق شاکر کو لکھتے ہیں: ”رقیب بہ معنی مخالف۔ شوق، سرو سامان کا دشمن ہے۔ دلیل
یہ ہے کہ قیس، جو زندگی میں نگا پڑا پھرتا تھا، تصویر کے پردے میں بھی نگاہی رہا۔ لطف یہ ہے کہ مجنون کی تصویر باتن
عریاں ہی پہنتی ہے، جہاں پہنتی ہے۔“

اسی غزل کے دوسرے شعر:

زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی، یارب!
تیر بھی سینہ بسل سے پُر افشاں نکلا

کے متعلق لکھتے ہیں: یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نکالی ہے، جیسا کہ اس شعر میں ہے
 نہیں ذریعہ راحت جراحات پریاں وہ زخم تنج ہے جس کو کہ دکشا کہیے
 یعنی زخم، تیر کی توہین، بہ سبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین، بہ سبب ایک طاق سے کھل
 جانے کے۔ زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی، یعنی زائل نہ کیا تنگی کو۔ پُر افشاں بہ معنی بے تاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب
 حال ہے۔ معنی یہ کہ تیر تنگی دل کی داد کیا دیتا، وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پُر افشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔

سبزہ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا
 یہ زمرہ بھی حریف دم افعی نہ ہوا
 کے بارے میں چودھری عبدالغفور کے خط میں لکھتے ہیں: ”قبول دعا، وقت طلوع منجملہ مضامین شعری
 ہے۔ جیسے کتان کا پر تو ماہ میں پھٹ جانا اور زمرہ سے افعی کا اندھا ہو جانا۔“

ہربن مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خواب
 حمزہ کا قصہ ہوا، عشق کا چرچا نہ ہوا
 قصہ حمزہ کے بارے میں نواب کلب علی خان کو لکھتے ہیں: ”داستان حمزہ قصہ موضوع ہے۔ شاہ عباس
 ثانی کے عہد میں ایران کے صاحب طبعوں نے اس کو تالیف کیا ہے۔ ہندوستان میں امیر حمزہ کی داستان اس کو کہتے
 ہیں اور ایران میں ”رموز حمزہ“ اس کا نام ہے۔ دو سو کئی برس اس کی تالیف کو ہوئے۔ اب تک مشہور ہے اور ہمیشہ
 رہے گا۔“

عبدالجمیل جنوں کو اس غزل کا مطلع:

قطرہ سے بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا
 خط جام سے سراسر رشتہ گوہر ہوا
 میں لکھتے ہیں: اس مطلع میں خیال ہے دقیق مگر کوہ کندن و کاہ پیرون آوردن، یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ
 ٹپکنے میں بے اختیار ہے بقدر یک مژہ برہم ذوق ثبات و قرار ہے۔ حیرت ازالہ حرکت کرتی ہے۔ قطرہ سے افراط
 حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر بوند بن جوت ہم کورہ گئیں تو پیالہ کا خط اس تاگے کے بن گیا جس میں موتی
 پروتے ہوں۔“

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ سوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا
اس شعر کی شرح غالب نے ماسٹر پیارے لال کو اس طرح لکھی: ”پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبارت فولاد
کے آئینے سے ہے، ورنہ جلی آئینوں میں جو ہر کہاں اور اس کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کرو گے،
بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی اس کو الف صیقل کہتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوا تو اب اس مفہوم کو سمجھیے۔ مصرع:
چاک کرتا ہوں میں جب سے گریباں سمجھا
یعنی ابتدائی سن تیز سے مشق جنون ہے۔ اب تک کمالِ فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہو گیا
بس ایک لکیر صیقل جو ہے، سو ہے۔ چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے اور چاک جیب آثار جنوں میں سے
ہے۔“

شا کر کو لکھتے ہیں : ع۔

ایک شمع ہے دلیل سحر، سو خموش ہے
یہ خبر ہے۔ پہلا مصرع : ع۔

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
یہ مبتدا ہے۔ شب غم کا جوش یعنی اندھیرائی اندھیرا ہے

ظلمت غلیظ، سحرناپید، گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں! ایک دلیل صبح کی بود پر ہے، یعنی بجھی ہوئی شمع۔ اس راہ
سے کہ شمع د چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھہرایا جائے، وہ خود
ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھا جائے جس گھر میں علامت صبح موبد ظلمت ہوگی، وہ گھر کتنا
تاریک ہوگا۔

عبدالجلیل جنوں کو شعر:

ملنا ترا اگر نہیں آسان تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

کے بارے میں لکھتے ہیں ”اگر تیرا ملنا آسان نہیں تو یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ خیر، تیرا ملنا آسان نہیں، نہ
سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکے گا۔ مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں، یعنی جس سے تو چاہتا ہے،

مل بھی سکتا ہے۔ ہجر کو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا مگر رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے۔“

حسن اور اس پر حسن ظن، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے اور کو آزمائے کیوں
جنوں کو لکھتے ہیں: ”مولوی صاحب! کیا لطیف معنی ہیں۔ داودینا حسن عارض اور حسن ظن، دو صفتیں
محبوب میں جمع ہیں، یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو بہ نسبت اپنے
سے ہے کہ میرا مارا کبھی بچتا نہیں اور میرا تیر غمزہ خطا نہیں کرتا۔ پس، جب اس کو اپنے پر ایسا بھروسہ ہے تو رقیب کا
امتحان کیوں کرے اس حسن ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کیا تھا کہ رقیب صادق نہیں،
ہوں ناک آدمی تھا۔ اگر اس پر امتحان درمیان آتا تو حقیقت کھل جائے۔“

غالب نے اس غزل کے تینوں اشعار کی تشریح عبدالرزاق شاہگر کے خط میں یوں لکھی :

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برق خرمین راحت خون گرم دہقان ہے
غنیہ تاشکفتن با برگ عافیت معلوم
باوجود دل جوئی خواب گل پریشاں ہے
ہم سے رنج بے تابی کس طرح اٹھایا جائے
داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے

مثلاً انجم انجم وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ وساماں ہو۔ موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے ورنہ
رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے۔ بعد اس کے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کا درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا ہے، دہقان
کو جو تنے بونے، پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے۔ مزارع کا وہ لہو جو کشت کار میں گرم ہوا ہے، وہی لالہ کی
راحت کے خرمین کا برق ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج۔

غنیہ تاشکفتن: کلی جب نئی نکلے بہ صورت قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے برگ عافیت
معلوم۔ یہاں معلوم بہ معنی معدوم ہے اور برگ عافیت بہ معنی مایہ آرام۔

مصرع: برگ عیشی بہ گور خولیش فرست..... برگ اور سرو برگ بہ معنی ساز و سامان ہے۔

خواب گل، شخصیت گل، باعتبار ثموشی و برجاماندگی پریشانی ظاہر ہے، یعنی شکستگی وہی پھولوں کی پتھریوں کا نکھرا ہوا

ہونا۔ غچہ بہ صورت دل جمع ہے۔ باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔ ”ہم سے رنج بے تابی ارنج
پشت دست۔ صورت عجز اور خس بدنداں و کاہ بدنداں گرفتار بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشت
دست زمین پر رکھ دی ہو اور شعلہ نے نکادانتوں میں لیا ہو، ہم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔“

۳۰ جون ۱۸۶۳ء کو محمد الجلیل جنوں کو :

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم!
میرا سلام کہو! اگر نامہ بر ملے
کی تشریح کرتے ہوئے غالب نے فرمایا: ”یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی
ضرورت ہے مگر کہے گا کہ یہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست عاشق کا، ایک شخص کو لایا اور اس
نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی وضع دار اور معتمد علیہ ہے۔ میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے
ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضا را عاشق کا گماں سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والہ و شیفہ ہو گیا۔ کیا خط، کیسا جواب۔
دیوانہ بن، کپڑے پھاڑ، جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس واقعہ کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ غیب دان تو خدا ہے۔ کس
کے باطن کی کس کو کیا خبر۔ اے ندیم! تجھ سے کچھ کلام نہیں لیکن نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو میرا سلام کہو کہ کیوں
صاحب! تم کیا کیا دعویٰ عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا۔“

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
جنوں کو اس شعر کا مطلب یوں لکھتے ہیں: ”اس میں کوئی اشکال نہیں۔ جو لفظ ہیں، وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا
قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا۔ مبہم کہتا ہوں کہ کچھ کروں گا۔ خدا جانے شہر میں یا نواح شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو
کر بیٹھ رہے یا دیس چھوڑ کر پردیس چلا جائے۔“

عبدالرزاق شاہ کر کو شعر:

مقابلہ ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روانی میری

کے بارے میں لکھتے ہیں: ”تقابل اور تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت، شادی و غم، راحت و رنج، وجود و
عدم۔ لفظ مقابل اسی مصرع میں بہ معنی مرجع ہے، جیسے حریف کہ بہ معنی دوست بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ ہم

اور دوست از روئے خوئے وعادت ضد ہم دگر ہیں۔ وہ میری روانی کو دیکھ کر رک گیا۔

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

اس شعر کے بارے میں فنی نبی بخش حقیر کو لکھتے ہیں: ”بھائی! مجھ کو تم سے بڑا تعجب ہے کہ اس بیت کے معنی میں تم کو تامل رہا۔ اس میں دو استفہام آ پڑے ہیں کہ وہ بہ طریقہ طعن و تعریض سے کیسے گئے ہیں۔ موت کی راہ نہ دیکھوں۔ کیوں نہ دیکھوں؟ میں تو دیکھوں گا کہ بن آئے نہ رہے کیونکہ موت کی شان میں سے یہ بات ہے، ایک دن آئے ہی گی۔ انتظار ضائع نہ جائے گا۔ تم کو چاہوں؟ کیا خوب! کیوں چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے، یعنی اگر تم آپ سے آئے تو آئے اور اگر نہ آئے تو پھر کیا مجال کہ کوئی تم کو بلا سکے، گویا یہ عاجز معشوق سے کہتا ہے کہ اب میں تم کو چھوڑ کر اپنی موت کا عاشق ہوا ہوں۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ بن بلائے، بغیر آئے نہیں رہتی۔ تم کو کیوں چاہوں کہ اگر نہ آؤ تو تم کو بلا نہ سکوں“

یہ اردو ادب کی خوش نصیبی ہے کہ غالب نے بعض اشعار کی تشریح کر کے ثابت کر دیا کہ ان کے اشعار تخیل کے آسمانوں پر پرواز کرتے ہیں۔ اردو ادب کے دوسرے عظیم شعرا یعنی میر تقی میر، میر انیس اور علامہ اقبال کے یہاں ایک دواہی روایتیں ہیں لیکن دقیق تشریح نظر نہیں آتی۔

علامہ اقبال نے مرزا غالب کی شان میں بہت صحیح کہا ہے:

فکرِ انساں کو تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے، پر مرغِ تصور کی رسائی کا کجا
غالب کے ان اشعار پر ابنِ شقیق کا قول صادق آتا ہے:

فَإِذَا قِيلَ أَطْمَعِ النَّاسَ طَرًا
وَإِذَا رِيَمَ اعْجَزَ الْمُعْجِزِينَ

یعنی جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں لیکن جب کہنے کا ارادہ کیا جائے تو معجز بیان بھی عاجز ہو جائیں۔

☆.....☆.....☆

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟

نجم الدولہ دبیر الملک، نظام جنگ مرزا اسد اللہ خان بہادر غالب سے کون واقف نہیں۔ 1797ء میں آگرہ (اکبر آباد) میں پیدا ہوئے۔ 73 سال عمر پائی اور 1869ء میں دہلی میں دفن ہوئے۔ خاندانی نسب، افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا تھا، حسب مغلیہ تھا اور کسب صدیوں سے سپاہ گری تھا۔ خود فرماتے ہیں۔

غالب	از	خاک	پاک	تور انیم
لاجرم	در	نسب	فرہ	مندیم

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری
کچھ ، شاعری ، ذریعہ عزت نہیں ، مجھے

آپ کے دادا، سمرقند سے شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے اور جاگیر و مقام حاصل کیا۔ آپ کے والد عبداللہ بیگ خان، دہلی میں طوائف الملوکی کے پنگا سے کے بعد پہلے لکھنؤ گئے اور نواب آصف الدولہ کے دربار سے منسلک ہوئے، پھر حیدر آباد دکن گئے اور نظام علی خان بہادر کی سرکار میں شامل ہوئے۔ چند سال بعد وطن لوٹے اور راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی اور کسی معرکے میں مارے گئے۔ اس وقت غالب کی عمر پانچ سال تھی، چنانچہ شفقتی چچا نصر اللہ بیگ خان نے سرپرستی کی، لیکن چار سال بعد وہ بھی رخصت ہو گئے۔ ابھی تک غالب کی زندگی عیش و راحت میں گزر رہی تھی۔ چچا کے انتقال پر لاکھون روپوں کی جائیداد اور جاگیر کے وارث ہوئے، لیکن ذمے کی نیرنگیوں نے اس وسیلے کو چھین لیا، چنانچہ معمولی گزارے پر گذر ہونے لگی۔ 1827ء میں کلکتہ پہنچ کر استعفا دیا اور دو سال بعد ناکام واپس ہوئے۔ اودھ کے بادشاہ واجد علی شاہ نے سالانہ 500 روپے کا وظیفہ مقرر کیا تھا، جو دو سال بعد سلطنت کے ختم ہونے پر ختم ہو گیا۔ دہلی کے شاہ ظفر نے سات سال تک معمولی مدد کی۔ آخر میں رامپور کے نواب نے ایک سو روپے کا ماہانہ مقرر کیا۔ قصہ مختصر، غالب کو ملکِ سخن کی حکومت اور مضامین کی دولت پر قناعت کر کے غریبی کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ چونکہ طبیعت بلا کی شوخ تھی، ہر غم کو ہنس کر غلط کر دیتے۔ کبھی دل کو یہ کہہ کر بہلا لیا۔

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں

اور کبھی شعر میں راز و درون کو یوں بیرون کر دیا:

مے سے غرض نشاط ہے ، کس رو سیاہ کو
یک گونہ بے خودی ، مجھے دن رات چاہئے

نودس برس کی عمر میں شاعری شروع کی۔ 13 برس کی عمر میں نواب الہی بخش کی بیٹی امراؤ بیگم، جن کی عمر 11 سال تھی، شادی کی، جو آخری عمر تک غالب کے گلے کا ہار بنی رہی۔ چنانچہ غالب اپنے شاگرد امراؤ سنگھ کی دوسری بیوی کے مرنے پر کہتے ہیں: ”اللہ اللہ! ایک وہ ہیں کہ دو بار بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم کہ اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے، نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے، نہ دم ہی نکلتا ہے۔“ غالب کے ہاں سات بچے پیدا ہوئے، لیکن سب ایک دو سال جی کر مر گئے۔ غالب نے فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم آگرے کے ایک جگت ممتاز استاد محمد معظم سے حاصل کی۔ ایک ایرانی شخص عبدالصمد سے، جو دو سال غالب کے ساتھ رہا، فارسی زبان، اصطلاحات اور محاورات سیکھے۔ مرزا غالب نے پہلے اپنا تخلص اسد رکھا جو نام کی نسبت اسد اللہ سے تھا، لیکن جب کسی مشاعرے میں یہ معلوم ہوا کہ ایک معمولی شاعر کا تخلص بھی اسد ہے تو فوراً اسی دن 1828ء میں حضرت علی کے لقب اسد اللہ غالب کی مناسبت سے تخلص غالب اختیار کیا، کیوں کہ بقول محمد حسین آزاد، غالب عوام الناس کے ساتھ مشترک حال ہونے کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔

غالب کا اصلی جوہر انفرادیت تھا۔ وہ ایک منفرد شخصیت اور خصوصیت کے مالک تھے۔ جس زمانے میں ہر شخص اردو پر سردھنٹا تھا، اس وقت وہ فارسی کی قلمیں لگا رہے تھے۔ جس دور میں شعرا اپنے کو اردو شاعر کہتے ہوئے اتراتے تھے، غالب اردو سے کتراتے اور فارسی نظم و نثر کو اپنا خزانہ سمجھتے تھے۔ جہاں لوگ درباری مدح و ثنا کو مایہ افتخار سمجھتے تھے، غالب اسے سایہ تنگ و عار جانتے تھے۔ جہاں سلیس اور آسان لفظوں میں شعر کہنا صنعت سمجھا جاتا، وہاں غالب ندرت خیال اور مشکل بیان کو ترجیح دیتے تھے۔ خود کہتے ہیں:

مشکل ہے ز بس کلام مرا اے دل!
سن سن کے اے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش
”گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل“

غالب کے ہم عصر اردو پین پرست رہے تھے، تو غالب فارسی زدگی پر ناز کر رہے تھے۔ انفرادیت، لباس اور حلیے میں بھی ملحوظ رکھی۔ خود لکھتے ہیں۔ ”یہ یاد رکھیے، اس بھونڈے شہر (یعنی دہلی میں) ایک وردی عام ہے۔ ملا، حافظ، بساطی، پنجہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیاریہ، جولاہا، منہ پر داڑھی اور سر پر لالہ بے بال، لیکن میں نے جس دن داڑھی رکھی اسی دن اپنا سر منڈوا دیا۔“ اسی طرح غالب، عام لوگوں سے جدا لمبی سیاہ پوسٹین کی ٹوپی پہنتے تھے اور ہزاروں کے مجمع میں فوراً شناخت کیے جاتے تھے۔ ۱۲۷۷ ہجری میں جب دہلی میں شدید وطا (ہیضہ) پھیلی اور ہزاروں لوگ مر گئے، تو اس کا حال اپنے شاگرد میر مہدی مجرد کے خط میں لکھتے ہیں: ”میں نے وہاں عام میں مرنا اپنے لئے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسر شان تھی۔“ یعنی غالب، عوام کے ساتھ مرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اردو ادب کے چار عظیم شعرا میں میر تقی میر، انیس اور علامہ اقبال نے اپنے دور میں کسی نہ کسی کو اپنا استاد بنایا اور اپنے ابتدائی دور میں ان سے فیض حاصل کیا، لیکن مرزا غالب وہ تہا عظیم شاعر ہیں، جنہوں نے کبھی شاگرد کی حیثیت سے کسی کے سامنے اپنا زانو خم نہیں کیا۔ علمائے ادب اور محققین کے اشارات کہے ہیں کہ مرزا غالب بعض اوقات علم عروض و قواعد و نحو میں مصطفیٰ خان شیفتہ سے مشاورت کرتے تھے، لیکن بہر حال کسی کے کبھی بھی شاگرد نہ رہے۔

یہ بھی عجیب ہے کہ غالب نے اپنے کو ہمیشہ فارسی کا شاعر جانا، لیکن آج سارے جہان میں غالب کی پہچان، آن بان سب اردو شاعری اور نثر سے باقی ہے۔ غالب اپنی فارسی شاعری پر فخر کرتے اور اسی کی وجہ سے زندہ و جاوید رہنے کی امید رکھتے تھے:

غالب اگر این فن سخن، دیی بودے

آن دیں را کتاب ایزدی، ایس بودے

یعنی اگر شاعری دین ہوتا تو میرا دیوان اس کی آسمانی کتاب ہوتا۔ کہیں کہتے ہیں۔

کو کبم را در عدم، اوج قبولی بودہ است

شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

یعنی میرا ستارہ میرے مرنے کے بعد چمکے گا اور میری شاعری کی شہرت دنیا میں میرے بعد ہوگی۔ غالب نے پہلے عبدالقادر بیدل کے رنگ تخیل میں شعر کہنا شروع کیا:

اسد ہر جا سخن نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگ بہارِ ایجادی بیدل پسند آیا
طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

پچیس سال کی عمر تک غالب پر بیدل کی نازک خیالی اور مشکل پسندی سوار رہی ہے اور غالب اس امتحان میں کوئی خاص امتیاز پیدا نہ کر سکے، چنانچہ بعض دوستوں جن میں مفتی صدر الدین قابل ذکر ہیں ان کی نصیحتوں پر عمل کر کے اپنے رنگ کو بدلا اور پھر فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، بیان اور مضمون آفرینی کی جولانیاں دکھانے لگے اور زمانے میں ابھرنے لگے، لیکن ابھی بھی ان کی زبان پر نعرہ وہی تھا:

فارسی بین تابہ بینی نقشہاے رنگ رنگ

بگزر از مجموعہ اردو کہ ہے رنگ من است

یعنی اگر نقش رنگی دیکھنا ہے تو فارسی کلام دیکھو، کیوں کہ اردو کا میرا مجموعہ بے رنگ ہے۔

ناظم ہروی نے ایک نظم میں مشاہیر شعراے فارسی کی نام بنام مدح کی ہے اور انھیں استاد فن ٹھہرایا:

ز خسرو چوں بہ جامی رسید

ز جامی سخن را تمامی رسید

غالب نے فارسی سخن تمام کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ز جامی بہ عرفی و طالب رسید

ز عرفی و طالب بہ غالب رسید

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جہاں بھی مقطع میں غالب نے اپنے نام کو استعمال کیا ہے، وہ شعر قدرتی طور پر بلند، مشہور اور معروف ہوا۔ چند مقطعات ملاحظہ کیجئے۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہ مسائل تصوف ، یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم دل سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
آتے ہیں غیب سے ، یہ مضامین خیال میں
غالب صریح خامہ نوائے سروش ہے
پانی سے ، سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینہ سے ، کہ مردم گزیدہ ہوں
غالب ! ندیم دوست سے آتی ہے بوے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں
غم ہستی کا اسد کس سے ہو ، جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے ، بحر ہونے تک
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت ، لیکن
دل کے خوش رکھنے کو ، غالب یہ خیال اچھا ہے
ہاے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت ، غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

حقیقت یہ ہے کہ بغیر لطیفے کے، بیان غالب نا تمام ہے۔ ایک دن مرزا صاحب کے ایک رشید شاگرد نے کہا کہ حضرت! میں آج امیر خسرو کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اس کی کھرنیاں دل کھول کر کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھیے تو، میں کتنا فصیح ہو گیا ہوں۔ مرزا نے کہا: ارے میاں! تین کوس کیوں گئے، میرے پچھواڑے میں جو پھنپل کا درخت ہے، اگر اس کی پھلیاں کھا لیتے تو تمہارے چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

آخر میں غالب ہی سے مدد لیتے ہوئے ہم بھی یہی کہتے ہیں :

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟
☆.....☆.....☆

jabir.abbas@yahoo.com

نیویارک لائبریری میں دیوان غالب کا نایاب نسخہ

جولائی ۱۹۹۸ء میں راقم نے دیوان غالب کے نایاب نسخہ کو نیویارک سنٹرل لائبریری میں دریافت کیا جو ۱۸۶۳ء میں آگرہ کے مطبع مفید خلائق سے شائع کیا گیا تھا۔ یہ نسخہ نمبر ۱۵۷۹۱۲۰ اس لائبریری میں ایک مقوی کے ڈبے میں ۱۹۳۲ء سے محفوظ ہے اور اس ۶۶ سال کے عرصے میں کسی شخص نے اسے نہیں کھولا، کیوں کہ یہ کاشیلاگ کی غلطی سے ہندوستانی ادب کے زمرے میں شامل نہ تھا۔ اس دیوان کے پہلے صفحہ پر پنسل کی پھینکی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۸۶۳ء میں آگرہ میں خریدا گیا۔ اندرونی صفحہ پر مسٹر ٹراوس نے دستخط کر کے ۴ دسمبر ۱۹۳۰ء تاریخ لکھی ہے۔

نیویارک لائبریری نے اس پر ۱۹۳۲ء کی مہر لگا کر محفوظ کیا تھا۔ ”دیوان غالب“ کا یہ نسخہ اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ یہ بڑی جلد کی کتاب کی صورت میں ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر پندرہ سطریں لکھی گئیں ہیں۔ اس دیوان میں کل ۱۱۷۹۵ اشعار ہیں۔ دیوان آیت ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع ہو کر اس بیت پر تمام ہوتا ہے۔

نگویم تانباشد نغز غالب

چہ غم گرہست اشعار من اندک

(ترجمہ: غالب عمدہ اور عالی اشعار کے سوا نہیں کہتا۔ اسے غم نہیں اگر اشعار بہت کم ہیں)

غالب کا اردو دیوان ان کی زندگی میں یعنی 1869ء تک پانچ مرتبہ شائع ہوا۔ غالب کا دیوان پہلی مرتبہ اکتوبر ۱۸۴۱ء میں دہلی میں سرسید احمد خان کے بھائی سید محمد خان کے چھاپہ خانے میں مطبع سید الاخبار کے لیتھوگراف پر پریس سے چھپا تھا۔ اس دیوان میں ۱۰۸ صفحات اور ہر صفحہ پر پندرہ سطریں ہیں اور اس میں کل ۱۱۰۹۵ اشعار ہیں۔ اردو کا دوسرا ایڈیشن مئی ۱۸۴۷ء میں منشی نور الدین احمد لکھنوی کے مطبع دار السلام، حوض قاضی، دہلی سے چھپا۔ اس میں اشعار کی تعداد ۱۱۵۹ ہے۔ اس کا تیسرا ایڈیشن مطبع احمدی، دہلی سے جولائی ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا جس میں ۸۸ صفحات اور ۱۷۹۶ اشعار ہیں۔ یہ ایڈیشن محمد حسین خان تحسین کی زیر نگرانی شائع ہوا۔ دیوان چوتھی بار ۱۸۶۲ء میں محمد عبدالرحمن خان کی زیر نگرانی مطبع نظامی، کانپور سے شائع ہوا۔ اس میں ۱۰۴ صفحات اور ۱۷۹۶ اشعار ہیں۔ ۱۸۶۰ء میں آگرہ کے مطبع مفید خلائق کے مالک منشی شیونرائین نے غالب کو خط لکھا

کہ آپ گھر کا مطیع چھوڑ کر باہر کیوں چھپوا رہے ہیں۔ چنانچہ غالب نے انھیں دیوان شائع کرنے کی اجازت دی اور ۱۸۶۳ء میں یہ دیوان شائع ہوا جو نیویارک کی لائبریری میں موجود ہے۔ منشی صاحب دیوان میں غالب کی تصویر چھاپنا چاہتے تھے، چنانچہ غالب نے اپنی قلمی تصویر ان کی نذر کی تھی لیکن یہ تصویر دیوان میں نہیں چھپی۔ یہ دیوان غالب کی زندگی کا آخری ایڈیشن ہے۔ اس دیوان کے آغاز میں غالب نے ۲۲ سطروں میں فارسی میں مقدمہ لکھا، جس میں تاکید کرتے ہیں کہ اگر سخن سرا بیان کچھ پرانگندہ اشعار، جو اس دیوان میں نہیں، دریافت کریں تو اسے دیوان کا جزو نہ بنائیں۔ غالب کہتے ہیں:

”امید کہ سخن سرا بیان سخنور ستای پرانگندہ ایماقی را کہ خارج ازیں اوراق یا بند از آثار رگ کلک این نامہ سیاہ
نہا سند۔“

لیکن افسوس کہ دیوان مرتب کرنے والوں نے اس پر عمل نہ کیا اور اب جدید ایڈیشنوں میں ۱۵۹۰ اشعار ایسے ملتے ہیں، جو اصلی دیوان میں شامل نہیں۔ یہ بھی زمانے کی ستم ظریفی ہے۔ ان اشعار کو باقیات کا جزو ہونا چاہیے تھا۔ غالب نے اپنے مقدمہ کو اس طرح ختم کیا ہے۔ ”نقاش کے بہ اسد اللہ خان موسوم بہ مرزا نوشہ معروف و بہ غالب متخلص ست۔ چنانچہ کہ اکبر آبادی مولود و دہلوی مسکن ست۔ فرجام کار نجفی مدفن نزاہاد۔“
(ترجمہ: ”یہ نقاش اسد اللہ خان کے نام سے موسوم، مرزا نوشہ کے نام سے معروف اور غالب متخلص کرتا ہے، چنانچہ یہ متولد اکبر آباد اور مقیم دہلی ہے اور نجف اشرف میں دفن اس کا خاتمہ کار ہوگا۔“)
مرزا غالب کی خواہش تھی کہ انھیں نجف اشرف میں دفن کیا جائے۔ عرّقی شیرازی کی طرح انھوں نے اپنے فارسی قصیدے میں لکھا:

چو عرفی سرو برگ نازم کجا
با دعوئی زبان درازم کجا
من ایس کار برخود گرفتم بہ چشم
بہ مژگان گر اورفت، رفتم بہ چشم

یعنی عرّقی شیرازی کی طرح میں ناز نہیں کر سکتا اور اس کی طرح زبان دانی کا دعوئی بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے نجف جانے کے لئے آنکھوں سے کام لیا ہے۔ عرّقی پلکوں کے بل گیا تھا، میں آنکھوں کے بل جاؤں گا۔

یہاں غالب، عرقی کی غزل کے مشہور شعر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

ہے کاوش مژہ از گور تا نجف بروم اگر بہ ہند بہ خالم کند اگر بہ ثمار

اس دیوان کے آخر میں نواب ضیاء الدین احمد خان نیر درخشاں کی تقریظ ہے جو غالب کی بیوی کے چچا زاد بھائی تھے۔ وہ غالب کو اپنا استاد مانتے تھے اور اردو فارسی میں شعر کہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف مطبع نظامی کے ایڈیشن کو چھوڑ کر ان دیوانوں میں ایک بھی ایسا نہیں جسے ہم کتابت اور ظاہری شکل و صورت سے تسلی بخش کہہ سکیں، چنانچہ ہمیشہ غالب نے اس حسرت کا اظہار کیا کہ ”کاش کہ میرا دیوان ایک مرتبہ تو حسن و اہتمام سے چھپ جاتا۔“

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

اگرچہ بیسویں صدی میں ”دیوان غالب“ کے متعدد عمدہ، دیدہ زیب اور قیمتی ایڈیشن شائع ہوئے لیکن اس میں اشعار کا اضافہ کیا گیا، جس کے لئے غالب نے منع کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

jabir.abbas@yahoo.com

غالب کی حمد

یہ سچ ہے کہ برصغیر میں حمد یہ ادب پر بہت کم تحقیقی اور تنقیدی کام ہوا۔ جب کہ برصغیر کے فارسی اور اردو شعری کلام میں حمدوں کی کمی نہیں تھی۔ شاعری کو دین اور دنیا کے خانوں میں تقسیم کر کے دینی شاعری کو شهرستان سے جلا وطن کرنے کی سازش ایک حد تک کامیاب ثابت ہوئی اگرچہ اس سازش میں دانستہ اور نادانستہ وہ شعرا اور تنقید نگار بھی شامل رہے جنہوں نے خود دینی شاعری کی نشوونما کی تھی۔ اگر انصاف اور تعصب کے بغیر عالمی ادب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر بڑی زبان کا شعری شاہکار کا مآخذ دینی یا عقیدتی سرچشمہ ہے تو پھر فارسی اور اردو ادب کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں روار کھٹا گیا۔ اردو مرثیہ جو ادب عالیہ کا عظیم سرمایہ ہے جس نے گلشن اردو میں رنگ برنگی پھول کھلائے زبان و بیان کو خارجی اور داخلی واردات سے مالا مال کر دیا آج کسمپرسی کا شکار ہے۔ نعت اگرچہ گزشتہ چند ہائیوں سے ارتقا کی منازل پر گامزن نظر آ رہی ہے لیکن اس کے لئے ابھی ادب عالیہ میں کوئی عالی مقام اس لئے حاصل نہ ہو سکا کہ اس کو انیسویں صدی جیسے معیار نہ مل سکے بلکہ اس کے برخلاف مولویت کے خشک اور سخت پہرے اس کے موضوعات اور زبان پر بٹھا دئے گئے اور شاعر کو ان پر سختی سے عمل کرنے کی تنبیہ بھی کی گئی۔ رہا حمد کا مسئلہ وہ تو تصوف برائے شعر گفتن کی طرح صرف مجموعہ کلام کی پہلی سطروں پر بطور رسم تزمین کے ہو کر رہ گیا۔ اسے اردو ادب کی خوش بختی کہیے کہ ادھر دس بارہ سال سے حمدوں کے مجموعہ اور حمدوں پر ادبی تحقیقی اور تنقیدی کتابیں اور مقالات منظر عام پر نظر آ رہے ہیں۔ شاعری جذبات کی نمائش گری ہے محاکات کی روشنی اور خیالات کی بارش جب ذہن کے لق و دق صحر پر آندھی بن کر ٹوٹی ہے اور سیلاب کی تیز روانی کے مانند اشعار دل و دماغ سے بہنے لگتے ہیں تو اس میں سچائی اور صداقت کا زور ہوتا ہے اور اسی کو فطری انج یا آمد کہتے ہیں جو اکتسابی شاعری سے بالکل مختلف ہوتی ہے چنانچہ دینی شاعری جس کا مبداء امان اور طبع حمد ہے شاعری کی دوسری صنفوں اور قسموں سے اس لئے بھی جدا اور ممتاز ہے کہ اس میں بے تکلفی اور بے ساختگی ہے۔ یہاں حمد نگار عجز و راکساری کا پیکر ہے۔ وہ اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں گھلے دل سے اپنے دلی جذبات کو پیش کرتا ہے۔ اس کے قلم سے نکلا ہوا ہر حرف اس کے دل کی ترجمانی کرتا ہے یہاں عبد اور معبود کے درمیان حائل پردے ہٹ جاتے ہیں اور راز و نیاز کی منزلوں میں بندہ تکلفات سے برطرف ہو جاتا ہے اور معرفت

الہی کے پیکر اس دریا میں غوطہ زن ہو کر عبادت عظمیٰ میں محو ہو جاتا ہے۔ اس شاعری میں اسے داد و تحسین کی فکر نہیں

رہتی بلکہ بخشش و فنا کی آرزو جس پر وہ مطمئن اور مسرور نظر آتا ہے۔ اسی لئے حمد، مناجات اور دعا کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں نہیں رکھا جاسکتا شاعر کے طرز بیان اور جذبوں کے اظہار سے اشعار مختلف شکلیں اختیار کر کے زبان و بیان کی محدودیت کا اعلان کرتے ہیں چنانچہ شاعر اگر دریا سے آب رحمت کو پوری طرح پہنچ نہ سکے تو پھر بھی اپنی استطاعت کے مطابق اپنے ساغرِ قرطاس میں اتنا کھینچ لینے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس کی تھگی کسی حد تک کم ہو جائے۔ اسی لئے برگزیدہ ہستیوں کی حمدیں جو ہمارے درمیان دعاؤں کی صورت میں موجود ہیں ان کی عالی ظرفی، وسیع قلبی اور معرفت کی بلندی کا پتہ دیتی ہیں۔ اگرچہ دعا، حمد اور مناجات کا گلدستہ ہے جس میں دعا کرنے والے کا مشاہدہ آفاق اور عرفانِ نفس شامل ہے اور اسی معرفتِ نفس و آفاق کی تاکید بھی آیات اور احادیث میں نظر آتی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے جو پہلا کلمہ اپنی زبان سے ادا کیا وہ ”الحمد للہ“ تھا اور اسی کلمہ کی نسبت سے قرآنی سورہ فاتحہ کو سورہ حمد بھی کہتے ہیں۔ حمد دراصل اسمائے باری تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس و توصیف ہے چونکہ اسمائے خداوندی میں صرف اللہ اسم ذات ہے اور باقی تمام نام اسم صفات ہیں اور تمام تعریف و ثنا اسم ذات میں نمایاں ہے۔ اس لئے اسم اللہ سب سے مکمل اور سب سے عالی حمد ہے جس طرح محمدؐ رسول اللہ سب سے مکمل اور سب سے عالی نعت ہے۔ اگرچہ اسم ذات کی توصیف ممکن نہیں اس لئے حمد نگار اس کے باطنی جوہر جس کا اساس شکر اور تسلیم ہے اس کو اپنی عجز اور بندگی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ لفظ حمد پہلی بار حضرت آدمؑ نے زبان سے دہرا کر پہلی حمد کہی اور قرآنی آیات کے بموجب ہر زمان و مکان میں تمام مخلوق حمد و ثنا میں مشغول رہے لیکن اگر حمد یہ تاریخ کا ادبی تحقیقی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دور رسالتِ نبی میں حمد و نعت و منقبت ایک ہی سلسلہ نظم کا حصہ ہوتی تھیں جیسا کہ حضرت کعب بن مالک اور حسان بن ثابت کے اشعار سے ظاہر ہے۔

جناب رشید وارثی حمد کی تاریخ پر مبادیات حمد میں لکھتے ہیں۔ ”حضور اکرمؐ کا زمانہ امت مسلمہ کے لئے تنازع للبقا اور معرفۃ حق و باطل اور اقامت دین کا دور تھا۔ لہذا وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو جہادِ پیہم اور اجتہاد مسلسل کے لئے بروئے کار لانے پر مجبور تھے۔ (رہا نعت گوئی کا معاملہ تو یہ اس دور کی اہم ترین ضرورت تھی تاکہ منافقوں اور مرتدین کے فتنوں سے عامۃ المسلمین کی حفاظت کی جاسکے) اور چونکہ تقریباً تمام مذاہب کے پیروکار وجود باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ لہذا حمد نگاری کی اس دور میں بھی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ البتہ خلافت راشدہ کے آخری دور میں جب رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ برحق امیر المومنین حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے خلاف حضرت معاویہ بن سفیانؓ

جہاں تک تنقیدی تقاضوں کا تعلق ہے حمد کے مضمون اور قلبی واردات پر گفتگو انفرادی اور subjective حیثیت رکھتی ہے اس پر پابندیاں حمد کے ارتقا میں مزاحمت کا باعث ہو سکتی ہیں۔ نعت کے بیان میں یہی پابندیاں مشکلات کا باعث اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیش کر رہی ہیں۔ فنی مسائل کا جائزہ جائز ہے اور بہر حال حمد نعت اور منقبت چونکہ شاعری ہے اس لئے شاعری کے فنی اصولوں سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتیں۔

ان نکات کی روشنی میں جب ہم غالب کی حمدوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے کہ اردو و فارسی کے اس عظیم شاعر کی حمدوں کے بارے میں کوئی خاطر خواہ تحقیقی و تنقیدی کام تو ایک طرف اس عمدہ کلام سے عوام نہیں بلکہ خواص بھی نا آشنا ہیں۔ چونکہ مضمون کی طوالت ہمیں اجازت نہیں دیتی اس لئے غالب کی دو فارسی حمدوں میں ہم ایک پر تفصیلی اور دوسری پر اجمالی گفتگو کریں گے۔

عالم کے فارسی اور اردو کلام میں حمدیہ مفرد اشعار کی کمی نہیں جو زیادہ تر شوق اور طریب ہیں اور صنعت ایہام و ابداع سے ان کے ظاہری معنی اور باطنی تصوفی معانی میں فرق ہے لیکن سب میں کمال ربوبیت اور تحقیر بندگی نمایاں ہے۔ اس مضمون میں ہم نے ان اشعار پر گفتگو اس لئے بھی نہیں کہ کہ دیوان عالم پر لکھی گئی تھیں (30) سے زیادہ شرحیں معرفت کے مضامین پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ ہم جن دو فارسی حمدوں کا ذکر کر رہے ہیں ان میں ایک حمد جو دیوان فارسی میں قصیدہ اول حمد باری عزاسمہ کے عنوان پر نظر آتی ہے۔ اس حمد میں

باون (52) اشعار ہیں۔ اس کا مطلع ہے :

یا خموشی ساخت پندارم بامید قبول گفته خود حرفی و خود را در گمان انداخته

غالب نے اس حمد میں اپنے خاص طرز میں پہلے مشاہدہ آفاق کی گفتگو کی ہے اور تخلیق عالم کا خوبصورت تذکرہ کیا ہے تخلیق اشرف المخلوقات اور اس کے لئے عالم ایجاد میں یہ بزم آرائیاں باعث امتنان و شکر قرار دے کر اپنے بے مانگی اور اکساری کا اقرار کیا ہے۔ غالب اپنی معجز بیانی اور معنی آفرینی کو خدا کی دین بتا کر کہتے ہیں۔

دجلہ در ساغر معنی طرازان ریختہ

رشحہ در کاسۂ دریا و کان اندایختہ

غالب کو جو آتش بیانی عطا ہوئی اُس نے اپنے قلم سے دنیا کو آتش زار بنا دیا۔ غالب کی ہڈیوں کے اندر جو تونے بانسری کی طرح کھوکھلی نالی رکھی اُس نے اس کی نغمگی سے توحید کے نغمہ کا شور برپا کیا۔ غالب جو ایک بے بس ترک ہے اُس نے اپنی حمد میں خود کو فتانی اللہ کر دیا۔ یہ وہ بلبل بے بضاعت ہے کہ جس نے شاخ طوبیٰ پر اپنا آشیان بنا لیا ہے۔ یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہیں کہ علامہ اقبال نے انہیں مضامین کو دوسرے لفظوں میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

سوخت عالم را صریر کلک من غالب منم
کاتش از بانگ نی اندر نسیان انداختہ
می سرایم نغمۂ توحید و شور این نوا
چوں نیم سوراخها در استخوان انداختہ
زانکہ این ترک تباہ اندیشہ در عنون حمد
حرفی از فقر و فنا اندر میان انداختہ
این گرانجان عندلیب بی نوا کاندہ خیال
شاخ طوبیٰ را ز بار آشیان انداختہ

غالب کی دوسری فارسی حمد جو (114) اشعار پر مشتمل ہے ان کی معرفت مثنوی ”ابر گہر بار“ کے آغاز میں نظر آتی ہے۔ اس حمد کا حسن یہ ہے اس میں مشاہدہ حق کی گفتگو بغیر بادہ و ساغر کے مکمل کی گئی ہے۔ حمد میں مشاہدہ عالم اور مشاہدہ آدم کا تجربہ اور تجزیہ ہے۔ مثنوی ابر گہر بار کا سرنامہ بخن یہ حمد اس مطلع سے طلوع ہوتی ہے۔

سپاسی کزو نامہ نامی شود

سخن در گذارش گرامی شود

یعنی وہ حمد کہ جس سے تحریر کی آبرو بڑھ جاتی ہے اور بات بیان میں وقعت پاتی ہے۔ اس مطلع کے بعد مسلسل آٹھ اشعار میں غالب ہر شعر کے آغاز میں ”سپاسے“ یعنی وہ حمد کہہ کر یوں مضمون باندھتے ہیں۔

وہ حمد کہ جس سے بیان کی ابتدا ہوتی ہے،

جس سے کلام یوں ”نمودار“ ہو جاتا ہے جیسے رخسار سے خط۔

وہ حمد کہ جیسے ہی لبوں پر آئی،

روح کو اس نغمے سے راحت ملی۔

وہ حمد جو صاحب عقل اور ذی شعور انسان

خود کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے کرتا ہے۔

وہ حمد جسے غیب کے فرشتے

اپنی دعا اور حمد میں بار بار دہراتے ہیں۔

وہ حمد کہ جسے سنتے ہی عشق الہی کے دیوانے،

قلم کی آواز پر دل دے دیتے ہیں۔

وہ حمد کہ جس کے ساتھ استغفار ہو،

جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے۔

وہ حمد کہ جو دل کے جوش کی شدت سے،

فکر سے غفلت کو دور کر دے۔

وہ حمد کہ جس سے ”وحدت“ کا جلوہ نظر آئے اور دُوی مٹ جائے،

دل کو روشن کرنے والی اور بصیرت بڑھانے والی حمد۔

پھر فوراً گریز کر کے کہتے ہیں۔ ہاں! حمد صرف اُسی خدا کی شایانِ شان ہے جو نفس کی تہمت کر کے حق بنی عطا کرتا ہے۔ یہ غالب کی جذبات ہے کہ مثنوی میں بطور تشبیہ یا چہرہ (نو) اشعار لکھ کر گریز کیا اور پھر اسی مضمون کو

اسمائے صفاتی اور اسم ذات سے جوڑ کر دس بارہ شعر نام گرامی اللہ کا اثر اور تاثیر سے سجائے۔

مَتَاعِ اَثَرِ بَسْکَہِ اَرْزَانِ دَہد

مَسِیحا بَدَانِ مَرْدِہِ رَا جَاں دَہد

چونکہ اسی نام کا اثر بہت ہے اسی اسم سے حضرت عیسیٰ مردے کو زندہ کر دیتے ہیں۔

بُودِ نَامِ پَاکِشِ زِ بَسِ دِلِ نَشِی

تَرَا شَنَدِ پَاکَانِشِ اَزِ دِلِ نَگِی

چونکہ اس کا پاکیزہ نام دل میں جگہ کرنے والا ہے اس لئے پاکیزہ لوگ اس نام کے لئے اپنے دل کو نگینہ بناتے ہیں۔

بِنَامِیِ کَہِ گَمِ گُشْتِہِ بُرْدَنِ دُرُو

زِ پَرْمَہِ نَہِ گَنْجِشِ مُرْدَنِ دُرُو

اس کے ایسے نام کے ساتھ کہ جس کو لینا ممکن نہ ہو اور جس کے تعذ کی گنجائش نہ ہو۔

یہاں اس شعر میں غالب نے دریا کو کوزے میں بند کیا یعنی خدا احد ہے اور یہ واحد عددی نہیں اس مطلب کو امجد حیدر آبادی نے اپنی رباعی میں یوں نظم کیا جو وحدت الوجود کا مضمون ہے۔

ذَرَّے ذَرَّے مِیں ہِے خِدا ئی دِیکھو ہر بت مِیں شَآنِ کِبرِیا ئی دِیکھو

اِعدا دِ تَمَامِ مُخْتَلَفِ ہِیں باہم ہر اِیک مِیں ہِے مَگر اکائی دِیکھو

پھر غالب قرآنی آیات کی ترجمانی کرتے ہوئے مشاہدہ عالم کی دعوت دیتے ہیں جس کی تاکید کی گئی ہے۔

بِیْنَدِیْشِ کَا یِسِ چَرخِ وِ پَرِوِیِ کَرَا سَت

چَنِیْں پَرْدَہُ سَا زِ رَنْگِیِ کَرَا سَت

تو سوچو یہ آسمان اور ستارے کس کے ہیں۔ اور ساز کا ایسا رنگین پردہ کس نے بنایا ہے۔

بِیْنَدِیْشِ کَا یِسِ رُوزِ گَارِ اَزِ کِجَا سَت

نَمُودِ طَلَسَمِ بَہَارِ اَزِ کِجَا سَت

ذرا سوچو کہ یہ بدلتا ہوا زمانہ کہاں سے آیا اور بہار کا یہ جادو کدھر سے رنگ لایا۔

غالب نے پھر عقل کی داستان چھیڑی عقل کی اہمیت دکھا کر اس کو بھی اصل کی خبر سے بے خبر بنایا اور وجدان اور احساس اور جذبہ کو عقل کا امام بنایا۔

خرد کز جہان نیست پیشش خبر نباشد ز عنوان خویشش خبر

یہی عقل جس کو خبروں کا ایک جہاں حاصل ہے اس کو اپنی اصل کی خبر نہیں۔ آگے چل کر کہتے ہیں۔ عقل جو اس کا عرفان چاہتی ہے تو اس عرفان کے ظہور سے عقل کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

ان مطالب کے بعد خدا کی رحمت اور محبت جو مومن اور کافر پر اس دنیا میں یکساں ہے اور سب اس کی پناہ میں ہیں بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اُس کی رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔

مناجاتیاں پیش وی در نماز خرا باتیاں را بد و چشم باز

نماز میں دعا مانگتے والے اس کے سامنے سر پہ سجدہ ہیں، اور جو میخانہ کے رسیا ہیں وہ بھی اس کی طرف آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔

اگر کافرانند ز نہاریش وگر مومنان در پرستاریش

اگر کافر ہیں تب بھی اس کی پناہ چاہتے ہیں اور مومن ہیں تو اس کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر غالب توحید پر ایک عظیم شعر کہتے ہیں۔

چوں این جملہ را گفتہ عالم اوست بہ گفت آنچه مرگز نیابید ہم اوست

یعنی جس طرح یہ سب کی سب جن کو تم نے عالم کہا اس کی ذات احد ہیں اُسی طرح وہ چیزیں جو ہیں اور بیان میں نہیں آسکتیں وہ بھی اس کی ذات میں ہیں۔

چوں ایں جا رسیدم ہمایوں سروش
بمن بانگ برزد کہ غالب خموش
جب میں اس شعر پر پہنچا تو مبارک فرشتے نے مجھے پکارا کہ غالب بس اب چپ ہو جاؤ۔
بپاشید در لرزه بندم ز بند
تپان مچو بر روی آتش سپند
مجھے کچھی جڑھ گئی اور جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا بدن ایسا تپا جیسے آگ پر رانی کے سیاہ دانے۔
یہ تھا غالب کا انداز بیان اور حمد کا سفر جس میں تمام لوازمات بندگی اور تمام کمالات ربوبیات کو حتی المقدور اچھوتے
انداز میں پیش کیا گیا۔ اس کی برصغیر نہیں بلکہ دنیا کے عربی فارسی اور اردو ادب میں مثال نہیں۔

☆.....☆.....☆

حمد

ای ز وهم غیر غوغا در جهان انداخته
گفته خود حرفی و خود را در گمان انداخته

دیده بیرون و درون از خویشتن پروانگهی
پرده رسم پرستش در میان انداخته

ای اساس عالم و اعیان به پیوند الف
همچنان بر صورت علم و عیان انداخته

نقش بر خاتم ز حرف پی صدا انگیزته
شور در عالم ز حسن بے نشان انداخته

چرخ را در قالب ابداع در واریخته
خاک را بر نطع پیدائی ستان انداخته

عاشقان در موقف دار و رسن وا داشته
غازیان در معرض تیغ و سنان انداخته

رنگها در طبع ارباب قیاس آمیزته
نکته ها در خاطر اهل بیان انداخته

آنچنان شمعی براه شیروان افروخته
اینچنین گنجی بجیب بیدلان انداخته

با چنین هنگامه در وحدت نمی گنجد دوئی
مرده را از خویش دریا بر کران انداخته

رایغی کش پویه دشت خیالت در دلست
وهم در شبگیر دستش بر عنان انداخته

کاتبی کش نشه وصف جلالت در سر است
لرزه در تحریر کلاکش از بنان انداخته

نردبانی بسته با دیوار کاخی در نظر
انتعاشی در نهاد این و آن انداخته

رفته هر کس تا قدم گاهی وزانجا خویش را
پایه پایه از فراز نردبان انداخته

ای به نزهتگاه تسلیم رسول حق شناس
ز آتش نمرود طرح گلستان انداخته

دی به رستاخیز تار و مار قوم ناسپاس
جان اژدر در تن چوب شبان انداخته

هر کجا سرهنگ حکمت در سیاستگاه قهر
قرعه عرض شکوه قهرمان انداخته

در بروت نحس اصغر چنگ سفاکی زده
در گلوی سعد اکبر طیلان انداخته

از تو در هنگامه بازی خوردگان تار و پود
رقعه رقعہ از پلاس و پرنیان انداخته

وز تو در بازار سودا پیشگان هست و بود
بے متاع آوازہ سود و زیان انداخته

داده در توحیدم آئین غزل گفتن بیاد
ای هم از گفتار بندم بر زبان انداخته

بر رخ چون ماه برقع از کتان انداخته
در نهفتن پرده از راز نهان انداخته

گشته با چشم بتانش نقش هبطرحی درست
هر کرا دردت ببستر ناتوان انداخته

شحنه عشقت کرا بنشاندہ بر نطع قصاص
بر کنار نطع فرش ارغوان انداخته

تا بود عاشق بزندان عدم دایم اسیر
در نهادش شور سودای دہان انداخته

تا بود شاہد بہ آزار دل عاشق حریص
در دلش ذوق سماع الامان انداخته

غم چو گیرد سخت نتوان شکوہ از ہلدار کرد
بہر آسانی اساس آسمان انداخته

گل چو ماند دیر گردد بر دلش بازار سرد
بہر تجدید طرب طرح خزان انداخته

گلخن افروزان داغت ہشت گلشن را چو خص
در گزار نالہ آتش فشان انداخته

جاده پیمایان را مت نه فلک را چون جرس
در گلوی ناقه های کاروان انداخته

آتشی از روی گلهای بهار افروخته
شعله در جان مرغ صبح خوان انداخته

جمله در ساغر معنی طرازان ریخته
رشحه در کاسه دریا و کان انداخته

سربه تیغ از دوش جانبازان سبک برداشته
بار بردل های نامردان گران انداخته

جز بدین آب آتش زردشت نتوان سرد کرد
کعبه را جوی بهشت از ناودان انداخته

جز بدین الماس نتوان اینچنین دُر دانه سفت
رخنه از اسلام در کیش مغان انداخته

چشم را بخشیده چو نان گردشی کاریاب هوش
بر زمین دانند طرح آسمان انداخته

داده ابرو را بدینسان جنبشی کاهل قیاس
در تن شمشیر پندارند جان انداخته

ای ز شرم خاکساران تو از شهپرهما
چون گلیم کهنه ظل را بر کران انداخته

ذوق تمکین گدایان تو گنج شاه را
از دل رنجور و چشم پاسبان انداخته

تا درین صورت ز چشم دشمنان پنهان بود
دوست را اندر طلسم امتحان انداخته

تا علاج خستگی آسایش دیگر دهد
خارها در ره گذار میهمان انداخته

ای عمل را داده فرجام مکافات عمل
گرچه دانا شرح آن را بر زبان انداخته

تند خویان را بداغ ناشکیبی سوخته
نام جویان را ببند دودمان انداخته

آنکه وصفت را از خود بینی بگفتن داده ساز
بر سمنند شعله خس بر گستوان انداخته

سوخت عالم را صریر کلک من غالب منم
کاتش از بانگ نی اندر نیستان انداخته

رقص خس بر شعله زانسان سرخوشم دارد که من
دانم اندر باده ساقی زعفران انداخته

میسرایم نغمه توحید و شور این نوا
چون نیم سوراخها در استخوان انداخته

زانکه این ترک تباه اندیشه در عنوان حمد
حرفی از فقر و فنا اندر میان انداخته

تا شناسد حد خود زین سرزنش خود را به قهر
در تمنای بهشت جاودان انداخته

این گرانجان عندلیب بینوا کاندرا خیال
شاخ طوبی را ز بار آشیان انداخته

ز ابلهی سنجد که رضوان در هوای مقدمش
طرح جشنی تازه در باغ چنان انداخته

نیستش سرمایۀ کردار تا مزدی بود
چشم بر رسم عطا و ارمغان انداخته

با خموشی ساخت پندارم بامید قبول
گفته خود حرفی و خود را در گمان انداخته

یا اسد اللہ الغالب
مثنوی ناتمام موسوم بہ
”ابر گہر بار“

سپاسے کز ونامہ نامی شود
سخن در گذارش گرامی شود

سپاسے کہ آغاز گفتار زوست
سخن چون خط از رخ نمودار زوست

سپاسے کہ طالب ازو کام یافت
روانها بدان رامش آرام یافت

سپاسے کہ فرزانه دم شناس
بدان خویش را دارد از دیو پاس

سپاسے کہ فرخ سروشان راز
بران زمزم آباد گویند باز

سپاسے کہ شوریدگان آست
دھندش بیانگ قلم دل زدست

وہ حمد کہ جس سے تحریر کی آبرو بڑھ جاتی ہے،
اور بات بیان میں وقعت پاتی ہے۔

وہ حمد کہ جس سے بیان کی ابتدا ہوتی ہے
جس سے کلام یوں ”نمودار“ ہو جاتا ہے جیسے رخسار سے خط۔

وہ حمد کہ جیسے ہی لبوں پر آئی
روح کو اس نئے سے راحت ملی۔

وہ حمد جو صاحب عقل اور ذی شعور انسان
خود کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے کرتا ہے۔

وہ حمد جسے غیب کے فرشتے
اپنی دُعا میں بار بار دُہراتے ہیں۔

وہ حمد کہ جسے سنتے ہی عشق الہی کے دیوانے
قلم کی آواز پر دل دے دیتے ہیں۔

سپاسے بیوزش در آمیخته
زدل جستہ و بادل آویخته

سپاسے زبسیاری جوش دل
زاندیشہ پیوند غفلت گسل

سپاسے ڈوئی سوزِ کثرتِ ربائی
سپاسے دل افروز بینشِ فزائی

خدارا سزد کز درون پروری
بدیں شیوہ بخشد شناساوری

خدائے کہ زانگونه روزی دہد
کہ ہم روزی وہم دوروزی دہد

بنامے کہ گم گشتہ بُردن درو
ز پرے نہ گنجد شمردن درو

کسے را کہ باشد برانگشتی
زند گرد او حلقہ دیو و پری

وہ حمد کہ جس کے ساتھ استغفار ہو،
جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے

وہ حمد کہ جو دل کے جوش کی شدت سے،
فکر سے غفلت کو دُور کر دے۔

وہ حمد کہ جس سے ”وحدت“ کا جلوہ نظر آئے اور دُوی مٹ جائے،
دل کو روشن کرنے والی اور بصیرت بڑھانے والی حمد۔

اس خدا کے شایانِ شان ہے، جو باطن (نفس) کی پرورش یا تربیت
سے حق بنی عطا کرتا ہے (یا یہ کہ اس شیوہ حمد میں قدرت بخشتا ہے)

وہ خدا جو اس طرح روزی دیتا ہے،
کہ رزق بھی ملے اور تندرستی بھی۔

اس کے ایسے نام کے ساتھ (حمد) کہ جس کو لینا ممکن نہ ہو
جس کے (ہمہ اوست ہونے کے سبب) تحدّد کی گنجائش نہ ہو۔

وہ نام جس کی انگوٹھی پر کندہ ہو، شیطان اور پری سب اس کے
گرد حلقہ باندھ لیتے (اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے) ہیں۔

متاع اثر بسکہ ارزان دهد
مسیح ابدان مرده را جان دهد

رضا داد کاید بُردن همه
دهد تن به بند شمردن همه

نباشد اگر بخشش عام او
کرا زهره بُردن نام او

بفرخندگی هر که نامش گرفت
همما از هواراه دامنش گرفت

بود نام پاکش ز بس دل نشین
تراشند پاکانش از دل نگیس

بدل هر که سوزنده داغش نهاد
پری رخ به پیش چراغش نهاد

بود سوز داغش ز بس دل پسند
سوایدا سزد بر جمالش سپند

چونکہ اس نام کا اثر بہت ہے،
اسی اسم سے حضرت عیسیٰ مُردے کو زندہ کر دیتے ہیں۔

اس نے اجازت دی ہے کہ اس کا نام لیا جائے،
اور وہ اسی پر راضی ہوا ہے کہ اور اشیا کے ساتھ وہ شمار میں آئے۔

اگر اس کا کرم عام نہ ہوتا تو،
کس کی مجال تھی کہ وہ نام زبان پر لا سکتا۔

جو شخص بھی اس کا نام لے اس کو اتنی برکت نصیب ہوتی ہے،
کہ ہما (جیسا مبارک پرندہ) فضا چھوڑ کر اس کے جال میں آ پڑتا ہے۔

چونکہ اس کا پاکیزہ نام دل میں جگہ کرنے والا ہے، اس لئے پاکیزہ
لوگ اس نام کے لئے اپنے دل کو گھٹینہ بناتے ہیں۔

جو شخص بھی اپنے دل میں اس کا جلتا ہوا داغِ عشق رکھ لے، اس
کے چراغ کے سامنے پری اپنا چہرہ رکھ دیتی ہے (یعنی پری اس
کے تابع ہو جاتی ہے)

اس کی محبت کے داغ کی جلن ایسی دل پسند ہوتی ہے کہ (نظر بد
سے بچانے کے لئے) اس داغ کے جمال پر سویدائے دل کو پسند کیا جائے۔

رضا جوئے مرد دل کہ درویش هست
ہوا خواہ هر رخ کہ گردیش هست

نہ رنجہ ز انبوه خواہندگان
نیاید ستوہ از پناہندگان

خرد جنسِ هستی فرشتندگان
دہد مزد بے مودہ کوشندگان

ربا ید دل اما ز دلدادگان
کشدن از لیکن ز افتادگان

زیادی کہ بردل و زدنہفت
زبان را بہ پیداد آرہد بگفت

نگہ را کہ بیرون نہ باشد ز چشم
دہد بالِ پیدائی مہر و خشم

دل و دست باہم دگر دوختہ
دریں کیسہ کردار اندوختہ

وہ ہر اُس دل کی خوشی چاہتا ہے جس میں اس کا درد ہو ،
اور ہر اُس چہرے کو پسند کرتا ہے جس پر اس کا گرد و غبار ہو۔

سانلوں کے ہجوم سے وہ اُکتاتا نہیں اور
پناہ مانگنے والوں سے پریشان نہیں ہوتا۔

جو لوگ اپنی جان بچنا چاہتے ہیں (یعنی فنا فی الحق ہونے والے)
اُن کا خریدار ہے۔ بے جا محنت (غلط عبادت) کرنے والوں کو
بھی ان کی محنت کا صلہ دیتا ہے۔

دل انھیں کا لیتا ہے جو اُسے دل دینے پر تلے ہوں،
ناز انھیں کے اٹھاتا ہے جو گرے ہوئے ہیں۔

باطن میں جو کچھ دل پر گزرتا ہے ،
زبان کے لئے گفتار سے اس کو ظہور میں لاتا ہے۔

وہ نگاہ جو آنکھ کے اندر ہی رہتی ہے،
اسی نگاہ کو محبت اور غصہ ظاہر کرنے کی قوت بخشتا ہے۔

(انسان کے) دل اور ہاتھ کو ایک دوسرے سے یوں ہی دیا ہے
(یعنی دل کے ارادے کا تابع عمل ہے) کہ اس تھیلی میں ”کردار“ کو جمع
کیا ہے۔ (یعنی انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے)

روان و خرد باهم آمیخته
ازین پرده گفتار انگیزته

نه زین سو گهرها شمردن تو
نه راه اندرین پرده بُردن تو

نگاهے بگردنده کاخ بلند
کش اندازه چون ست و آثار چند

زرخشانی گونه لاژورد
نمد گونه گون رنگش از هر نورد

بهریک نموش دو صد رنگ در
بهریک نو ریش صد آهنگ در

اگر جلوه روشن در آواز خوش
خم رنگ خوش پرده ساز خوش

بیدیش کایں چرخ و پرویں کراست
چنیں پرده ساز رنگیں کراست

جان اور عقل میں ربط اس طرح بٹھایا کہ (ساز کے) اس پردے سے کلام کی صدا بلند ہوتی ہے (یعنی بہ سبب عقل گفتگو پیدا ہوتی ہے)

نہ پردے کے اس طرف سے موتی گنے جاسکتے ہیں (یعنی جان و عقل سے جو سخن ہائے نغز ظاہر ہوتے ہیں نہ ان کا شمار ہو سکتا ہے) اور نہ اس عقل و جان کے ربط کی حقیقت کو پہچانا جاسکتا ہے۔

اس گھومتے ہوئے بلند محل (آسمان) کی طرف ایک نگاہ ڈالو دیکھو تو اس کی وسعت کتنی ہے اور کس قدر آثار ہیں۔

لاجوردی رنگ کے رخسار کی چمک سے، طرح طرح کے رنگ اس کی ہر گردش سے نمودار ہوتے ہیں۔

اس کے ایک ایک روپ میں دو سو رنگوں کی نیرنگی ہے، اور ہر گردش میں سیکڑوں (آواز کے) تناسب پوشیدہ ہیں۔

اگر منظر کائنات روشن ہے، آواز خوش گوار ہے، رنگ کا خم اور ساز کا پردہ خوب اور دل نشیں ہے۔

تو سوچو کہ یہ آسمان اور ستارے کس کے ہیں، اور ساز کا ایسا رنگین پردہ کس نے بنایا ہے۔

نگامے ببازی گہ روزگار
زبازی گرانش یکے نو بہار

کہ چون سیمیا در نمود آورد
اثر ہما ز بالا فرود آورد

کشاید ہوا پر نیانی بتغش
شود شاخ گل کاویانی درفش

شود باغ صحرائے محشر ز سرو
پردنامہ ہر سوز بال تدرو

بحالیکہ عریان بود پیکرش
دمد چشم نرگس ز فرق سرش

چمن خلد و کوثر شود آبگیر
خیابان ز جوش سمن جوئے شیر

بیندیش کایں روزگار از کجاست
نمود طلسم بہار از کجاست

کھیل تماشے کے اس اکھاڑے یعنی زمانے پر نظر ڈالو،
اس کے بازی گروں میں ایک نو بہار بھی ہے

(بہار کا موسم تماشا دکھاتا ہے تو) سیمیا (جادو کے تماشوں) کی
طرح رنگا رنگی ظاہر ہوتی ہے، اور اوپر سے اثرات اتر آتے ہیں۔

ہوا ریشمی بنفشہ کھول دیتی ہے اور، گلاب کی شاخ پر دُرفش
کادیانی (ایرانی شاہوں کا پرچم) لہرانے لگتا ہے۔

سُروں کے درختوں کی قطار سے باغ (یوں لگتا ہے جیسے) قیامت
کا میدان ہے اور، بیڑوں کے پرنامہ (اعمال) کی طرح اڑے پھرتے ہیں۔

چونکہ نرگس کا جسم بدھنہ ہے،
تو سر سے اس کی آنکھ ابھر آئی ہے۔

باغ، جنت کا باغ معلوم ہوتا ہے، تالاب حوضِ کوثر بن جاتا ہے،
اور مہمیلی کی کثرت سے کیاریاں دودھ کی نہر نظر آتی ہیں۔

ذرا سوچو کہ یہ (بدلتا ہوا) زمانہ کہاں سے آیا،
اور بہار کا یہ جادو کدھر سے رنگ لایا۔

بہ نیروئی نہ چرخ برہم زدن
نشاید ز دانشت اودم زدن

گروہے بہ بند گھریافتن
فروستہ دل درزمیں کافتن

یکے رادم تیشہ برکان نخورد
یکے رہ بنایاب گوہر نبرد

بدانش ترا دیدہ ور کردہ اند
چراغے دریں بزم بر کردہ اند

خرد کز جہان نیست پیشش خبر
نباشد ز عنوان خویشش خبر

نہ بیند جزیں هیچ بینندہ
کہ مارا بود آفرینندہ

کہ اندازہ آفرینش بدوست
دم دانش و داد بینش بدوست

ایسی قوت سے بھی جو نو آسمانوں کو برہم کر دے،
یہ ممکن نہیں کہ اس (طلسم بہار) کی حقیقت کو پہونچ سکیں۔

لوگوں کا ایک گروہ ہے کہ جواہرات کی تلاش میں لگا ہوا ہے اور
زمین کی کھدائی کی دھن میں ہے۔

کسی ایک کے تیشے کی دھار کان تک نہیں پہنچی،
اور کسی نے یہ نایاب گوہر نہ پایا۔

تمہیں عقل دے کر صاحبِ نظر بنایا گیا ہے،
یہ ایک چراغ ہے جو اس محفل میں اُجالا کر رہا ہے۔

یہی عقل جس کو خبروں کا ایک جہان حاصل ہے (یعنی بے شمار،
اخبار) اس کو اپنی اصل کی خبر نہیں ہے۔

کسی صاحبِ نظر کی نگاہ اس کے سوا اور نہیں دیکھتی کہ
ہمارا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔

جسے (دنیا) کی پیدائش کا صحیح اندازہ ہے،
اور ہم کو عقل اور بصیرت کا بہرہ اسی سے ملا ہے۔

جہاں داورِ دانش آموز گاہ
بہ خورِ روشنائی دہ روزگار

کشایندہ گوهر آگیں پرند
ز پرویں بہ پهنائے آن نقش بند

نگارندہ پیکرِ آب و گل
شمارندہ گوهرِ جان و دل

بگردش در آرنده نُہ سپهر
بگردوں بر آرنده ماه و مہر

روان را بدانتست سرمایہ ساز
زبان را بہ گفتار پیرایہ ساز

بہ شاہی نشانندہ خسروان
ز رمزن رمانندہ رھروان

بہ دانش بہ اندیشِ فرزندگان
بہ مستی نگہدارِ دیوانگان

جہاں کا حاکم اور عقل سکھانے والا،
اور دُنیا کو سورج کے ذریعہ روشنی دینے والا کوئی ہے۔

موتیوں سے بھرے ہوئے پرند (آسمان) کو کھول دینے والا (حرکت
کے لئے) اور ثریا سے اس کی سطح پر نقش و نگار بنانے والا۔

پانی، مٹی کی مورت بنانے والا،
اور جان و دل کے موتی کی قدر کا اندازہ کرنے والا۔

نو آسمانوں کو گردش دینے والا،
اور ان پر چاند ستارے نکالنے والا۔

روح کو سوچ بوجھ سے مالا مال کرنے والا،
اور زبان کو کلام کا زیور بخشنے والا۔

بادشاہوں کو (تخت) شای پر بٹھانے والا،
اور لوٹنے والوں سے مسافروں کو پہچانے والا۔

عقل کے ذریعے عقل مندوں کی بھلائی کرنے والا،
اور مستی کے عالم میں دیوانوں پر نظر رکھنے والا۔

شناسا گرِ رازِ دانانِ بر است
توانا کنِ ناتوانانِ بخواست

جگر رازِ خونابهِ آشامِ ده
نفس را به بیتابِ آرامِ ده

بهر دم ز آوازِ پیوندِ بخشش
بهر پیکر از دلِ جگر بندِ بخشش

هم از سرِ خوشی شورِ درمی فگن
هم از ناله جانِ در تنِ نی فگن

روان را به دانشِ گهر زائے دار
جهان را بدستِ ور بر پائے دار

شناسندگان را بخود رهنمائے
هراسندگان را غم از دل ربائے

نفسها بسودائے اونا له خیز
جگرها به صحرائے اوریز ریز

جو لوگ رازداں ہیں (نکتے) کی بات سمجھتے ہیں اُن کو راہِ راست
سے روشناس کرنے والا ، اور کمزوروں کو مطلوبہ طاقت دینے والا۔

لہو دے کر جگر کی پیاس بجھانے والا
اور سانس کو (آمدورفت کی بے قراری سے) راحت بخشنے والا۔

ہر سانس کو آواز کے ساتھ ربط دینے والا، اور ہر ایک جسم کو دلی
دے کر سب سے عزیز شے (جگر بند) عطا کرنے والا۔

شراب میں ، مستی سے شورش پیدا کرنے والا،
اور بانسری کے بدن میں نالہٴ سرود سے جان ڈالنے والا۔

جان کو عقل دے کر اس قابل کرنے والا کہ وہ موتی اگلے،
اور دنیا کے نظام کو قائم رکھنے والا۔

جو پہچاننے والے ہیں ان کو اپنی جانب راستہ دکھانے والا ،
اور ڈرنے والوں سے ڈر کا غم دور کرنے والا۔

وہی ہے جس کی دھن میں سانسوں سے فریاد اُٹھتی ہے،
اور اسی صحرا میں جگر کلکڑے ہوتے ہیں۔

رگ ابر را اشکباری ازوست
دم برق را بیکراری ازوست

زبانهای خاموش گویای او
نهان های اندیشه پیدای او

بگویی از وی زبان فصیح
خورد زلف زانچ سور مسیح

بجنبش از نال کلک دبیر
نماید بمرثم رگ جان تیر

خرد را که جوید شناسائیش
نگه خیره در برق پیدائیش

دوئی بے کن مرده در زهش
خودی دادگر شحنه در گهش

گراز جان سپاران نازش کسیست
وراز پرده داران رازش کسیست

بادل کی رگ سے آنسو ٹپکتا ہے تو اس کی بدولت،
اور بجلی میں بے چینی بھری ہے تو اس کے سبب۔

خاموش زبانیں (زبانِ حال سے) اس کے وجود کی شاہد ہیں،
اور خیال میں چھپی ہوئی باتیں اس پر ظاہر ہیں۔

اس کی ذات سے فصیح زبان، گفتار میں
ولادتِ مسیح کے جشن کی دعوت سے نکلنے چلتی ہے۔

انشا پرداز کا قلم اپنی حرکت میں اسی کی ذات سے
لوگوں کو عطاروں کی رگِ جاں دکھاتا ہے۔

عقل جو اس کا عرفان چاہتی ہے تو،
اس عرفان کے ظہور سے عقل کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

اس کی راہ میں دوئی (کا وجود نہیں وہ) بے کفن مُردہ ہے اور خودی
اس کی درگاہ کا منصف پاسبان ہے (کہ جو اپنی ذات کو پہچانا وہ اس کی بارگاہ
میں پہنچایا جاتا ہے)۔

اگر کوئی اس کے ناز پر جان دینے والا ہے،
اور اگر کسی نے اس کے راز کی پردہ داری کی۔

مرآن را پلارکِ رگِ گردنِ
مرایس را روانِ مُجَرَّدنِ

ز گرمی که باشد به هنگامِ اش
ز تیزی که دارد قطِ خامِ اش

زیانِ هائے افسردگانِ آتشی
منشوائے سنگینِ دلاںِ نازنی

ز هے هستی محض و عینِ وجود
که نازد بیکتائیش هست و بود

ز شاخِ ابه کز قلزمِ سردهد
بهر تشنه آشامِ دیگردهد

بیک باده بخشد ز پیمانِ
بهر ذره رقصِ جداگانِ

جهانِ ز طوفانِ بغرقاب در
هنوزش همان چیں بگرداب در

تو گردن کی رگ اس کے لئے تلوار بن گئی (تلوار کی دھار پر زندگی کاٹ دی) اور اس کی جان جسم سے مستغنی ہو گئی۔

اس کے ہنگامے میں اتنی شدید گرمی ہے، اور اس کے قلم کے قط میں وہ تیزی ہے کہ

بجھے ہوئے لوگوں کو زبانیں آگ اگلنے لگتی ہیں، اور پتھر جیسے دل والوں کی فطرت بدل کر نازک ہو جاتی ہے۔ خلاصہ: جس کی لَو اس سے لگی ہو اس کی ماہیت بدل جاتی ہے، افسردگی آگ میں اور پتھر موم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس ہسج مطلق کا کیا کہنا جو عین وجود ہے، جو کچھ ہے، جو کچھ تھا، (سارا عالم) اس کی یکتائی پر ناز کرتا ہے۔

وہ اس نہر سے جو (اس کے وجود کے) سمندر سے کٹ کر نکلی ہے ہر یک پیاسے کی پیاس الگ الگ بجھا دیتا ہے۔

ایک ہی شراب سے ایک ایسا پیانہ دیتا ہے کہ، ہر ذرہ اس کی مستی میں انوکھا رقص کرتا ہے۔

ایک عالم طوفان میں ڈوبا جا رہا ہے پھر بھی، بھنور کی صورت میں اس کے ماتھے کا بل وہی موجود ہے (یعنی مزید غرقابی کا طالب ہے)۔

گروہے زمستی بغوغادروں
ہنوزش ہماں می بہ مینا دروں

اسیرش زبندے کہ برپائے اوست
سگالد کہ برتخت چیں جائے اوست

شہیدش بخویش از طرب بہرہ مند
بجز چشم زخمش نباشد گزند

زیانگے کہ خیزد زخون دردالش
بدان تار ماند رگ بسمالش

کہ چوں خواہدش رغبت انگیز تر
مغنی کند زخمہ راتیز تر

شبستانیانش زمے غازہ جوئے
بیابانیانہ ز خور تازہ روئے

گرانمایگان غرق کوثر ازو
خسان خستہ موج ساغرازو

ایک گروہ مستی میں شور مچائے جا رہا ہے،
جام شراب ویسے ہی بوتل میں بھری ہے۔

جو شخص اس کی (محبت کی) قید میں ہے ، وہ اس بیڑی پر
ایسا فخر کرتا ہے گویا سلطنت چین کے تخت پر جلوہ افروز ہو۔

جو اس پر قربان ہو گیا وہ اپنی جگہ ایسا خوش ہے کہ
نظر بد کے سوا کوئی تکلیف اُسے نہیں پہنچ سکتی۔

اس (شہید) کے دل میں جو آواز خون سے اٹھتی ہے
اس کی وجہ سے رگ بسمل ایسے تار کی مانند ہوجاتی ہے کہ

اسے تڑپنے پر زیادہ راغب کرنا چاہتا ہے تو،
مقتی (خدا) زخمہ تیز کردیتا ہے ۔ (مضراب ساز پر تیز چلاتا ہے)

جو لوگ اس کے شبتانی ہیں (یاد کی خلوت میں رات بسر کرتے ہیں)
اُن کے چہروں پر شراب کا آب و رنگ ہے اور جو اس کے بیابانی
ہیں (جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں) ان کے چہرے آفتاب سے
دک رہے ہیں۔

جن کے مرتبے بلند ہیں وہ اس کی بدولت حوض کوثر میں غرق ہیں ،
اور جو کم درجے کے لوگ ہیں، وہ پیالے کی موج سے ہی ہلاک ہو رہے ہیں۔

مناجاتیاں پیش وے در نماز
خراپاتیاں را بد و چشم باز

اگر کافرانند ز نہاریش
وگر مومنان در پرستاریش

هُوَ الْحَقُّ سَرایانِ او غیب جوئے
أَنَا الْحَقُّ نَوایانِ او تلخ گوئے

رہش راز جانہا غبارے بلند
غمش راز خالِ عروسان سپند

نہ تنہا خوشے ناز پروردِ اوست
کہ غم نیز دل را رہ آوردِ اوست

اگر شاد کامے شکر می خورد
وگر نامرادے جگر می خورد

نماز میں دعا مانگنے والے اس کے سامنے سر بہ سجدہ ہیں
اور جو میٹانے کے رسیا ہیں وہ بھی اس کی طرف آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔

اگر ”کافر“ ہیں تب بھی اس کی پناہ چاہتے ہیں،
اور ”مومن“ ہیں تو اس کی عبادت میں لگے ہیں۔

جنہوں نے کہا کہ بس وہی حق ہے، انہوں نے غیب کے راز کی تلاش کی،
اور جنہوں نے نعرہ لگایا کہ میں حق ہوں (خدا کو اپنی ”ذات“ پایا)
وہ ایک تلخ (سچی) بات کہہ گئے۔

اس کی راہ میں جانوں کا غبار اٹا ہوا ہے (یعنی اس کی راہ میں اس قدر جانیں
قربان ہوئی ہیں کہ راہ جانوں کے غبار سے بھر گئی ہے)
اور اس کے غم (الفت) پر دلہنوں کے چہرے کے تل، رائی کے کالے
دانوں کی جگہ جلتے ہیں۔

صرف خوشی ہی اس کی چہیتی نہیں
بلکہ دل کو غم کو سوغات بھی اسی نے دی ہے۔

اگر کوئی بامراد آدمی شکر کھاتا ہے (زندگی کے مزے لیتا ہے)
اور اگر کوئی نامراد اپنا لہو پی رہا ہے۔

نه آن نشاطے به پيوند اوست
که ایں هم به هستی نشان مند اوست

ز آئیں نگاران به هنگامه در
رقم گشته نامش بهر نامه در

لغت زان شود تازی و پهلوی
که بالذ سخن چون پذیرد نوی

سخن گر بصد پرده دمساز گشت
چنان کامد از وی بوئی باز گشت

بهر لب که جوئی نوائے ازوست
بهر سر که بینی هوائے ازوست

اگر دیو ساریست بیهوش و هنگ
که همواره پیکر تراشد ز سنگ

به بت سجده زان رو روا داشته
که بت را خداوند پنداشته

تو نہ صرف اوّل الذکر کا نشاط خدا کے علاقہ سے ہے
بلکہ یہ دوسرا بھی اپنے وجود سے اس کی ذات کا نشان دے رہا ہے۔

قوائین الہی لکھنے والے ہنگامہ تحریر میں
ہر کتاب میں اسی کا نام لکھتے ہیں (یعنی سب دین کی کتابیں اللہ سے منسوب ہیں)

انسانی زبانیں اس وجہ سے عربی اور فارسی میں بنی ہوئی ہیں
(بہت سی الگ الگ زبانیں اس لئے ہیں) کہ کلام نئے لباس میں آکر بہتر ہوتا ہے۔

کلام چاہے سو پردوں سے نکلے لیکن، جس طرح شروع اس کی ذات سے ہوا
ایسے ہی اس کی ذات کی طرف پلٹ جاتا ہے ۔
(کلام کی ابتدا بھی اسی سے ہے، اور انتہا بھی اسی پر)

جس لب کو دیکھو اسی کی صدا پاؤ گے،
ہر ایک سر میں اسی کا سودا سمایا ہوا ہے۔

اگر کوئی شیطان صفت ہے، عقل و ہوش کھو بیٹھا ہے،
اور پتھر کے بت تراشا کرتا ہے۔

تو اس نے بھی بت کے آگے سر جھکانا اسی لئے گوارا کیا،
کہ مورتی کو (خدا) سمجھتا ہے۔

و گر خیره چشمیست نیر پرست
به دُرد می از جام اندیشه مست

به مهرش ازان راه جنبیده مهر
کزین روزنش دوست بنموده چهر

ز تارے درونان، آهریمنی
گروهے بود کز خعد دشمنی

ز بس دادنا آشنائی دهند
به آتش نشان خدائی دهند

به تن ها به آذر گرایش کنان
به دلها خدا را نیایش کنان

گروهے سراسیمه در دشت و کوئے
خداوند جوی و خداوند گوئے

ز رسمے که خود را بر آن بسته اند
به یزدان پرستی میان بسته اند

اگر کوئی شخص آنکھیں چکاچوندھ ہونے کے سبب ٹھیک سے نہیں دیکھ سکتا
اور سورج کی پوجا کر رہا ہے، خیال کے جام سے تلچھٹ پی کر ہی مست،

ہو گیا ہے تو بھی اسی کی محبت میں سورج تک گیا ہے (سورج کے روشن)
جھروکے سے دوست (خدا) نے ہی اسے درشن دئے ہیں۔

سیاہ باطن لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو عقل کی دشمنی
میں نا سمجھی اور غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔

اس	نے	آگ	کو	ہی،
خدا	کا	روپ	سمجھ	لیا۔

(لیکن حقیقت یہ ہے کہ) اُن کے بدن ہی بدن آگنی پوجا کر رہے ہیں
ورنہ دلوں میں خدا کا گن گان بھرا ہے۔

ایک گروہ ہے جو دشت اور بستی میں پریشان ہے
اسے بھی خدا کی ہی جستجو ہے اور اس کا نام زبان پر ہے۔

انہوں نے خود کو جس ریت رسم کا پابند کر لیا ہے
اس کے ذریعے خدا پرستی پر ہی کمر باندھی ہے۔

زمهرے کہ بیخواست در دل بود
پرستند حق گر بباطل بود

نظر گاہ جمع پریشان یکیست
پرستنده انبوه ویزدان یکیست

کدامے کشش کاں ازان سوئے نیست
بدونیک را جز بسے روئے نیست

جہاں چیسیت آئینہ آگہی
فضائے نظر گاہ وجہ الہی

نہ ہر سو کہ رو آوری سوئے اوست
خود آن رو کہ آوردہ روئے اوست

زہر ذرہ کارے بہ تنہائیش
نشان بازیابی زیکتائیش

چوں این جملہ را گفتہ عالم اوست
بہ گفت آنچه ہرگز نیاید ہم اوست

اُن کے دلوں میں آپ سے آپ جو (خدا کا) پیار سایا ہے، تو بھی غلط طریقے،
سے سہی لیکن پوجا حق (ستیہ) کی ہی کر رہے ہیں۔

بکھرے ہوئے لوگوں کی اس بھیڑ کا مرکز نگاہ ایک ہی ہے۔ پوجنے والا،
ایک ہی جہوم لیکن جسے پوجا جاتا ہے وہ ایک ہی ہے۔

وہ کون سی کشش ہے جو اس کی طرف سے نہیں ہے،
بُرا ہو یا اچھا، ہر ایک کا رُخ اسی کی طرف ہے۔

یہ دنیا کیا ہے، علم و خبر کا ایک آئینہ، ایک فضا پھیلی ہے جس میں
نظر ٹھیرتی ہے تو سامنے خدا کی صورت دیکھتی ہے۔

صرف یہی نہیں کہ جدھر منہ کرو اسی کی طرف رُخ ہوگا
بلکہ وہ چہرہ جو تم موڑو گے وہ بھی اسی کا چہرہ ہوگا۔

اپنی تنہائی میں جو خدا نے ذرہ کاری کی ہے،
تو ہر ذرہ کاری سے تم اس کی یکتائی کا نشان پاؤ گے۔

جس طرح یہ سب کی سب جن کو تم نے عالم کہا
اسی کی ذاتِ واحد میں اسی طرح وہ چیزیں جو ہیں اور بیان
میں نہیں آسکتیں، وہ بھی اسی کی ذات ہیں۔

چوں این جا رسیدم همایوں سروش
بمن بانگ برزد که غالب خموش

بپاشید در لرزه بندم ز بند
تپان همچو بر رونه آتش سپند

چو از وے پزیرائی راز آدمم
مناجات را پرده ساز آدمم

به ساز نیایش شدم نغمه ریز
بدان تا بدنسان کنم زخمه تیز

جب میں اس شعر پر پہنچا تو مبارک فرشتے نے مجھے پکارا ،
کہ غالبؔ بس اب چپ ہو جاؤ۔

مجھے کچکی چڑھ گئی اور جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا،
بدن ایسا تپا جیسے آگ پر رائی کے سیاہ دانے

جب میں نے اس (فرشتے) سے راز کا پیغام قبول کر لیا تو
مناجات لکھنے کی طرف مائل ہوا

میں جو حمد کے ساز پر نغمہ گاتا رہا،
وہ اس لئے کہ معز اب کو ایسا تیز کرلوں۔

غالب کی فاتحہ

قرآن مجید کے پہلے سورہ حمد کو سورہ فاتحہ الکتاب بھی کہتے ہیں۔ چونکہ مُردوں کی روح کو ثواب بھیجنے کے لئے بھی سورہ حمد کی تلاوت کرتے ہیں اس لئے اس کو فاتحہ پڑھنا یا فاتحہ خوانی کرنا بھی کہتے ہیں۔ برصغیر کے اسلامی ماحول میں شہدا کی روح کو شاد کرنے اور ان کے وسیلے سے دعا کرنے کا رواج پرانا ہے جس میں شربت اور منٹائی پر فاتحہ پڑھ کر نذر و نیاز تقسیم کی جاتی ہے۔ یہاں فاتحہ پڑھنے والا قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھوں کو اٹھا کر دعا میں سورہ حمد پڑھنے کے بعد کچھ مناجاتی یا دعائیہ اشعار پڑھتا ہے۔ غالب کے فارسی کلام میں ایسی دو فاتحہ ہمیں نظر آتی ہیں۔ پہلی فاتحہ میں (67) اشعار اور دوسری فاتحہ میں بیس (20) اشعار ہیں۔ پہلی فاتحہ کا مطلع ہے۔

بہر ترویج جناب والی یوم الحساب

ضامن تعمیر شارستان دلهای خراب

یعنی برائے خوشنودی سرپرست روز حساب جو شکستہ دلوں کی درنگی کی ضمانت کرتا ہے۔
دوسری فاتحہ کا مطلع ہے۔

بہر ترویج نبی حاکم ادیان و ملل

کارفرمای نبوت ابداً ہم زائل

یعنی برائے خوشنودی نبی کریم جو حاکم دین و ملت ہے اور جن کی نبوت ازل سے ابد تک قائم ہے۔
راقم نے ترویج کے لغوی معنی ”خوش کردن کسی را“ لغت نامہ دھندا سے لئے ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب غالب کی فارسی قصیدہ نگاری کے ذیل اپنی کتاب غالب پر چند مقالے میں لکھتے ہیں۔ ”غالب کے قصائد میں ۱۳ مذہبی قصیدے ہیں جن میں ایک حمد باری میں، تین نعت میں، چار حضرت علیؑ کی منقبت میں، دو حضرت امام حسینؑ ایک حضرت عباسؑ بن علیؑ، ایک حضرت امام محمدؑ کی منقبت میں ہے۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ ائمہ اثنا عشر میں صرف تین اماموں کی منقبت لکھی گئی ہے حضرت امام حسنؑ اور آٹھ دوسرے ائمہ سے صرف نظر کرنا تعجب خیز امر ہے۔ موجودہ قصائد سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ غالب شیعہ عقیدے کے حامل تھے اس عقیدے کا تقاضا ہے کہ ان کو صرف تین اماموں کی مدح پر بس نہ کرنا تھا۔“

پروفیسر نذیر احمد صاحب نے بالکل صحیح لکھا کہ غالب کو صرف تین اماموں کی مدح پر بس نہ کرنا تھا اور

غالب نے بھی صرف تین اماموں کی مدح کر کے بس نہیں کیا بلکہ پورے بارہ اماموں کی مدح کی اور نہ صرف بارہ اماموں کے نام لے لے کر مثبتی اشعار لکھے بلکہ اس میں حضور اکرمؐ اور ان کی گوشہ جگر حضرت فاطمہؑ کے نعتیہ اور مثبتی اشعار لکھ کر چودہ معصوم کی مدح خوانی کی جو ان کے فارسی دیوان میں موجود ہے۔

غالب کی ان دو فاتحہ کی نظموں میں نعتیہ اشعار کے بعد حضرت فاطمہؑ کی منقبت اور پھر بارہ امام یعنی حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدیؑ تک ہر امام کا نام گرامی لے کر مثبتی اشعار، پھر مناجاتی انداز میں چند دعائیہ شعر بھی ملتے ہیں۔ دونوں فاتحہ کے مکمل اشعار اس کتاب میں موجود ہیں جن کی تکرار سے ہم یہاں گریز کر رہے ہیں۔ ذیل کی جدول میں ان دونوں فاتحہ میں چودہ معصومین کی شان میں کہے گئے اشعار کی تعداد بتائی گئی ہے:

فاتحہ نمبر 1۔ کل اشعار 67	فاتحہ نمبر 2۔ کل اشعار (20)
اسم گرامی	تعداد شعر
حضرت محمدؐ مصطفیٰ	8
حضرت فاطمہ زہراؑ	3
حضرت علیؑ	8
حضرت امام حسنؑ	5
حضرت امام حسینؑ	5
حضرت امام زین العابدینؑ	3
حضرت امام باقرؑ	1
حضرت امام جعفر صادقؑ	2
حضرت امام موسیٰ کاظمؑ	1
حضرت امام رضاؑ	1
حضرت امام تقیؑ	1
حضرت امام نقیؑ	1

1	2	حضرت امام عسکریؑ
2	6	حضرت امام مہدیؑ
2	1	شہید الن کر بلا
1	3	حضرت عباسؑ
1	4	عزاداران آل بو ترابؑ

پس معلوم ہوا کہ غالب نے تمام بارہ ائمہ کے نام نامی گرامی لے کر خاص خصوصی نسبتوں سے منقبتی اشعار اسی سلسلہ سے نظم کئے جو ان کا سلسلہ نسب ہے۔ ہر شعر معنی آفرینی میں بحر بیکراں ہے جو کوڑھ میں بند کیا گیا ہے ان اشعار میں مضمر اشاروں سے پوری طرح واقف ہونے کے لئے سیرت و تاریخ ائمہ اطہار سے واقفیت ضروری ہے جو غالب کو حاصل تھی۔

اردو اور قدیم فارسی میں فاتحہ اور مناجاتوں میں سیدھے سادے مطالب آسان الفاظ میں بیان ہوتے تھے جن میں عقیدتی جوش و جذبہ کے علاوہ شعری گیرائی، گہرائی، قادر الکلامی اور معنی آفرینی منقود تھی لیکن غالب نے فاتحہ میں بھی قادر الکلامی اور عاجز بیانی میں معجز بیانی دکھائی ہے۔

حضور اکرمؐ کی بخشش پر کہتے ہیں۔

جرم بخشای کہ گر جوشد بہار رحمتش

برفناۓ خویش لرزد چوں دل مجرم عذاب

یعنی جب آنحضرتؐ کی رحمت گناہ بخشے کے لئے جوش میں آتی ہے تو خود گناہ اپنے نابود اور فنا ہونے کے ڈر سے ایسا کانپتا ہے جیسے کسی مجرم کا دل سزا کے ڈر سے۔ ایک اور شعر میں کہتے ہیں حضورؐ کی بارگاہ کی ایک اینٹ سورج ہے اور آپؐ کی بزم کی شمع چاند ہے۔ غالبؒ مئے حُبِ علیؑ پیتے ہیں اور اسی مستی کی حالت میں تصوّر جمال کبریا میں مگن ہیں۔

بادۂ خم خانۂ او پرتوی نور جمال

پنبۂ مینای او چشم سفید ماہتاب

امام حسینؑ کے عالی کردار اور مقام کو یوں بیان کرتے ہیں۔

بادشاہی صابری دریادلی تشنہ لبی
کز غمش از لعل خوں بارست چشم آفتاب
در گھش را مخمل خواب زلیخا فرش راہ
خیمہ ہایش را نگاہ ماہ کنعانی طناب

امام حسینؑ ایسے صابر تشنہ دریادل پاوشاہ تھے جن کے غم میں سورج خون کے آنسو رویا۔ وہ حسینؑ جن کے راستہ کا فرش زلیخا کے بستر کا مخمل تھا اور جن کے خیمہ کی ڈوریاں حضرت یوسفؑ کی نگاہوں سے کسی ہوئی تھیں۔
دوسری فاتحہ میں کہتے ہیں۔

بہر ترویج حسینؑ آنکہ دو چشم جبریل
از پی سرمہ خاک درش آمد مکمل

یعنی اُس حسینؑ کی خوشنودی کے لئے جن کے آستانہ کی خاک کے سرمہ سے جبریلؑ کی آنکھیں روشن ہوئیں۔

حضرت امام جعفرؑ صادقؑ کی منقبت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ع۔ آن کہ دانای علوم است و توانای عمل

بہر ترویج علیؑ جعفرؑ صادقؑ کہ اوست
وارث علم رسولؐ و خازن سر کتاب

برائے خوشنودی امام جعفرؑ صادقؑ جو علم رسولؐ اور قرآن کے رموز کا وارث ہے۔

جب غالب امام مہدیؑ کی مدح کرتے ہیں تو حضرت علیؑ کی مدح کی طرح ان کے کلام میں خاص جذبہ اور جوش نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی خاطر تقریباً ہر منقبت میں حضرت مہدیؑ کے بارے میں اشعار رقم کئے ہیں اور ایک پورا قصیدہ بھی حضرت مہدیؑ کی شان میں موجود ہے۔

زیں سپس بہر ظہور مہدیؑ صاحب زماں
ظلمت ستان شب کفر و حسد را آفتاب
قول و فعلش بے سخن کردار و گفتار نبیؑ

رسم راہش بے تکلف رسم و راہ بو تراب
جندامعمار گیتی کز پے تعمیر دین
در کف از سر رشته نبی دارد نقاب

پس برائے ظہور محمدی امام زماں جو کفر اور حسد کی تاریک شب کے لئے سورج ہیں جن کے قول و عمل کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا جن کے کردار اور گفتار حضور اکرم کے کردار و گفتار ہیں جن کا طریقہ زندگی اور راستہ حضرت علی کی طرح ہے۔ کیا کہنا اے دنیا کے معمار تو نے دین کی تعمیر کی خاطر شریعت محمدی کی باگ اپنے ہاتھ میں تھامی اور پردہ غیبت میں رہا۔

دونوں فاتحہ میں غالب نے چودہ معصومین کی مدح سرائی کرنے کے بعد شہیدان کربلا بخصوص حضرت عباس کی مداحی بڑے اہتمام اور التزام سے کی ہے۔ غالب عاشق حضرت عباس ہیں۔ اسی لئے ایک پورا قصیدہ حضرت عباس کی شان میں موجود ہے۔

حضرت عباس عالی رتبہ کز ذوق حضور
زخم بر اجزائی تن پیمود و بر دل فتح یاب

حضرت عباس وہ عالی مرتبت شخصیت ہیں جنہوں نے شہادت کے ذوق میں اپنے جسم کو زخموں سے بھر لیا اور دلوں کو جیت لیا۔

فاتحہ کے اخیر میں غالب اپنی تنگ مائیگی، درماندگی، دربدری، اور مشکلات میں گرفتاری کا تذکرہ تشبیہات اور استعاروں اور رموز و اشاروں میں کرتے ہیں لیکن بعض اوقات بغیر کسی حجاب کے رو دا دل سنا دیتے ہیں۔ ہمیشہ نجف جا کر ہمیشہ کے لئے وہیں پر رہ جانے اور اس خاک میں دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ ایک فاتحہ میں یوں اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔

در حق غالب بیچارہ دعای کہ دگر
نکشد درد سرتاب و تب طول امل
شادشادان بہ نجف بال کشاید کہ شود
یعنی کہ وہ خوشی خوشی نجف کی سمت پرواز کرے

دوسری فاتحہ میں کہتے ہیں میں اُس موی آتش دیدہ کے مانند ہوں جو حلقہ فنا میں اسیر ہے۔

موی آتش دیدہ را مانم کے بھر خوشتن

حلقۂ دام فنا گردیدہ ام از پیچ و تاب

حرمت جان محمدؐ یک نظر کن سوی من

یا علیؑ یا مرتضیٰؑ یا ہوالحسنؑ یا بوتراہؑ

☆.....☆.....☆

jabir.abbas@yahoo.com

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

خدایا زبانی کہ بخشیدہ
بہ نیروئے جانے کہ بخشیدہ

دما دم بہ جنبش گر آید ہمے
ز راز توحرفے سراید ہمے

نہ دانم کہ پیوند حرف از کجاست
دریں پردہ لحنے شگرف از کجاست

گر از دل شناسم جنوں بیش نیست
کہ آن نیزیک قطرہ خون بیش نیست

خرد را سگالم کہ نیرو دہد
خود اورا زمن حیرتے رو دہد

نہ آخر سخن را کشایش ز تست
بہ نابود چندیں نمایش ز تست

اے خدا ، یہ زبان جو تو نے بخش ہے،
تیری عطا کی ہوئی قوت سے،

لحظہ بہ لحظہ حرکت میں آتی ہے تو
تیرے ہی راز کی باتیں بیان کرتی ہے

مجھے نہیں معلوم کہ حرف (و لفظ) کا تعلق کس ذات سے ہے
اور اس پردے میں اعلا درجے کی سُریلی آواز کیوں کر آ جاتی ہے۔

اگر سوچوں کہ سب دل کی بدولت ہے تو یہ خیال جنون ہوگا
وہ خود لہو کی ایک بوند ہے اور بس۔

اگر یہ خیال کروں کہ عقل ، لفظ میں وصف پیدا کرتی ہے،
تو عقل کو میرے معاملے میں حیرت ہے۔

کلام کو یہ وسعت (اور اظہار کی صلاحیت) کس نے دی اگر تو نے
نہیں دی؟ کلام کہ نابود شے ہے، اس سے اظہارِ معانی تیری
ہی ذات سے ہے۔

چو پیداتو باشی نهان هم توئی
اگر پرده باشد آن هم توئی

بهر پرده دمساز کس جز تو نیست
شناسنده راز کس جز تو نیست

چه باشد چنین پرده ها ساختن
شگافه بهر پرده انداختن

بدیسی روئی روشن نقاب از چه رو
چو کس جز تو نبود حجاب از چه رو

همانا از آنجا که توقیع ذات
بود فرد فہرست حسن صفات

تقاضائے فرمانروائی دروست
ظہور شیونِ خدائی دروست

ز فرمان دہی خاست فرمان بری
شناساوری شد شناساگری

جو کچھ ظاہر ہے وہ تو ہی ہے اور جو کچھ نہاں ہے وہ بھی تو ہی ہے
اگر تیری ذات پردے میں ہے تو وہ بھی تو ہی ہے۔

ہر ایک معاملے میں تیرے سوا کوئی رفیق نہیں
اور تیرے سوا اس راز کو کوئی نہیں جانتا

یہ کیا معاملہ ہے کہ اس قدر پردے ڈالے ہیں اور پھر،
ہر ایک پردے میں جھری بھی کھلی رکھی ہے

ایسے روشن چہرے پر نقاب ڈالنے کی وجہ کیا؟
جب (عالم وجود میں) تیرے سوا کوئی ہے نہیں تو پردہ کس لئے؟

جب یہ قطعی بات ہے کہ،
خود ذات باری مستجمع صفات کمال ہے، تو

فرماں روائی کا تقاضا اس کی ذات میں ہے
کیوں کہ خدائی کی شانوں کا ظہور اس میں ہونا چاہئے

فرماں روائی سے، فرماں برداری پیدا ہوئی
پہچانے جانے کی خواہش سے پہچانے کی قوت

ترا با خود اندر پرند خیال
بود نقطه از صفات کمال

کزان نقطه خیزد سیاه و سپید
وزان پرده بالدهراس و امید

بدان تازه گردد مشام از شمیم
بدان بشگفت گل بباغ از نسیم

از آنچنان گه روشنائی برد
وز آنچنان نفس نغمه زائی برد

از آن جنبش آید بشوخی برون
اگر موج رنگست ورموج خون

اگر سود گوهر بدامن برد
زیان گر خود اخگر بجزمین برد

ز آرایش کفر و پرواز دیس
ز داغ گمان و فروغ یقیس

خود تیرے تھوڑ کی پرواز میں ہی کمال کی صفات کا نقطہ،
موجود تھا (صفات علم خداوندی میں شامل ہیں)۔

کہ اسی نقطے سے (صفات کمال کے نقطے) سیاہ و سفید ابھرتے ہیں،
اور اسی پردے سے امید و بیم (متضاد صفات) کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔

اسی کی بدولت دماغ خوشبو سے بھر جاتا ہے
اور اسی کی بدولت خنک ہوا سے باغ میں پھول کھل جاتے ہیں۔

وہیں سے نگاہ کو روشنی ملتی ہے
اور سانس کو نغمہ سرائی۔

لہر میں اسی جنبش سے موج رنگ
اور موج خون کا ظہور ہے۔

اگر نفع اپنا دامن موتیوں سے بھرتا ہے تو
نقصان اپنے کھلیان میں خود چنگاری ڈالتا ہے۔

وہ انکار کی گندگی ہو یا دین کی بلندی
شک کا داغ ہو یا یقین کا نور

بہر گونہ پردازش هست و بود
جمال و جلال تو گیرد نمود

بہ گردوں ز مہر و بہ اختر ز تاب
بہ دریاز موج و بگوہر ز آب

بہ انسان ز نطق و بمرغ از خروش
بنیادان ز وہم و بیدان از ہوش

بچشم از نگاہ و بہ آہو ز رم
بچنگ از نوائے و بہ مطرب ز دم

بباغ از بہار و بشاہ از نگیس
بگیسوز پیچ و بہ آبروز چیس

عیار وجود آشکارا کنے
نشانہائے جود آشکارا کنے

جمال تو ذوق تو از روئے تو
جلال تو تاب تو از خوئے تو

ساری دنیائے وجود ہر رنگ، ہر صورت میں،
تیری ہی جمالی اور جلالی صفتیں سامنے لاتی ہے۔

آسمان پر سورج سے ، تاروں کی چمک سے
دریا میں موج سے اور موتی میں اس کی آب سے،

انسان میں گویائی کی قوت سے ، پرندوں میں چچہاہٹ اور شور سے
بے عقل میں وہم سے اور عقل مند میں ہوش سے،

آنکھ میں نگاہ سے ، ہرن میں اس کی مہرتی سے
باجے میں اس کی آواز سے، نغمہ نواز میں اس کی سانس سے،

باغ میں بہار سے ، بادشاہ میں اس کی مہر سلطنت سے
زُلف میں الجھاؤ سے اور چتون میں بل سے،

تو نے ہی وجود کا معیار ظاہر کیا ہے
اور اپنے کرم کی نشانیاں نمودار کی ہیں۔

تیرا جمال خود تیرے ہی چہرے سے تیرا ذوق ہے (اپنے ظہور کا ذوق ہی
جمالِ خداوندی ہے) ، اور تیرا ہی جلال تیری خو کی چمک ہے۔

جمال ترا ذره از آفتاب
جلال ترا یوسف اندر نقاب

چه باشد چنبر عالم آرائی
همانا خیال و تنهائی

توئی آنکه چون پا گزاری براه
نیایی بجز خویشتن جلوه گاه

چو رودر تماشائے خویش آوری
هم از خویش آئینه پیش آوری

نه چندان کنی جلوه بر خویشتن
که کس جز تو گنج دریں انجمن

بفرمان خواهش که آن شان تست
هم از خویش بر خویش فرمان تست

کنی ساز هنگامه اندر ضمیر
چونم دریم ورشته اندر حریر

آفتاب تیرے جمال کا ایک ذرہ ہے
اور تیرے جلال کے اندر حُسن نہاں ہے۔

ایسی اور اتنی عالم آرائی کی حقیقت کیا ہے؟
محض ایک خیال اور ایک تنہائی (خدا کی یکتائی)

تو وہ ہے کہ اگر آگے چلے تو،
بجز تیری ذات کے آگے چلنے کو کوئی جگہ نہیں

جب تو اپنا جلوہ دیکھنے پر آتا ہے تو (اس کے لئے)
آئینہ بھی اپنے وجود سے ہی سامنے رکھتا ہے۔

تو اس طرح اپنی ذات پر جلوہ گر ہے کہ
دوسرے وجود کی وہاں گنجائش ہی نہیں۔

فرماں روائی کی خواہش سے کہ وہ (فرماں روائی) تیری شان ہے
تیری حکمرانی تیری ذات پر ہے (یعنی مخلوق خود خالق ہے)۔

لوگوں کے دلوں میں یوں ہنگامہ برپا کیا ہے
جیسے دریا میں نمی اور ریشم میں باریک تار

ظہور صفات تو جز در تونیست
نشان هائے ذات تو جز در تونیست

ز خواہش بکورئ چشم دُئی
بارائش دھر کانہم توئی

کشائی نور دھنر رنگ رنگ
کشے پردہ بر روئے ہم تنگ تنگ

زھر پردہ پیدا نوا سازئیے
بھر جلوہ پنہاں نظر بازئیے

پدید آورے برگ و سارے فراخ
چونخلے بہ انبوهی برگ و شاخ

دریں گونہ گوں آرزو خواستن
بود چون بیاستن آراستن

زھر پردہ رنگے کہ گردد کشاد
چنان دل کش افتد کہ بی آن مباد

تیری صفات کا جو ظہور (نظر آتا) ہے وہ تجھ سے باہر وجود نہیں رکھتا
اور تیری ذات کی نشانیاں بھی خود تجھی میں بسی ہوئی ہیں۔

تو نے چاہا کہ اہل کثرت کے اندھے پن کے لئے
عالم کی آرائش کرے حالانکہ خود تو ہی ہے۔

تُو تو اپنی صنعت کے طرح طرح کے کام دکھاتا ہے، اور اُن پر پردے
خوب کس دئے ہیں (جن کے سبب لوگ اُن کو جدا موجود مانتے ہیں)۔

ہر ایک پردے سے نواگری چمکتی ہے اور
ہر جلوے میں تو، خود چھپ کر اپنا جلوہ دیکھ رہا ہے۔

تو سامان پیدا کرتا ہے اور اس کو وسعت دیتا ہے
جیسے درخت اپنے برگ و بار نکال کر بڑا ہو جاتا ہے۔

طرح طرح کی خواہشوں کا جو سلسلہ ہے، اسی میں (دنیا کی)
بناوٹ سجادت کا جیسا چاہیے ویسا سامان ہے۔

ہر ایک پردے سے جو رنگ بھی پیدا ہوتا ہے
وہ ایسا دکش ہوتا ہے کہ بغیر اس کے ہونا ہی نہیں
(یعنی اگر وہ رنگ نہ ہو تو زندگی بیکار ہے)۔

قلم در کف و تاج بر سر رسد
بهر چارسد هر چه از در رسد

به نه چرخ والائی و بر ترے
بچار آخشیج آدمے پیکرے

به یزدانیان فرّۂ ایزدے
بیونانیان بهرۂ بخردے

به کشور کشایان دم گیرودار
به مسکین گدایان غم پود و تار

بناهیدیان بادۂ بے غمے
به کیوانیان گونه ماتمے

به مستان نشید و به عشاق آه
به آهن کلید و به زرنام شاه

به بیرنگ نقش و به پرکار سیر
بطامات لعن و بطاعات خیر

مثلاً صاحبِ قلم ہونا یا صاحبِ تاج و تخت ہونا وغیرہ (ایسی نعمتیں ہیں کہ اُن کا اہل بغیر ان کے، مرنے کو ترجیح دے گا) جو شے جس لائق ہوتی ہے وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔

تو آسمانوں کو بلندی و برتری، اور چار عناصر (آگ، مٹی، پانی، ہوا) کو آدمی کا جسم ہونا۔

خدا والوں کو نشان ایزدی اور یونانیوں کو عقل کا نصیبہ۔

جنہیں ملک فتح کرنے کا حوصلہ ہے انہیں جنگ و جدل کا حوصلہ دیا اور بے زبان فقیر کو تانے بانے (کپڑے لٹے) کی فکر دی

گانے بجانے کے شوقینوں کو بے فکری کی شراب اور سوگواروں کو ماتمی لباس۔

مستوں کو الپ دی، عاشقوں کو آہ لوہے کو چابی، اور سونے کو بادشاہ کا نام (سکہ شاہی)۔

پیرنگ کو نقش دیا اور پرکار کو گھومنا، اعمالِ بد کو لعنت اور طاعت کو ثواب (پیرنگ: تصویر کا خاکہ اور نقش: رنگ جو تصویر میں بھرے گئے)۔

بہ ابرازِ پئے خاکِ آبِ حیات
بہ خاکِ از نمِ ابرجوشِ نبات

بمے در فروغے کہ چون بردمد
ز سیمائے مے خوارہ نیردمد

بہ نے در نوائے کہ چون بر کشند
بہ آوازِ آن نالہ ساغر کشند

بہ ساقیِ خرامے کہ از دلبری
ز شاہدِ برد دل بہ ساقی گری

بہ شاہدِ ادائے کہ از سرخوشی
بہ ساقی دھد داروئے بھیشتی

بہ آزادہ دستے کہ ساغر زند
بہ افتادہ سنگے کہ بر سر زند

ہر آئینہ مارا کہ تر دامنیم
زدیوانگی باخرد دشمنیم

بادل کو (پیا سی) دھرتی کی خاطر امرت دیا
اور پھر مٹی کو اس نمی سے یہ قوت دی کہ نباتات اگائے

شراب میں رونق کہ جب وہ رنگ لاتی ہے تو
سے خوار کی پیشانی سے آفتاب چمکتا ہے

بانسری (کے گلے) میں وہ رس ڈالا کہ جب سر نکالتے ہیں
تو اس آواز پر جام شراب پیتے ہیں

ساقی کو وہ اندازِ رفتار دیا کہ،
شراب پلانے میں وہ معشوق کو اپنا عاشق کر لیتا ہے

اور معشوق کو وہ ادا دی کہ اُس کا ”سُردر کا عالم“
خود ساقی کے لئے داروئے بے ہوشی ہو جاتا ہے

آزاد مرد کو وہ ہاتھ دیا جو ساغر اٹھاتا ہے
اور گرے پڑے آدمی کو وہ پتھر دیا جو سر پر مارتا ہے

رہے ہم جو عجبہ گار ہیں ، اور
اپنے دیوانے پن میں عقل سے بیر باندھے ہوئے ہیں

ز آلود گیہا گرانی بُود
ہمہ سختی و سخت جانی بُود

زہر شیوہ ناساز گاری رسد
زہر گوشہ صد گونه خواری رسد

بہ بزم ارچہ در خوردن بادہ ایم
ولیکن بدان گوشہ افتادہ ایم

کہ چون شوی ماسا قی آرد پسیچ
نیابیم جز گردش از جام هیچ

بہ کفر آنچنان کردہ کوشش کہ خویش
نباشیم تارے ز زنا ربیش

ز لب جُزبہ ناگفتی کار نہ
ز خود جُزبہ نفرین سزاوارانہ

نہ سودائے عشق و نہ راہ صواب
نہ در سینہ آتش نہ در دیدہ آب

ہم کو اپنی رندانہ حرکتوں سے ناگواری
سختیاں اور سخت جانی ملی ہے۔

ہم کو یہ ملا کہ ہر پانسہ الٹا پڑتا ہے
اور ہر طرف سے سو طرح کی ذلت و خواری ملتی ہے۔

محفل میں اگرچہ ہم شراب پینے کی قیت سے موجود ہیں
لیکن (بیٹھے کو) ایسا کونہ ملا کہ

جب ساقی ہماری طرف رخ کرتا ہے تو،
جام سے ہمارے ہاتھ گردش (چکر) کے سوا کچھ نہیں آتا۔

کفر حاصل کرنے کی اس قدر کوشش کی ہے
کہ ہماری ذات تارِ زُکار ہو کر رہ گئی ہے۔

ہونٹوں سے اس کے سوا کوئی کام نہیں ہوا کہ نہ کہنے لائق باتیں کہتے
رہے ، اور اب ہم اس قابل ہیں کہ خود لعنت بھیجتے رہیں۔

نہ (سر میں) عشق کا سودا ، نہ سیدی راہ سامنے،
نہ سینے میں آگ رہی ، نہ آنکھ میں آنسو۔

نه دستوردان ونه خسرو شناس
نه از شحنة شرع در دل هراس

نیا سوده از مابه کنج و کمین
کسے جز وقائع نگارِ یحیی

گنه آن قدرها برون از شمار
که رنجِ دِ یسارِ سرش یسار

چو از پرده پُرس و جو بگذرند
روانهای ما را بدوزخ برند

هر آئینه از مابه تردامنی
فرومیرد آتشِ بدنِ روشنی

بدان تا چو ایس گرد خیزد ز راه
به سوزند ما را بشرم گناه

ولے با چنیں آتش خانه سوز
ترو خشک و آباد و ویرانه سوز

نہ بادشاہ کو پہچانیں ، نہ وزیر کو جانیں،
اور نہ شریعت کے محتسب سے دل میں کوئی خوف و خطر۔

کہیں کسی گوشہ یا ٹھہری ہوئی جگہ میں بھی ہم سے کسی کو آرام نہیں پہنچا
سوائے داہنے ہاتھ کے واقعہ نگار کے (فرشتہ جو نیک اعمال درج کرتا
ہے) کیونکہ کوئی نیک عمل نہیں کیا کہ اس فرشتے کو لکھنا پڑے۔

اور گناہ ہم اتنی کثرت سے کرتے ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوتا،
اور بائیں طرف والے (برے اعمال درج کرنے والے فرشتے) کا بایاں
بازو دکھ گیا ہے۔

(قیامت کے روز) جب حساب کتاب کے مرحلے سے ہم گذریں گے
ہماری جانوں کو دوزخ میں جھونکا جائے گا

ہماری تر دامن (گنہگاری) کے مارے،
آگ جو اس قدر روشن ہے ، بجھ جائے گی۔

جب دوزخ کی آگ ہمارے دامن تر سے بجھے گی اور اس سے غبار اٹھے گا
تو بالآخر ہم کو ہماری گنہگاری کی شرم سے جلایا جائے گا۔

لیکن ایسی گھر پھونکنے والی آگ کے ہوتے ہوئے
جو تر ، خشک، آباد اور ویرانے کو بھسم کر دے

نہ ایس بس کہ سوزاں بداغ توایم
ز پروانگان چراغ توایم

بہر گونہ کالا روائے ز تست
بما بہرہ نارا روائے ز تست

زابرے کہ بارد بہ گلزار بر
بروید گیاہے بہ دیوار بر

بدان نابروندی آن ناتوان
ز سر سبزئی باغ بخشد نشان

اگر خوار و ناروائیم ما
بہ باغ تو برگ گیائیم ما

بخویش از ظہور جلالت خوشیم
فروزینے ایزدے آتشیم

تراب جگر خستگی رانمی است
کہ گلہائے باغ ترا شب نمی است

کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم تیرے داغ (الفت) سے جل رہے ہیں؟
اور تیری شمع کے پروانے ہیں؟

بہر صورت متاع کی قبولیت و قدر تیری ہی طرف سے ہے،
اور اگر ہمیں نا مقبولی کا حصہ ملا تو وہ بھی تجھی سے ملا

باغ میں جو بادل برستا ہے وہ باغ کی دیوار
پر گھاس اگاتا ہے۔

یہ غریب گھاس اپنی بے حیثیتی میں بھی
باغ کی سر سبزی کا نشان دیتی ہے۔

اگر ہم ذلیل ہیں (بے حیثیت اور) نامقبول ہیں،
تب بھی تیرے ہی باغ میں اُگی ہوئی گھاس کا پتہ ہیں۔

ہم یوں بھی خوش ہیں کہ ہماری ذات میں تیرے جلال (غصہ) کا ظہور
ہے کہ، اس آتش ایزدی کے سلگانے کے لئے ہم چنگاری بنے ہیں۔

زخم جگر کی مٹی میں نمی ہے
اسی طرح جیسے تیرے باغ کے پھولوں کو شبنم ملتی ہے۔

زہ ناسن انسان کٹر روبگشت
دمد جادہ دیگر از روئے دشت

فزاید بغوغائے یوسف دو بہر
ترنج و کف خُردہ گیرانِ شہر

اگر کاسہ قیس مسکین شکست
صدائے زلیلے دران کاسہ هست

جو لوگ گمراہ ہیں اُن کے چلنے سے ، ایک اور راہ پیدا ہو جاتی ہے
(وہ راہ یہ ہے جس میں شعر گوئی بھی ہے)۔

اس شہر کے طعن کرنے والوں کے ہاتھ میں لیموں دیا گیا تو اس
سے یوسف کے حُسن کی شہرت دوگنی ہو گئی
(یعنی میرے حاسدوں کی طعن سے میری شہرت زیادہ ہوئی)۔

اگر غریب مجنوں کا پیالہ ٹوٹ گیا تو اس کی چھٹک میں
لیلیٰ کی آواز مجنوں کو سنائی دی کیوں کہ اس کے ذہن
پر لیلیٰ چھائی تھی (اسی طرح میں نے طعنوں کو خدا کی آواز سمجھا)۔

فاتحه

بهر ترویج نبی حاکم ادیان و ملل
کار فرمای نبوت ابداً هم ز ازل

بهر ترویج گل روضه عصت زهراً
آن به تقدیس چو ذات صمدی عزوجل

بهر ترویج علی آن که بنزد جمهور
قبلة آل رسول است و امام اول

بهر ترویج حسن، چشم و چراغ آفاق
که خیالش دهد آئینه جان را صیقل

بهر ترویج حسین آنکه دو چشم جبریل
از پی سرمه خاک درش آمد مکحل

بهر ترویج امام ابن امام ابن امام
آدم آل عبا ز آدم و عالم افضل

بهر ترویج گل باغ محمد باقر
آن که جان داده مخالف ز نهیبش چو جعل

بهرترویج بحق ناطق امام صادق
آن که دانای علوم است و توانای عمل

بهرترویج شه موسی کاظم که بود
جلوه طور به آرایش بزمش مشعل

بهرترویج رضا ضامن غربت زدگان
خضر را ناصیه بر خاک درش مستعمل

بهرترویج تقی وز پی ترویج نقی
هر دو در دفتر ایجاد دو فرد اکمل

بهرترویج حسن، عسکر دین را سالار
قبة بارگهش گنبد گردون بمثل

بعد ازین بهر طلوع مه اوج عرفان
مظهر عدل حقیقی و امام عادل

حضرت مهدی هادی که وجودش باشد
شان ماضی و گرانمایگی مستقبل

بهر ترویج شهیدان گرامی پایه
بادل و جان رسول عربی هم مقتل

سیما از پی ترویج علمدار حسین
آنکه در لشکر اسلام بود میراجل

بهر جمعیت آنانکه درین انجمن اند
بایقینی بری از ریب و مبراز خلل

در حق غالب بیچاره دعای که دگر
نکشد درد سرتاب و تب طول امل

شاد شادان به نجف بال کشاید که شود
گرد آن بادیه از بهر صداعش صندل

بر رود زین تن خاکی به فضای ارواح
فارغ از کشمکش سطوت مریخ و زحل

فاتحه

بهر ترویج جناب والی یوم الحساب
ضامن تعمیر شارستان دلهای خراب

جرم بخشای که گر جوشد بهار رحمتش
برقنائ خویشت لرزد، چون دل مجرم عذاب

رافتش اعدائے اورا، در شمار سال عمر
نعل وازون بندد از ناخن بر انگشت حساب

نوح عمری ماند طوفانی به بحر سطوتش
تا سروزانو به موجی باخت مانند حباب

سایه اش جز در حریم قدس نتوان یافتن
کز شکست رنگ امکان عصمتش دارد نقاب

نغمه چون خون در رگ ابریشم ساز افسرد
هیبت نهیش اگر ریزد نهیب احتساب

بارگاهش را خورشید است خشت آستان
شمع بزمش راست گلگیر از دولخت ماهتاب

هم چمن زار ازل را قدرتش رنگ آفرین
هم گلستان ابد را خوئی جان بخشش سحاب

بهر ترویج جنابی، کز نهیب عصمتش
سیقل آئینه بر نور نظر ریزد حجاب

آستانش بر نشان گاه جلالی کز ادب
حلقه بیرون در گردیده چشم آفتاب

در پناه عفتش حوران جنت را هنوز
پنبه وزن بود چشم سفید ماعتاب

بهر ترویج امام رهنمای انس و جان
عابد الله، و معبود و خلائق، بو تراب

دلدل برق آفرینش را رمی کاندرخيال
می جهد همچون نگاه از حلقه چشم رکاب

بسکه شد ویران شوخی خانه نظاره اش
عینک پیر فلک گردیده ماه و آفتاب

ذوالفقارش شاهی کا ندر تماشا گاہ قتل
می کشد در شوق او از موج الف بر سینه آب

مهربان پیری کہ بہر دیدن ماہ صیام
در کف مستان تیغی است از موج شراب

بیادہ خمخانہ او پرتو نور جمال
پنبہ مینای او چشم سفید ماہتاب

شہسوار قدرتی کز فرط تعظیم جلال
سرمہ در چشم رکابش می کشد گرد کتاب

در خیال صدمہ جاندادگان ضربتش
می جہد از دیدہ عیسیٰ چراغ آفتاب

بہر ترویج حسن فرمان دہ اقلیم دین
خسرو عرش آستان ، شاہنشہ جنت مآب

ناظم حسن آفرینی ، کز برائے خدمتش
از شفق بندد حنا ، بر شام دست آفتاب

جلوه ریز آید اگر لطفش بهنگام غضب
دو آتش می شود باران رحمت را سحاب

بشکند شان تغافل گربه دلداری ناز
لذت قند محبت جوشد از زهر عتاب

توسن قدرش که سطح عرش جولانگاه اوست
از خم زانوی جبریل امیں دارد رکاب

بهر ترویج شفیع یک جهان عاصی ، حسین
آنکه مینور است از گرد قدم گاهش سحاب

بادشاهی ، صابری ، دریا دلی ، تشنه لبی
کز غمش ، ز لعل خون بارست چشم آفتاب

شاه غیرت آفرینی کز پی تعلیم صبر
بخیه نقش قدم زد بر لب موج سراب

در گهش را مخمل خواب زلیخا فرش راه
خیمه هایش را نگاه ماه کنعانی طناب

عاشق الله و معشوق وفادار رسول
قبله عشق و پناه حسن و جان بو تراب

بهر ترویج امام ابن امام ابن امام
آدم آل عبا، شاهنشاه عالی جناب

آستانش عالی و منزل گه قدرش رفیع
بارگاهش عرش سامان و جنابش مستطاب

لاله را همرنگی چشم بخون آلوده اش
می زند بر فرق از داغ غلامی انتخاب

بهر ترویج محیط فیض، باقر، کر شرف
در هوای آستان بوسیش می بالد ثواب

بهر ترویج علی جعفر صادق که اوست
وارث علم رسول و خازن سر کتاب

تکیه جز بر قول او کردن، خطا باشد خطا
راه جز بر حاده اش رفتن، عذاب آمد عذاب

بهر ترویج شه کاظم که در هر عالم ست
چون قضا حکمش رو و چون قدر ایش صواب

بهر ترویج رضا، کز بهر تعمیر جهان
گشته معمار کرم را جاده راهش طناب

بهر ترویج تقی کاندلر تماشا گاه اوست
طاق ایوان آسمان مرآت روش آفتاب

بهر ترویج نقی، کز بهر تقریب نیاز
هدیه آور دست زر گس دان ببزمش ماهتاب

بهر ترویج حسن، پشت و پناه خافقین
شاه کیوان بارگاه و خسرو جنت مآب

بهر ترویج حسن آن آفرینش را پناه
کز ترفع آستانش عرش را باشد جواب

زین سپس بهر ظهور مهدی صاحب زمان
ظلمتستان شب کفر و حسد را آفتاب

قول و فعلش بے سخن، کرد و گفتار نبی
رسم و راهش بے تکلف رسم و راه بوترا ب

جنڈا، معمار گیتی کز پئے تعمیر دین
در کف از سر رشته شرع نبی دارد طناب

می کند از ہم جدا صراف حکم قدرتش
در سیاست گاہ نصفت مس ز سیم ماہتاب

تاب جوید خویش را ز آئینہ رخسار او
شاہد دین نبی از چہرہ بردارد تقاب

ابر لطفش ز آتش دوزخ ببالا ید بہشت
برق قہرش ابر رحمت را کند دود کباب

بعد ازین بہر شہید انیکہ خوش جان دادہ اند
در شہادت گاہ شاہ کربلا را در رکاب

سیما از بہر ترویج علمدار حسین
پیشوا یشکر شبیر و ابن بوترا ب

حضرت عباسؓ ، عالی رتبه کز ذوق حضور
زخم بر اجزائی تن پیمود و بر دل فتح یاب

حضرت عباسؓ عالی رتبه کز چوگان او
می رود مانند گوی بی سروپا آفتاب

بعد ازین تاثیر دل جوی دعای زمره ایست
کز قلق دارند ، در دل آتش و در چشم آب

بادشاهان ، مومنان جنت نصیبان ، عاشقان
بید لال ، یعنی عزاداران آل بو تراب

راقم بیچاره پز مرده دل ، یعنی اسد
کز فسرد نهای دل گردیده پایند خلاب

برزبان مهر خموشی و به دل جوش جنون
در هوس آباد نادانی اسیر پیچ و تاب

یا علیؑ ، دانی که رویم سوی تست از هر نورد
هر چه آغازم مخاطب دانمت در هر خطاب

موی آتش دیده را مانم که بهر خویشتن
حلقه دام فنا گردیده ام از پیچ و تاب

خافل از رفتار عمر و فارغ از تکمیل عشق
رفته از غفلت در آغوش و داع دل بنخواب

نقد آگامی ، بوهم فرصتی در باخته
دست خالی بر سر و دل در نور اضطراب

بسکه در صحرای وحشت عقل و دین در باخته
لذت قند محبت جوید از زهر عتاب

خود تومی دانی که گم گردیده دشت امید
تشنه ترمی گردوازی آبی موج سراب

دل ز کار افتاد و پا از رو دست از هم شکست
جاده نا پیدا و منزل دور و در رفتن شتاب

فاش نتوان گفت ، یعنی شاهد مقصود من
جز بخلوتگاه اسرار تو نکشاید نقاب

مدعا را بر زبان آوردن از بیگانگیست
جز نگاهت شاهد ما را کفن پادا نقاب

ذوق مطلب از تو و من از تو و مطلب ز تو
خود توئی بخشی و می فهمی زبان اضطراب

شعله شوق هوس دارم ز سودائے جنون
کاش افسرده را بخشد بهار التهاب

دین و دنیا را بلا گردان نازت کرده ام
جلوه رنگین تر از صد گلشن خلد انتخاب

حرمت جان محمد یک نظر کن سوی من
یا علی یا مرتضیٰ! یا ابوالحسن! یا بو تراب!

غالب ثنائی خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

غالب کی نعتیہ غزل کا اجمالی تجزیہ

غالب کے فارسی دیوان میں شامل یہ نو (9) شعر کی نعتیہ غزل پر بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود ابھی گفتگو کی گنجائش باقی ہے۔ یہ سچ ہے کہ دریا کے شیریں پانی کو پورے طور پر سینچا تو نہیں جاسکتا لیکن ہر صاحب فکر اپنی ہمت اور طاقت کی نشانی کے مطابق اس کو اپنے ظرف میں اتنا تو کھینچ سکتا ہے کہ اس کی پیاس بجھ سکے۔

غالب کا نعتیہ کلام اردو دیوان میں فارسی کلام کی نسبت کم رنگ ہے اور اس پر بے رنگ ہونے کا گمان ہوتا ہے جب کہ فارسی دیوان میں نعتیہ مضامین کے مختلف موضوعات پر رنگ برنگ نقش نظر آتے ہیں۔ شاید اسی لیے غالب نے کہا تھا :

فارسی بیس تابہ بینی نقش هائی رنگ رنگ

بگذرا از مجموعه اردو کہ بے رنگ من است

اردو کا مشہور نعتیہ شعر میں جو مقطع کا شعر ہے نعتیہ موضوعات رحمت، شفاعت، معراج، بخشش کے یقین کے ساتھ ساتھ شاعرانہ نعلی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند

واسطے جس شہر کے غالب گنبد بے در کھلا

غالب کے فارسی کلام میں نعتیہ اشعار کی تعداد زیادہ ہے جو نعتوں، معراج نامہ، رباعیات، قطعات، مفرد اشعار اور ایک نعتیہ غزل پر مشتمل ہے۔ ہم اس تحریر میں صرف نعتیہ غزل کو ہی محور بحث بنائیں گے۔ اس مضمون میں پہلے ہر شعر کا لفظی مفہوم اور معنوی ترجمہ ہوگا پھر ہر شعر کے ادبی محاسن کے علاوہ تخیل کی گہرائی اور گیرائی کے نادر نکات بیان کئے جائیں گے جو غالب کا خاص فن ہے۔ شعر، شاعر کی علییت، قوت تخیل اور قدرت، فن کا مظہر ہوتا ہے۔ غالب کی نعتوں سے ان کی قرآن اور احادیث سے آگاہی، اسلامی تاریخ اور اسلامی فلسفہ سے آشنائی اور فارسی شاعری پر مہارت ظاہر ہوتی ہے۔ غالب نے بھی دوسرے عمدہ نعت گو شعرا کی طرح نعت گوئی میں ”با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار“ کی روش اختیار کی۔ یہی نہیں بلکہ تخیل کی گہرائی میں دقیق بنی اور حرمت شعاری کے ساتھ عہد و معبودیت کے فرق کو مبہم نہیں کیا کیوں کہ عربی شیرازی کا شعر نہ صرف ان کی نظروں کے سامنے تھا بلکہ ان کی

فکری اہج کا نقیب بھی رہا :

عرفی مشتاب ایسی رہ نعت است نہ صحر است

آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

غالب کی یہ نو (۹) شعر کی غزل مردف ہے اور اس کی ردیف ”محمدؐ ست“ ہے۔ اگرچہ اس نورانی ردیف سے مصرعے میں غضب کا اُجالا پیدا ہو گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس اجالے میں عمدہ مضامین کو ٹٹولنا اس لئے ہر شاعر کے بس کی بات نہیں کہ اس روشنی سے عقل اور فکر کی آنکھیں مند ہو جاتی ہیں۔ اس غزل کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ اس میں دس قافیے ہیں اور کسی قافیے کی تکرار نہیں اگرچہ قافیہ پیمائی ذوق کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور غالب نے کبھی اس راستے کو نہیں اپنایا اور قافیے سے شعر نہیں بنایا بلکہ ان کے شعر میں قافیے نے خود اپنی جگہ بنا کی جو ان کے کمال فن کی دلیل ہے۔ اس غزل میں آٹھ بار اللہ تعالیٰ کے ناموں میں پانچ بار حق اور ایک ایک بار کردگار، یزداں اور ذات پاک استعمال ہوا جو مصرعوں اور مضمون کی رعایت سے رکھا گیا۔

شعر (۱) : حق جلوہ گر طرز بیان محمدؐ ست آرے کلام حق بزبان محمدؐ ست

(ترجمہ) : حق ظاہر ہوا حضرت محمدؐ مصطفیٰ کے انداز بیان سے ہاں حق کا کلام محمدؐ کی زبان سے جاری ہوا۔

(تشریح و محاسن) : خدا کی معرفت اور دین اسلام حضرت محمدؐ کی گفتگو ہی سے ظاہر ہوئے اور بے شک قرآن کریم اور احادیث قدسی کو ہم نے محمدؐ کی زبان ہی سے سنا۔ مصرعہ اول میں ترکیب ”طرز بیان“ غالب کا منفرد ”طرز بیان“ ہے اور یہی پورے شعر کی جان بھی ہے۔ مسلمانوں سے ہٹ کر قریش کے کفار اور مکہ و مدینہ کے مشرکین بھی اس بات کے قائل تھے کہ پیغمبر اکرمؐ سچے، امین اور صادق تھے۔ ان کی زبان سے کبھی غلط یا جھوٹا بیان ادا نہ ہوا۔ یہی محمدؐ کا طرز بیان تھا اور یہی محمدؐ کے لہجہ کا اثر بھی تھا کہ جو شخص بھی انھیں سنتا تھا وہ دل سے ان کی صداقت کا قائل ہو جاتا۔ اسی لئے قرآن کریم اور احادیث قدسی کو جب لوگوں نے آپؐ کی زبان مبارک سے سنا تو بلا کسی تامل اور شک کے فوراً قبول کیا اور ان کو من و عن محفوظ کیا۔ مختصر الفاظ میں اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کو، دین خدا کو اور کلام خدا کو محمدؐ کے ذریعہ سے پہچانا۔ غالب نے اس شعر میں سورہ النجم کی آیت تین اور چار سے استفادہ کیا کہ ”اور نہ اپنی خواہش سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ تو حکم خدا کہتے ہیں جو بھیجا جاتا ہے“۔ اس شعر میں صنعت مراعات العظیر کی دو مثالیں ہیں یعنی بیان، زبان، اور کلام کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے جو ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ حق، کلام حق اور محمدؐ کو بھی ایک ہی جگہ نظم کیا گیا ہے۔ اس شعر میں صنعت تلمیح ہے جس میں حق سے مراد

ہو الحق، حق تعالیٰ اور کلام حق سے مراد قرآن مجید ہے۔ پورا شعر صنعتِ تعلیق میں ہے۔

صنعتِ کج متوازی میں دونوں قافیے ”بیان اور زبان“ ہیں جو ہم وزن ہم عدد اور حروف ردی میں برابر

ہیں:

شعر (۲): آئینہ دار پرتو مہرست ماہتاب شان حق آشکار شان محمدؐ ست

(ترجمہ): جس طرح چاند سورج کی روشنی کا مظہر (آئینہ دار) ہے اسی طرح خدا کی شان بھی محمدؐ کی شان سے ظاہر ہوتی ہے۔

(تشریح و محاسن): جیسا ہم سب جانتے ہیں چاند کا اجالا سورج کی روشنی کی بدولت ہے یعنی رات کے وقت ہم جو روشن چاند کو دیکھتے ہیں اس کی روشنی چھپے ہوئے سورج کی بدولت ہے جسے ہم نہیں دیکھ پاتے۔ چاند، سورج کی روشنی کا آئینہ ہے اسی طرح سے حضرت محمدؐ مصطفیٰ خدا کی شان و شوکت کے مظہر ہیں۔ ہم نے محمدؐ مصطفیٰ کی شان اور عظمت میں اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت کی جھلک دیکھی ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر یہ محمدؐ مصطفیٰ کی شان اور منزلت ہے جس کی وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت کو محسوس کر سکے۔ اس شعر کی ادبی خوبی یہ ہے کہ اس میں خوب صورت تشبیہ کی بنیاد پر پورا شعر تعمیر کیا گیا ہے۔ ذاتِ اقدس کو سورج جس کی روشنی اور گرمی ذاتی ہے اور ذاتِ ختمی مرتبت کو چاند جس کی روشنی اکتسابی ہے پیش کیا گیا ہے۔ اس شعر میں غالب نے کم از کم تین قرآنی آیات جو آنحضرتؐ کی شان میں نازل ہوئے ہیں اس کی روشنی کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں روشنی نور اور رسالت آپ سے منسوب ہیں۔ سورہ الاحزاب آیت 45 اور 46 جس کا ترجمہ ہے۔ اے نبیؐ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا آپ خدا کے حکم سے خدا کی طرف بلانے والے چمکتے چراغ ہو۔ سورہ المائدہ کی چند رھویں (15) آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آئی۔ سورہ النسا کی آیت (174) میں ارشاد ہوتا ہے۔ اے لوگو بے شک اللہ کی جانب سے تمہاری طرف روشن دلیل اور روشن نور آیا۔ صنعتِ مراعاتِ النظیر میں مہر (سورج) ماہتاب (چودھویں کا چاند) پرتوی (عکس) آئینہ شامل ہیں۔ صنعتِ لف و نشر مرتب بھی اس شعر میں موجود ہیں۔ مہر اور ماہتاب اول اور اسی ترتیب سے ہیں جس طرح سے حق تعالیٰ اور محمدؐ مصرعہ ثانی نہیں۔ صنعتِ تکرار میں شان کی تکرار نے شعر کی غنائیت، روانی، شگفتگی کے علاوہ اس کے معیار کو بلند کر دیا ہے۔ یہ شعر بھی صنعتِ تعلیق میں ہے جس میں پہلے مصرعے کی محکم دلیل نے دوسرے مصرعے کو معتبر بنا دیا یعنی حضرت محمدؐ مصطفیٰ کی شان بھی بلند اور ارفع اس لیے رہی کہ اللہ جل شانہ ہے۔ یہ شعر بھی نعتیہ مضمون کا عالی شعر ہے

جو بہت سادہ ہوتے ہوئے بھی عمیق مطالب کا ترجمان ہے۔

شعر (۳) : تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست اما کشاد آں ز کمان محمد ست

(ترجمہ) : تقدیر کا تیر بے شک حق تعالیٰ کے ترکش میں ہے لیکن وہ محمدؐ کی کمان ہی سے چھوٹتا ہے۔

(تشریح و محاسن) : بے شک کا سب تقدیر حق تعالیٰ ہی ہے لیکن تقدیر پر عمل حضرت محمدؐ کے وسیلے سے ہوتا ہے۔ یعنی بگڑی ہوئی تقدیریں حضورؐ کے دست مبارک ہی سے بن جاتی ہیں۔ یعنی حضورؐ کی رضا مندی کی رضا مندی ہے۔ اس شعر میں بھی غالب نے دو قرآنی آیات کے مطالب نظم کئے ہیں۔ ”جو لوگ آپؐ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔“ (سورہ الفتح، آیت: 10) ”جو خاک آپؐ نے پھینکی وہ آپؐ نے نہ پھینکی وہ اللہ نے پھینکی“ (سورہ الانفال، آیت: 17) یہ شعر مطلب اور بیان کے لحاظ سے عمدہ ترین شعر ہے اور یہ سہل ممتنع میں شمار ہو سکتا ہے۔ تیر قضا، ترکش حق اور کمان محمدؐ اور نادر ترکیبیں ہیں۔ یہ شعر بلاغت کے لحاظ سے کم ترین الفاظ میں کثیر معنی کا نقیب ہے چنانچہ اس طرز بیان سے غالب کے مصرعہ کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ ”کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور“

شعر (۴) : دانی اگر بہ معنی لولاک واری خود ہر چہ حق ست ازاں محمد ست

(ترجمہ) : اگر تو لولاک کے معنی سمجھ لے تو تجھے معلوم ہوگا جو کچھ خدا کا ہے وہ سب محمدؐ ہی کا ہے

(تشریح و محاسن) : اگر تو حدیث قدسی ”لولاک لما خلقت الافلاک“ کے معنی جان لے (اے محمدؐ اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا) یعنی یہ کائنات کے باعث محمدؐ ہیں۔ پھر تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب محمدؐ ہی کے طفیل سے ہے۔ مصرعہ اول میں صنعت تلمیح اور تضمین ہے۔ لولاک سے مراد حدیث قدسی لولاک ہے اس میں صنعت تعلیق ہے یعنی حضورؐ کے صدقے میں کائنات بنی ہے تو یقیناً جو کچھ کائنات میں ہے وہ سب محمدؐ کی وجہ سے ہے۔ یہ شعر بھی نعت کے کلیدی موضوعاتی مضامین میں شامل ہے۔

شعر (۵) : ہر کس قسم بہ آنچہ عزیز ست می خورد سو گندِ گردگار بجان محمد ست

(ترجمہ) : ہر کوئی اس کی قسم کھاتا ہے جو اسے پیارا ہوتا ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کی جان کی قسم کھائی ہے۔

(تشریح و محاسن) : غالب نے ایک عقلی اور منطقی معروضہ اور تجربہ پیش کیا ہے کہ ہر شخص اپنی بات معتبر ثابت کرنے کے لئے اپنی پسندیدہ چیز کی قسم کھاتا ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے زیادہ محبوب بندے محمدؐ

کی جان کی قسم کھائی ہے۔ غالب کے اس شعر کا مرکزی نقطہ محبت اور حُب ہے جو نعت کے موضوعات کا بھی مرکزی نکتہ ہے۔ یہاں غالب سورہ الحجر کی آیت (72) کی طرف اشارہ کر رہے ہیں (ترجمہ) آپ کی جان کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشے میں بہک رہے ہیں۔ اس شعر میں محاورہ ”قسم می خورد“ کے استعمال نے شعریت میں اضافہ کیا ہے یہ شعر صنعتِ تفسیم میں بھی ہے۔

شعر (۶): واعظِ حدیثِ سایہ طوبیٰ فروگذار کاین سخن ز سرورِ دان محمدؐ ست
(ترجمہ): اسے واعظِ طوبیٰ کے سایہ کی بات چھوڑ دے کیوں کہ اب یہاں حضرت محمدؐ کے سرورِ دان کا ذکر ہو رہا ہے۔

(تشریح و محاسن): طوبیٰ جنت کا وہ بلند درخت ہے جس کے سایہ میں جنتی رہیں گے۔ غالب نے اس مضمون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ اے واعظِ یہ طوبیٰ کی لہن ترائی کو چھوڑ دے اب ہمیں طوبیٰ کے سایہ کی ضرورت اس لئے نہیں کہ اب ہمارے درمیان سر محمدؐ مصطفیٰؐ بلند قامت موجود ہے جس کا سایہ رحمتِ طوبیٰ سے زیادہ آرام بخش ہے اب ہم رحمتِ للعالمین کے سائے میں رہیں گے۔ یہاں یہ بھی ایہام ہے کہ حضورؐ کی ذات اقدس اور بلند مرتبت شخصیت کا سایہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ہے۔ غالب نے اس شعر میں صنعتِ تلمیح یعنی سایہ طوبیٰ سے شعر میں رنگ بھرا ہے اس میں صنعتِ تقابل اور صنعتِ استتباع بھی موجود ہیں۔ طوبیٰ چونکہ بلند ترین بہشتی درخت ہے اس کی نسبت سرِ قد حضورؐ سے دی گئی ہے جس میں صنعتِ رجوع ہے۔ ان صنعتوں کے علاوہ اس میں صنعتِ مبالغہ کا مزہ بھی موجود ہے۔ اگرچہ غالب صنعتِ گر نہیں لیکن لاشعوری طور پر یہ صنعتیں ان کے کلام میں اس قدر زیادہ تعداد میں نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے غالب کی زبان پر مہارت اور ضائع اور بدائع سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔

شعر (۷): بگر دو ہمہ گشتن ماہِ تمام را کاں ہمہ جنبشی ز بنانِ محمدؐ ست
(ترجمہ): تو ذرا بدرِ کامل کو دو ٹکڑے ہو ادیکھ جو حضورؐ کی انگلیوں کے اک معمولی اشارے کا نتیجہ ہے۔

(تشریح و محاسن): غالب نے معجزہ شق القمر کو بیان کرنے میں صنایع سے کام لیا ہے یعنی یہاں قدرتِ مصطفیٰؐ کا دکھانا مقصود ہے جن کی انگلی کی معمولی حرکت سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تھے۔ غالب ایک عظیم شاعر ہے اور ان کا فن ہر لفظ کی مصرعہ میں نشست سے ظاہر ہے۔ مشہور ہے کہ بڑا شاعر ہر چھوٹے لفظ کو بھی بڑے اہتمام سے ایسے مخصوص مقام پر جڑ دیتا ہے جیسے جو ہری نگینہ کو۔ اس شعر میں چاند کی نسبت سے لفظ ”بگر“ (دیکھ) رکھا گیا ہے اس کے علاوہ اس شعر میں نادر اور اچھوتا قافیہ ”بنان“ بھی عظمتِ فن کی دلیل ہے۔ یہ شعر صنعتِ تلمیح میں ہے جہاں

معجزہ شق القمر کا ذکر ہے۔ صنعت اشتقاق میں دو نیمہ اور نیمہ جتنی شامل ہیں۔

شعر (۸) : درخود نقش مہر نبوت سخن رود آں نیز نامور ز نشان محمدست
(ترجمہ) : اگر مہر نبوت (جو حضور کی پشت پر پیدائشی نشان تھا) کی بات ہو تو یہ جاننا چاہیے کہ وہ حضور کی نسبت سے ارفع اور معتبر ہوئی۔

(تشریح و محاسن) : مہر نبوت کا اعتبار اور اس کی وقعت حضور کے جسم اقدس کی نسبت سے ہی ہے۔ یہ شعر صنعت تلمیح میں ہے۔ اس شعر کی اصل خوب صورتی صنعت ایہام ہے یہاں مہر کے معنی وہ دفتری مہر بھی لی جاسکتی ہے جو منصب دار یا عہدہ دار استعمال کرتے ہیں چنانچہ منصب کی مہر یا نبوت کو حضور کی ذات سے زینت ملی نہ کہ نبوت سے حضور کو۔ یعنی انبیاءوں میں حضور سا عظیم المرتبت نبی پیدا نہ ہوا۔ اس شعر میں نقش، نشان، مہر، صنعت مراعات النظر میں ہے۔

شعر (۹) : غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدست
(ترجمہ) : غالب نے حضرت محمد مصطفیٰ کی شاکو حق تعالیٰ پر چھوڑ دیا اس لئے کہ وہ صرف محمد کے مقام اور مرتبہ سے واقف ہے۔ یہ غالب کے معروف مقطعوں میں شمار ہوتا ہے اس شعر میں شاعر کے عجز و انکسار کے ساتھ حضور کی بلند قامت کا ذکر بھی ہے جس کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ قول جاتی :

لا یکن الشا کما کان بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
(بعض لوگوں نے غلطی سے اس شعر کو مولوی عبدالعزیز محدث دہلوی کا شعر لکھا ہے یہ شعر ان کی بیاض کے منتخب اشعار میں شامل ہے لیکن ان کا نہیں)۔ غالب کے مقطع کی طرح عجز و انکساری کے مضمون کو اردو اور فارسی کے شعرا نے نت نئے طریقوں سے باندھا ہے۔ جیسا کہ فخر الدین گرجانی نے لکھا کہ میں اس لئے کہہ سکا کہ اس میں میری مدد حق تعالیٰ نے کی۔

کنون گویم ثنا ہائے پیہر کہ مارا سوے یزدان ست رہبر
یا نظیری کہتا ہے :

نعت مصطفیٰ نامیت نامم کزیں معنی بہ یزداں ہم کلام

عالب کے اس مضمون کو تین سو سال قبل سعد اللہ پانی پتی نے یوں باندھا :

خدا نعت محمدؐ داند و بس نیاید کارِ یزداں از دگر کس
اخیر میں ہم یہ کہتے ہیں کہ عالب کی نعت کی ایک انفرادی کیفیت یہ بھی ہے کہ اس کے تمام تراشعار نعت کے کلیدی موضوعات اور مرکزی اہمیت کے مضامین رکھتے ہیں۔ یہاں ثانوی مضامین یعنی سراپا، فراقی مدینہ، مطالب دینوی کا ذکر نہیں۔ تمام تر نعتیہ غزل میں حضورؐ کی تجلیل اور تعریف کر کے بڑے ہی خوب صورت انداز میں اس وظیفہ عشق کو حق تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ حضورؐ کی مدح اور ثنا تو صرف وہی کر سکتا ہے جو ان کے مرتبہ اور مقام سے آگاہ ہے۔

خواجہ ہمام تبریزی نے سچ کہا ہے :

ہزار بار بشویم دھن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو بردن کمالِ پی ادبی ست

☆.....☆.....☆

jabir.abbas@yahoo.com

غالب کا معراج نامہ

زمانہ کی کھلی ستم ظریفی نہیں تو اسے کیا کہیں؟ غالب کے شاہکار معراج نامہ سے لوگ ناواقف ہیں۔ یہ معراج نامہ مثنوی ”ابو گہر بار“ کا جزو لازم ہے جو فارسی میں ہے اور اس میں (281) اشعار ہیں۔ اس معراج نامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نو آسمانوں یعنی فلک اول قمر سے فلک نہم عرش الہی تک تفصیلی گفتگو ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ غالب نے اس فلکی سیر میں برجوں کو ان کے اثرات کے ساتھ نظم بھی کیا ہے اور خود بھی دبیر فلک کی شکل میں اس معراج کے سفر کا نظم نگار بھی ہے۔ برصغیر میں شاید یہ پہلی اس نوعیت کی مثنوی ہو جس میں افلاک کی مفصل سیر اور بارہ برجوں کے اثرات کو حضورؐ کی معراج میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہو۔ علامہ اقبال کا جاوید نامہ تقریباً غالب کے اس معراج نامہ کے سو سال بعد 1932ء میں تصنیف ہوا۔

جاوید نامہ کے شارح یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں علامہ اقبال اس بات سے آگاہ تھے کہ اکثر شائقین کو جاوید نامہ کے سمجھنے میں دشواری ہوگی اس لئے انھوں نے خود اس کتاب کا تعارف چودھری محمد حسین کے نام سے اکتوبر 1932ء میں شائع کروایا۔ جاوید نامہ تین سال میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ جاوید نامہ دراصل معراج نامہ ہے۔ اسرار و حقائق معراج محمدؐ پر ایک کتاب لکھنے کا خیال مدت سے علامہ کے دماغ میں تھا۔ وہ ”گلشن راز جدید“ کی طرح علوم حاضرہ کی روشنی میں معراج کی شرح لکھ کر ایک قسم کا معراج نامہ جدید لکھنے کا خیال رکھتے تھے لیکن اسی اثنا میں اطالیہ کے مشہور فلسفی شاعر ڈانٹے کی ”ڈیوائن کامیڈی“ پر چند تنقیدیں یورپ میں شائع ہوئیں جن میں اس حقیقت کو ثابت کیا گیا تھا کہ ڈانٹے کی تصنیف کا تمام پلاٹ بلکہ اس کے بیشتر تفصیلی مناظر ان واقعات پر مبنی ہیں جو اسلام میں معراج محمدیؐ کے متعلق بعض احادیث و روایات میں مذکور ہوئے۔ پس اس گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ علامہ جدید طرز کا معراج نامہ لکھنا چاہتے تھے لیکن گونا گوں وجوہات کی بنا اس کا نام جاوید نامہ رکھا۔ اقبالیات کے علماء نے جاوید نامہ کے پلاٹ جس میں افلاک اور سیاروں کی سیر و سیاحت ہے اُس پر تین کتابوں اور ان کے مطالب کی چھاپ بتائی ہے۔ ایک ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی دوسرے بابائے تصوف محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ اور تیسرے نابینا شاعر ابوالعلا معریؒ کا رسالہ ”الغفران“ جس میں معراج کا ادبی پہلو نمایاں ہے۔ کسی بھی شارح یا مفسر نے غالب کے معراج نامہ کا ذکر تک نہیں کیا جب کہ غالب کا معراج نامہ شاید برصغیر کا پہلا معراج نامہ ہے جس میں ہر فلک، اس کے سیارے اور اس کے حدود میں موجود برجوں کا جس تفصیل اور انوکھے

انداز میں غالب نے ذکر کیا ہے مفقود ہے۔ اگرچہ فارسی تصوف کی شاعری میں معراج کے عناوین اور سیر افلاک پر اشعار ملتے ہیں اور تصوفی فکر کے شعرا کا یہ خاص اور دلچسپ میدان تھا جس میں وہ سمند تخیل کو دوڑاتے تھے۔ چنانچہ نظامی کے خمسہ، مولوی کی مثنوی معنوی، شبستری کی راز گلشن جدید میں یہ مضامین حسب فکر و ہمت رقم ہوئے ہیں لیکن جس طرز سے غالب نے اس کو نبھایا ہے اس کی مثال کہیں نہیں۔ تعجب کا مقام یہ ہے کہ جب خود علامہ نے اس کا تعارف لکھوایا اور اشارات میں ڈانٹے، ابن عربی اور ابوالعلا کی صراحوں سے لی گئی مئے مست کا ذکر کیا تو غالب کو کیوں بھلا دیا۔ جاوید نامہ کے اشعار کی ساخت اور بافت دیکھنے کے بعد یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ علامہ نے مثنوی ابرگھر بار جو جاوید نامہ سے سو سال قبل تصنیف ہو چکی تھی اس کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ خیر یہ ایک طولانی بحث ہے جس کو ہم دلیلوں ورمشادات ادب کے ساتھ کسی اور مقام پر پیش کریں گے۔ اگر ڈیواین کامیڈی میں جس کا خود ڈانٹے نے نام ”کومیڈیا“ یا ”طربیہ“ رکھا تھا۔ اس آسمانی سفر میں ڈانٹے کے ہمراہ چار ساتھی ہیں رہنما ہے اور یہ سات ستاروں کی سیر سے گزر کر بہشت و دوزخ اور اعراف کی فضاؤں کے نقشے کھینچتا ہے۔ ابی عربی اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ڈانٹے ہی کی طرح سات ستاروں کی سیر، دوزخ، بہشت اور اعراف سے گزرتا ہے لیکن چونکہ خود صوفی ہے اپنے خاص مکاشفات اور روحانی تصرفات اور وجدانی تجربات کی گفتگو کرتا ہے اس کے برخلاف اقبال اپنے مرشد رومی کے ساتھ صرف چھ افلاک کی سیر کر کے دوزخ اور بہشت کا گزر رکے بغیر آنسو سے فلک ہو کر عرش الہی پر تنہا چلا جاتا ہے۔ غالب کی معراج نامہ کی مثنوی میں غالب فلک عطار دسے دیر بن کر ان مشاہدات کو منظوم رقم کرتا ہے چنانچہ یوسف سلیم چشتی صاحب کا یہ کہنا زیر بحث لایا جاسکتا ہے کہ وہ اس موضوع پر جاوید نامہ کو ادبی دنیا میں دوسری اور فارسی میں پہلی کتاب قرار دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جاوید نامہ ایک عظیم تمثیلی طولانی نظم ہے یہ ایک ایسا عطر ہے جو کئی پھولوں سے حاصل کیا گیا ہے اس میں تخیل کی بلندی اور اسرار کائنات کے رموز ہیں لیکن ان تمام مطالب کو سامنے رکھتے ہوئے بھی غالب کی مثنوی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں اس بات کی یاد آوری لازم ہے کہ ڈانٹے کی ڈیواین کامیڈی فتوحات مکیہ کے چھ سو سال بعد اور علامہ اقبال کا جاوید نامہ غالب کے معراج نامے کے کوئی سو سال بعد تصنیف ہوا۔

ان مسائل کو نامکمل چھوڑ کر اب ہم اصل مطلب پر توجہ کرتے ہیں۔ فارسی اور اردو ادب میں اگر معراج ناموں کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے موضوع کا تسلسل مطالب کا ہجوم اور ہر گونہ واقعات، مناظر اور مکالمات کو نظم کرنے میں سہولت کی خاطر عموماً دوسری ہئیت پر مثنوی کو ترجیح دی گئی ہے۔ ہم نے مثنویات دیر میں

دبیر کے معراج نامہ جس میں کل (684) اشعار ہیں تفصیلی تحقیقی گفتگو کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ مثنوی 1837ء سے قبل کی تصنیف ہے یعنی دبیر کا معراج نامہ بھی تقریباً اُسی وقت کی تخلیق ہے جب غالب مثنوی اب گہر بار میں معراج نامہ لکھ رہے تھے اور دبیر کے معراج نامہ کے ساتھ بھی دنیا نے انصاف نہ کیا چنانچہ اس کے شعری محاسن، نادر مضامین اور قادر الکلامی کے بارے میں دنیائے ادب خاموش ہے۔ اُردو ذخائر میں ہمیں میرٹھمیر کی مثنوی ”ریحان معراج“ نظر آتی ہے جس کی دبیر کے کلام پر گہری چھاپ ہے۔

مناسب یہ ہے کہ ہم پہلے چیدہ چیدہ معراج نامہ کے اُردو ترجمہ کا اقتباس پیش کریں تاکہ پڑھنے والے کو کسی حد تک اس کے مطالب و معانی کا پتہ چل سکے پھر ہم اس کے معنی آفرینی، دقیق اور گہرے اشارات اور ادبی محاسن کو اپنی گفتگو کا مرکز بنائیں۔

معراج نامہ یوں شروع ہوتا ہے۔

ہم اندر اندیشہ روزگار

شبّی بود سر جوش لیل و نہار

شب معراج کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔ زمانے کے خیال میں وہ رات ایسی ہے جو راتوں اور دنوں کا اصل جوہر ہے۔ اور پھر مسلسل ہیں (20) پچیس (25) اشعار میں رات کی تازگی، رات کی رونق، رات کی روشنی کا انوکھے انداز میں بیان ہے۔ اشعار تشبیہات اور استعارات میں اپنی معجز بیانی دکھا رہے ہیں۔ الغرض غالب نے شب معراج کے رخ کو نہ صرف روزِ روشن سے روشن تر کر دیا بلکہ

در آن روز فرخندہ آن شب نخست

ہمہ روز خود را بخورشید شست

اس مبارک دن کو رات نے پہلے تو سورج کے نور سے دن بھر خود کو خوب دھویا اور نور سے ڈڑے ڈڑے میں خورشید کی چمک بھر گئی۔

سحر با خود از خود بریدہ امید

کہ چوں پیش این شب توں شد سپید

اب صبح کو اپنے وجود کی امید نہ رہی کیونکہ کس طرح سے وہ اس روشن رات کے سامنے سفید ہو سکے گی۔

کہ گوئی مگر مہر زبیر میں فروزان فوہ بود و پشت نگین

گویا زمین کے نیچے سورج نہیں تھا بلکہ ایک روشن ڈانک تھا جو نگینہ دمکانے کے لئے نیچے لگایا جاتا ہے۔
پھر چند اشعار رقم کر کے غالب اس بات کا افسوس کرتے ہیں کہ معراج کی اس روشن رات میں ان کا وجود
نہ تھا اگر وہ زندہ ہوتے تو اس رات کی روشنی سے اپنی دانائی اور نیش کو روشن کر لیتے۔

دریغاً نبودم اگر بودم وزان روشنی بینش افزودم

شاعری کا زیور مبالغہ ہے جسے شاعر اپنا ادعا ثابت کرنے کے لئے یوں بیان کرتا ہے کہ اس پر سچ کا گمان
ہونے لگتا ہے۔ غالب کہتا ہے فرض کرو اگر اُس روشن رات میں سورج گمرہ کی وجہ سے سفر پر نکل پڑتا ایسا معلوم
ہوتا کہ کوئی حسینہ اپنے چہرے پر مشک کا تل لگا لے۔ (یعنی سورج اُس روشن رات میں کالا نظر آتا)
ع۔ کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور۔ یہاں غالب اب تاریک رات کو روشن کر کے تشبیہات کا مقدر
بناتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

از آن روز تشبیہ عارض بہ شب اگر رسم گشتے بنودے عجب در آن شب ز بس بود درخشان سرشت فروخونده مردم خط سرنوشت نگہ را بہ ہنگامہ بے سعی و رنج نمایاں ز دل راز و از خاک گنج

اسی دن سے اگر رسم پڑ جاتی کہ روشن رخساروں کو رات سے تشبیہ دی جایا کرے تو کچھ تعجب نہیں اس رات
تقدیر کی عبارت اتنی صاف اور چمک رہی تھی کہ لوگوں نے اپنے مستقبل کے حالات پڑھ لیے بس بغیر کسی دشواری
کے دل کے راز اور زمین تلے کے خزانے آنکھوں پر روشن ہو گئے۔
یہ ہے غالب کا کمال صنعت مبالغہ کا جادو کہ کچھ دیر کے لئے پڑھنے والا اسے سچ سمجھنے لگتا ہے ابھی وہ اس

twilight zone یا کیفِ مجہول میں مسرور ہی رہتا ہے کہ غالب فوراً گریز کر کے نور کو نورانی رات سے متور کر دیتے ہیں۔

**کہ ناگہا درود سروشاں سروش
در آں بیکراں قلزم افگند جوش**

اتنے میں فرشتوں کا فرشتہ (جبریل) وارد ہوا اور اس کی آمد سے نور کا بے کراں سمندر اُبل پڑا اور پھر جبریل کی تعریف کہ وہ خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا اور بان ہے جس کی بدولت روح اور عقل کا کام چلتا ہے جو موزون حق سے واقف ہے وہ پیغمبر اکرم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

**خداوند گیتی خریدار تست
شبست ایس ولی روز بازار تست**

زمین اور آسمان کا مالک آپ کا طلبگار ہے اگرچہ کہنے کو یہ رات کا وقت ہے لیکن آپ کے لئے یہی روز بازار ہے۔ ناز برداری کے لئے آپ کو زحمت نہ ہوگی آپ کے لئے موسیٰ کی طرح کے کلام کی تکرار نہیں ہوگی۔ آپ کی تو وہ ہستی ہے کہ موسیٰ نے جو خدا سے تقاضا کیا تھا۔ اے خدا مجھ کو اپنا جلوہ دکھا دے وہی تقاضا خداوند یکتا آپ سے کر رہا ہے۔

**توئی کانچہ موسیٰ بتو گفتمہ است
خداوند یکتا بتو گفتمہ است**

غالب ہر فرصت کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے بات میں بات نکالنا اور کلام میں معانی کا تلاطم پیدا کرنا ان کے فن کا گڑ ہے ایک ہی مصرعہ میں۔ ع۔ ”بیاراے شمشاد بے سایہ را“
اپنے شمشاد جیسے سیدھے قد سے جس کا سایہ نہیں پڑتا اٹھئے اور۔ ع۔ ”بہ پیائے اورنگ نہ پائے را“
نودر جے کے تخت یعنی آسمان کو طے کر ڈالئے۔ اور پھر

ع۔ ”ہما سایہ رخشی بہ پوشیش کشید“۔ ہما جیسے مہارک سایہ رکھنے والے گھوڑے کو اُن کے سامنے پیش کر دیا جس نے جنت کی خوشبودار گھاس کھائی تھی۔ ع۔ ”زیر یحان مینو خورش یافتہ“ اور پھر تشبیہ سادہ سے مشکل ترین مسئلہ رفتار کو واضح کرتے ہیں کہ اوپر سے نیچے ایک دم اترا جس طرح گنبد سے گیند نیچے گرے۔ یہاں کئی اشعار میں جنت کے گھوڑے یا براق کی رفتار، شکل و صورت کو اچھی طرح نظم کیا ہے۔ ہم بیان سے لطف اندوز ہونے کے لئے دو تین

اشعار پیش کرتے ہیں۔

شتابش برفتارِ زان حد گزشت
کہ تا گوے آید ز آمد گزشت
بہ ہم چشمے ہور ساغر سمے
بہ ہم دوشی حور گیسو دمے
ز ساق و شمش گربہ بزم مدام
کنی ساز تشبیہ مینا و جام

اس سواری کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ جتنی دیر میں زبان سے لفظ ”آتا ہے“ کہو وہ آیا اور آگے نکل گیا۔ اس کے ساغر جیسے سم سورج سے آنکھ ملاتے ہیں اور گیسو جیسی دم حور کا مقابلہ کرتی ہے۔ یہ ایسا گھوڑا تھا کہ اگر محفل شراب میں ہو تو اس کی پنڈلی کو بوتل اور سُم کو جام کا نام دیا جائے۔ پھر کچھ شعر لکھ کر اس مضمون کو یوں بند کرتے ہیں۔

مثل زد بریں ماجرا بلبلے
کہ باد آمد و برد بوئے گلے

بس اس واقعہ پر بلبل نے یوں مثال دی کہ ہوا کا جھونکا آیا اور پھول کی خوشبو اڑا لے گیا۔ جب گھوڑا چلتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قینچی کے دو پلڑے اس کی دو ٹانگیں ہیں اس سے غالب نے نیا مضمون اٹھایا کہ

خرامی ز مقراض ”لا“ تیز تر
جمالے ”زالا“ دلاویز تر

اس کا چلنا نفی (لا الہ) قینچی سے زیادہ تیز کترنے والا اور اس کا جمال اثبات (الالہ) سے زیادہ دلاویز۔ جیسا کہ ہم اوپر مرزا دبیر کے معروف معراج نامہ کا تذکرہ کر چکے ہیں اگر یہاں کچھ اشعار جو مرزا دبیر نے براق پر تصنیف کئے ہیں جو نئے نئے مضامین اور صنعتوں کی دل کشی سے لبریز ہیں بیان کریں تو اردو ادب کی بالیدگی کا احساس بھی رہے گا اور مرزا دبیر اور غالب کی قادر الکلامی اور مماثلت کا پتہ بھی چلے گا۔

براق رسول خدا رکب برق سراپا جواہر کے دریا میں غرق
دہرا زین اُس پر عجب شان کا کہ نقشہ تھا رحل اور قرآن کا

وہ پر اُس کے مثل پر جبریل
 دو چشم براق رسالت مآب
 نہایت حسین اور نہایت جمیل
 ادھر آفتاب اور ادھر آفتاب
 برابر ضیا کے سبب دھوپ چھاؤں
 مچکتے تھے موتی عرق کے بدل
 لیکن تھے دو دیدہ مہر و ماہ
 رکھیں اپنی آنکھوں میں ان کے قدم
 کہ اسوار جب ہوں رسول ام

اس میں کوئی شک نہیں کہ دبیر مضامین کے موجد اور لفظوں کے شہنشاہ ہیں۔ غالب مضامین کو نئے ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں۔ دبیر الفاظ کو نئے رنگ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے دعویٰ کے ثبوت کو دبیر کے معراج نامہ کے یہ چند شعر کافی ہیں جو معراج نامہ میں چوتھے آسمان کی سیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس معراج نامہ میں دبیر نے بھی افلاک کی سیر کا خوبصورت ذکر کیا ہے۔ ان ذیل کے اشعار میں صنعت سازی اور اچھوتے مضامین اور باریک خیالی کی بارش چاروں طرف ہر مصرعہ میں چار کی تکرار سے ہونے لگتی ہے۔

کدھر کو ہے ساقی عیسیٰ مکاں
 مئے چار سالہ پلا ہوش مند
 کہ چرخ چہارم ہوا اب عیاں
 کہ ہو ربع مسکون سے رتبہ بلند
 کہ ہو چار عنصر کو قوت زیاد
 کہ جیسے خدا کی کتابیں ہیں چار
 کہ چاروں طرف مردے ہوں زندہ دم
 کہ چاروں طرف تھی پھر تو ندا
 سلام علیک اے حبیب خدا

اوپر کے اشعار میں مئے چار سالہ، ربع مسکون، چار عناصر، چاروں فلک، چار کتابیں، چار طرف، چار جانب، اور چرخ چہارم کا استعمال اگر قادر الکلامی نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ہے دبیریت جس پر تحقیقی اور تنقیدی کام نہ ہو سکا۔

اب یہاں سے غالب نے افلاک کی سیر شروع کی کہ تیزی سے بیت المقدس سے گزر کر چاند پر قدم ڈالا جو خوشی سے پھولا اور سورج کی روشنی کے بغیر ماہ کامل ہوگا۔

ع۔ چنن تاز بیت المقدس گزشت
عقدم تا بر اورنگ ماہش رسید
ع۔ کہ بے منت مہر گردید بدر

ماہ نورباریک ہوتا ہے اور خورشید کی روشنی سے بتدریج ماہ کامل بنتا ہے۔ خوشی سے پھولنا محاورہ ہے اور اسی محاورے اور نور کے ایہام سے معنی آفرینی کی ہے۔ فلک اول قمر سے فلک دوم عطارد جا کر اُسے روشنی عطا کی گئی۔ عطارد نے جو دبیر فلک کہلاتا ہے کوشش کی وہ زبان ملے جو شاہ کی مدح کر سکے اس فکر میں اس نے ایک قالب اختیار کیا اور غالب کی شکل میں ہو کر اُس نے پیغمبر کی مدح سرائی شروع کی۔

عطارد بہ آہنگ مدحت گری
زبان جست بھر زبان آوری
در اندیشہ پیوند غالب گرفت
بخود در شد و شکل غالب گرفت
بدل گرمی شوق جرات فزائے
شد از دست و گردید دستاں سرائے
یہاں یہ نکتہ جالب ہے کہ غالب نے عطارد کے دونوں معانی سے استفادہ کیا ہے چنانچہ یہاں غالب
چند شعر میں اپنے لئے بخشش کی طلب کرتے ہیں۔

دریں رہ ستایش نگار توام
بہ بخشائیش امید وار توام

معراج کے اس سفر میں آپ کی مدح میری زبان قلم پرواں ہے آپ ہی کی ذات سے بخشش کی امید ہے
جیسے ہی حضور کی سواری تیسرے آسمان پر پہنچی وہاں زہرہ موجود تھی اس نے راہ میں آنکھیں بچھائیں اور یہاں ساز
و شراب کے جو سامان تھے انھیں چھپانے میں پہلے بہت پریشان ہو گئی لیکن بعد میں شریعت کے حلقہ میں قید ہو گئی۔

ع۔ چو در حلقہ شرع شد چنبری

علامہ اقبال نے بھی جاوید نامہ میں فلک قمر، فلک عطارد کے بعد فلک زہرہ کی سیر بتائی ہے۔ فلک زہرہ
میں جب سواری آسمان چہارم پر پہنچتی ہے جہاں حضرت عیسیٰ اور دوسرے لوگ جن میں ایرانی پادشاہ وغیرہ موجود

تھے اور اس فلک چہارم پر سورج کی طرف سے نیاز مندی، بادشاہوں کی طرف سے سجدہ تعظیم عیسیٰ کی طرف سے
سلام اور خدا کی طرف سے درود پہنچے

ز نیر نیاز و ز شاہاں سجد

ز عیسیٰ سلام و ز زرداں درود

یہاں سے سواری فلک مشتری گئی۔ عجیب لطف کی بات یہ ہے کہ اقبال نے فلک مشتری میں ارواح جلیلہ
منصور حلاج، غالب اور قرۃ العین سے ملاقات کا نقشہ کھینچا ہے جب کہ خود غالب معراج نامہ میں پانچویں فلک کے
ذیل میں لکھتے ہیں۔

کہ جنگ جو شاہوں کا ایک گروہ صف لگائے کھڑا تھا جس طرح کعبہ کے گرد اگر احرام باندھے ہوئے لوگ۔ ان
میں میرے اسلاف بھی تھے پادشاہ شنگ تک۔

ع۔ نیاگان من تا جہانباں بشنگ

پھر سواری چھٹے فلک پر گئی یہاں حضور کو شیر و شکر کا شربت پیش کیا گیا۔ یہاں سیارہ زحل کی نحوست اور
سیاہ قلبی کی وجہ اس کی تنگ دلی اور دل میں دھواں کا جمع ہونا بتایا ہے۔

بدل تنگی از بس فرو خوردہ دود

شدہ شعلہ را روئے روشن کبود

اور اسی طرح حضور کی سواری آگے بڑھتے جاتی ہے ساتویں افلاک پہنچے رہ جاتے ہیں۔ یہاں پر غالب
نے برجوں کے درکھولے اور ہر برج کو اس کی خصوصیت سے نمایاں کیا جو دوسرے شعرا کے پاس مفقود ہے اس سے
غالب کی علم نجوم اور دیگر فلکی علوم سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے ہم طوالت مضمون کو پیش رکھتے ہوئے معراج نامہ کے
آخری حصہ پر پہنچتے ہیں جو معراج نامہ کا سب سے اصلی حصہ ہے۔

اسی رفتار سے یہ آٹھ آسمان طے کئے کہ آسمان اُن کے گرد سوبار گھوما یعنی صدقہ ہوا۔

بدان پویہ پیمود ایس ہشت چرخ

کہ صد بار گرد سرش گشت چرخ

نہم پایہ کاندرا توان خواند عرش

برہ ز اطلس خویش گسترد فرش

غالب نے زمین سے عرش کی بلندی اور دوری بتا کر یہ کہا ہے کہ عرش زمیں کے باشندوں سے دور نہیں
اُن کی فریاد سے لرزتا ہے۔ ع۔ دے لرزدا ز نالہ خاکیاں

اگر چیونٹی کی کمر بھی ٹوٹے تو دنیا میں کچھ نہیں ہوتا مگر عرش پر شور ہوتا ہے۔

صدائے شکست کمر گاہ مور

در اینجا ہیچ و دران پردہ شور

غالب یہاں فلسفہ توحید اور معرفت الہی کے آسمانوں میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ عرش وہ مقام ہے جس کو
از روئے عقل جگ نہیں کہہ سکتے۔

در آنجا کہ از روئے فرہنگ و رائے

بجا باشد از خود نگویند جائے

یہ وہ مقام ہے جہاں سمتوں کا تعین ہی نہیں۔ وقت اور جگہ کا وجود بے معنی ہو گیا

جہت را دم خود نمائی نمایند

زمان و مکان را روائی نمایند

عرش ایک ایسا فرش ہے جو روشن بالذات ہے۔ اس کی دیک میں کسی رنگ کی کثافت نہیں۔

بساطی ہم از خویشتن تابناک

ز آرایش کلفت رنگ پاک

بغیر سمت اور رخ کے حضرت آسمانوں اور زمین کے نور (وجود خداوندی) کی طرف متوجہ ہوئے۔

در آورد بی کلفت سمت و سوئے

بہ نور السموت والارض روئے

محل کا پہلا دروازہ لا (ما سوائے اللہ کی نفی) تھا۔ اس کی محراب کے صدر میں اِلا (اثبات ذات احد) تھا۔

نئی نفی غیر اللہ کے مرحلے سے گزر کر اِلا اللہ (توحید کے اثبات) پر پہنچے۔ پہنچنا یہاں جگہ میں نہ تھا (یعنی مقام کے

تصور سے جدا تھا)

نخستیں دراز ”لا“ کشود آن رواق

ز ”آلا“ بصدر اندرش پیش طاق

برآلا رسیدوز ”لا“ در گزشت

رسیدن ز پیوند جادر گزشت

احمد میں میم کا نشان بھی نہ رہا (وہ احد ہو گیا) کیونکہ وہ میم خارج از حقیقت تھا چوں کہ فطرت احمدی میں وفا بھری تھی میم کا یہ فاصلہ ان کی ہندگی کا اظہار بن گیا۔

نماند اندر احمد ز میمش اثر

کہ آن حلقہ بُود بیرون در

ہر قسم کی بخشش سے سرفراز ہوئے۔ حق کے سامنے حضوری کے مرتبے سے واصل بہ حق ہوئے۔

بہر گونہ بخشیش سرافراز گشت

ہم از حضرت حق بحق باز گشت

جتنی دیر میں نشان قدم سے قدم اٹھاتے ہی دیر میں وہ اپنے مسکن پر آ گئے۔ باہر جاتے وقت دروازے کی جنبش سے زنجیر کا حلقہ ہلاتا تھا وہ اسی طرح ہل رہا تھا

نرفتنہ بروں پائے از نقش پائے

کہ کردہ قدم بر قدم گاہ جائے

بجنبش درش حلقہ در همان

زوے گرم بالیس و بستر همان

صبح ہوتے ہی جب سجدے کا وقت آیا تو انھیں خدا کے ہم نام (علیؑ) کی طرف سے درود کی آواز آئی علیؑ ان کے دروازے میں خوش و خرم داخل ہوئے اور (خدا کے بعد) علیؑ سے ملنا ایک اور خوشی کا سبب ہو گیا۔ رات کو انھوں نے نور قدسی کا ساغر پایا اور صبح علیؑ کے دیدار کا جام ملا۔

سحر گہہ کہ وقت سجودش رسید

ز ہم نام یزداں درودش رسید

شب از بادہ قدس ساغر گرفت

صبوحی ز دیدار حیدر گرفت

دونوں ہم راز ایک دوسرے سے راز کی بات کرنے لگے اور بصیرت کی نشانیاں ایک دوسرے کو بتانے

لگے آنکھیں دو ہیں ہر ایک کی نظر جدا جدا ہے لیکن دونوں آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں وہ حقیقت ایک ہی ہے۔

دو ہمارا زبا ہمد گرازا گوئے

نشانہائے بینش بہم باز گوئے

دو چشمست و ہر چشم را بنیشیست

ولی آنچه بینند ہر دو یکسیست

اس معراج نامہ کا آخری شعر پر یہ مضمون تمام کرتے ہیں۔

نہ گنجہ دوئی در نبی و امام

علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام

ایک نبی ہے ایک امام ان کے درمیان کوئی دوئی نہیں ہے۔ نبی پر درود ہوا در علی پر سلام۔

☆.....☆.....☆

نعت

آن بلبلم که در چمنستان بشاخسار
بود آشیان من شکن طره بهار

آن ساقیم که از اثر رشحه کفم
خمیازه را بموج گلان پاشتی خمار

آن مطربم که ساز نوای خیال من
غیر از کمند جاذبه دل نداشت تار

آن کوکبم که در تب و تاب نورد شوق
اوج من از رسیدن می یافتی قرار

آن ریشه نگاه آمیدم که دمبدم
بود از نم طراوت دل شوقم آبیبار

هر غنچه از دمم بفضای شگفتگی
فیض نسیم و جلوه گلداشت پیشکار

هر جلوه راز من بتقاضای دلبری
از غنچه بود محمل نازی بره گزار

هم سینه از بلای جفا پیشه دلبران
فرهنگ کاردانی بیداد روزگار

هم دیده از ادای مغان شیوه شامدان
فهرست روزنامه اندوه انتظار

هم در زمانه بهر رواج نشاط خویش
هم در میانه از اثر عکس روی یار

پیمانہ را به نرخ چمن دادمی بها
آئینه را به موج شفق بستمی نگار

شوقم جریده رقم آرزوی بوس
ذوقم قلمرو هوس مژده کنار

فکرم بجیب شاهد اندیشه گلنشان
کلکم بطرف گلشن نظاره لاله کار

از چشم و دل نهاد مرا بود تاج و تخت
وز رنگ و بو بساط مرا بود پود و تار

بختم بجیب عشرتیاں مینشاند گل
سعیم زپایے محاسبان میکشید خار

وقت مرا روانی کوثر در آستین
بزم مرا طراوت فردوس در کنار

ساقی زباده بر اثر نغمه عذر خواه
مطرب ز نغمه هوس باده حق گزار

از پرده های ساز نفسها اثر فشان
از جلوه های ناز نظرها کرشمه بار

همواره ذوق مستی و لهو و سرور و سور
پیوسته شعر و شاهد و شمع و می قمار

با کیسه در خصومت و با کاسه در لجاج
رندان پاکباز و شگرفان شاد خوار

بدمستی شبینه و خواب سحر گهی
رنگینی سفینه و اشعار آبدار

اکنون منم که رنگ برویم نمی رسد
تارخ بخون دیده بشویم هزار بار

صدره ز داوری بگرو باز برده ام
افتادگی ز خاک و پریشانی از غبار

نقشم بنامه نیست بجز سرنوشت داغ
تارم بجامه نیست بغیر از تن نزار

نم در جگر نمانده ز تر دستئ مژده
دل را به پیچ و تاب نفس میدهم فشار

چشمم کشوده اند بکردار های من
زاینده نا امیدم و از رفته شرمسار

پایم به گل ز حسرت گشت کنار جوی
خارم بدل زیاد هم آهنگی هزار

هم درد من فتاده در آشوب گاه بیم
شمع سحرگه و قدح دست رعشه دار

خو کردم بوحشت شبهای بیکسی
برد از ضمیر دهشت تاریکی مزار

در پیکرم ز درد و دریغست جان و دل
در بستم ز خاره و خارست بود و تار

هم تن ز ضعف وقف شکنهای بیحساب
هم دل ز رنج داغ المهای بیشمار

از خون دیده هر مژه ام شاخ ارغوان
وز سوز سینه در نفسم تاب لاله زار

کاشانه مرا در و دیوار شعله خیز
همسایه مرا سرو دستار پر شرار

پیموده ام درین سفر از پیچ و تاب عجز
در هر قدم هزار بیابان و کوهسار

داغی بدل ز فرقت دہلی نهاده ام
کش غوطه داده ام بجهنم هزار بار

بخت از سواد کشور بنگاله طرح کرد
بر خویش رخت ماتم هجران آن دیار

با این همه نهیب که جان میرود ز تن
با این همه نورد که دل میرود ز کار

لختی بدلفریبی شوق جنون مزاج
لختی به پشت گرمی جان امیدوار

معلوم چنان که مهر ندانم ز دشمنی
مستم چنان که گل شناسم ز نوک خار

هر گرد فتنه طره خوبان کنم گمان
هر زخم کینه خنده مستان دهم قرار

پست و بلند رانه سگالم به تاز و عجز
رد و قبول رانه پزیرم بفخر و عار

هر گونه زهر عربده اندر مذاق من
مانند تلخی می ناب ست خوشگوار

دردشت بردمیدن نیرز طرف کوه
چشم مراست جلوۀ روئی به تابسار

دکان روستائی و شبهای برشگان
دانم سواد سایه تا کست و آبشار

آیا بود که گریه بدل تازگی دهد
چون سبزه که بردم از طرف جویبار

آیا بود که دست تهی موج زرزند
چون آتشی که سر کشد از پرده چنار

آیا بود که از اثر اتفاق بخت
دیوانه را بوادی یثرب قند گزار

هم دوش شوق را دهمی حله زان نسیم
هم چشم بخت را کشی سرمه زان غبار

سایم بر آستان رسول کریم سر
جان را بفرق مرقد پاکش کنم نثار

هم مزد سعی بخشم و هم مژده سکون
از بوسه پای خویش کنم بر درش فگار

فخر بشر، امام رسل، قبله امم
کز شرع اوست قاعده دانش استوار

آن ابتدای خلق که آدم درین نورد
همچون امام سبحه پروست از شمار

آن منتهاى همت هستی که در وجود
اندر میان دهر نشان میدهد کنار

در معرض لطافت مهرش، جهان جهان
گلهای شیشه میدمد از مغز کوهسار

در موقف سیاست قهرش، زمان زمان
مهر از شعاع می کشد انگشت زینهار

دانی چراست، کز اثر جلوه قدش
بر خاک نقش سایه نگردید آشکار

وقتیکه ریخت طرح مثالش ز نور خویش
برداشت از میانه حجاب آفریدگار

هم سطوتش بعرض شکوه شهود حق
از هر نگه دریده جگر گاه اعتبار

هم قدرتش بدعوی شرح کمال خویش
قانون نطق را زرگ سنگ بسته تار

از فیض بخشی نفسش غفلت آگهی
وز دل نوازی کرمش جبر اختیار

در بزم رنگ و بوی نگاهش ز مرتضیٰ
در رزم آبروی سپاهش ز ذوالفقار

حقا که لفظ احمد و لطفی که تحت اوست
گنجیست شائگان و طلسمیست استوار

امی پی کشایش این معنوی طلسم
فطرت شگرف قاعده کرده اختیار

باید نخست میم ز احمد فرا گرفت
کان میم اسم ذات نبی راست پرده دار

هر گه به یمن معرفت ذات احمدی
میم از میانه رفت واحد گشت آشکار

بے پرده بنگر از الف الله جلوه گر
وز حادال بشمر و دریاب هشت و چار

دارم سر حضور که در عرض خدمت ست
شوقم عنان گسسته تراز باد نو بهار

مطلع ثانی

ای آنکه چشم در رهت از موج هر غبار
فردوس را بدام نگه می کند شکار

تقدیر از وجود تو شیرازه بسته است
مجموعه مکارم اخلاق کردگار

توفیق در زمان تو ترتیب داده است
فرهنگ آفرینش و شرح رموز کار

هم گوهر ترا ز فروغ خود آبرو
هم صانع ترا بوجود تو افتخار

در یمن کرده اند یسار ترا یمین
در بذل داده اند یمین ترا یسار

جنت بکارگاه ولای تو حله باف
رضوان ببارگاه رضای تو پیشکار

در عالمی که بردم از عرصه رستخیز
در موقفی که سرزند از پرده گیر و دار

بر دامن از سپیدی روها کشی طراز
در وام از رهائی امت بری شکار

بخشش به نقد سجده روائی عطا نکرد
نگرفت تا نخست ز سنگ درت عیار

رحمت ثواب را بسر پرده جان داد
ناورد تا ز دفتر جودت برات بار

بے رخصت ولای تو طاعات مدعی
بیمزد همچو کوشش دھقان بشوره زار

بے عشرت رجای تو اوقات زندگی
تنگ و تبه چو دیده مور و دھان مار

تا پنجه عطای تو گردیده پرده در
تا سایه لوای تو گردیده پرده دار

خواهم رواج و رونق جنت ز خار و خس
نازم سپید روی مشتکی سیاه کار

نظاره گر بعرض نگه بال میزند
با نزهت جمال تو سطر است از غبار

اندیشه گر بسعی قلم ناز میکند
در حضرت جلال تو طفلیست نی سوار

می خواستم که شاهد مدح ترا کنم
دامان و جیب پرز گهرهای شاهوار

در پیچ و تاب عرض جنون شمار شوق
ابیات را ز صد پرسانم صد هزار

هر لفظ را بقافیہ آرم هزار جا
هر پرده را بولوله سنجم هزار بار

اما ادب که قاعده دان بساط تست
داد از نهیب حوصله آزار افشار

از بسکه بر جگر نمک دور باش ریخت
گردید خامه در کفم انگشت زینهار

دیگر چه گفت، گفت که اے غالبِ حزین
دیگر چه گفت، گفت که اے رندِ خاکسار

هر چند شوق تشنه عرض عقیدتست
اما تو و ستایشِ ممدوح کردگار

از ناکسی بنال و جبین بر زمین بسای
کلک و ورق بیفگن و دست دعا بر آرد

تا کسوت وجود شب و روز را بدهر
از تاب مهر و پرتو ماه ست پود و تار

تا سینه راست ناله در انداز کاؤ کاؤ
تا دیده راست جوش نگه ساز خار خار

تا سجده راست در ره حق مژده قبول
تا عذر راست بر در بخشش نوید بار

تا شاخ راز عیش بود غنچه خنده ریز
تا ابر را ز شوق بود دیده اشکبار

بادا محیط نور ز فیض تو موجزن
بادا بنای دهر ز شرع تو استوار

عزم مجاهدان تو با چرخ همندان
سعی موافقان تو با خلد همکنار

دایم ز وضع چرخ ثوابت محیط باد
بر تارک عدوی تو ابر تگرگ بار

لاغر چنان که در خم و پیچ فغان و آه
نتوان شناختن تنش از ناله های زار

آنها که برده الفت گیسوی تو ب خاک
سنبل دمد ز جیب سواد شب مزار

و آنها که برخلاف تو رفته است در لحد
دودی بر آورند ولیکن هم از دمار

نعت

مرا دلیست به پس کوچه گرفتاری
کشاده روی تر از شاهدان بازاری

به لاغری کنم آسان قبول فیض سخن
که رشته زود رباید گهرز همواری

به تنگی دهن دوست ، خاطری دارم
که دل ربوده دشمن به نغز گفتاری

ز طوطیان شکر خا مگوی و از من جوی
نشاط زمزمه ولدت جگر خواری

چو زلف جوهر تیغم بود پریشانی
چو چشم ناز بغویشم رسد ز بیماری

نه مایه بخشی دل در حق زبان بیش ست
مژه چه پیش برد دعوی گهرباری

نه جوش خون دل از قدر گریه افزون ست
چرا نباشدم از تاب چهره گلناری

مرا که عرض هنر دوزخ پشیمانیست
همین بس ست مکافات حاسد آزاری

شد آنکه همقدمان را ز من غباری بود
ز رفتگان بگزشتم به تیز رفتاری

مسنج شوکت عرفی که بود شیرازی
مشواسیر زلالی که بود خوانساری

بسومنات خیالم درای تا بینی
روان فروز برو دوشهای زناری

بساط روی زمین کارگاه ارژنگی
بتان دیر نشین ، شاهدان فرخاری

جحیم جوشدم از پرده نفس چو مرا
بود بجان عدوی نبی شررکاری

بهشت ریزدم از گوشه ردا که مرا
زخوان نعت رسولست زله برداری

مطاع آدم و عالم محمد عربی
وکیل مطلق و دستور حضرت باری

شه‌نشهی که دبیران دفتر جاهش
به جبرئیل نویسند عزت آثاری

عدو کشی که ز چاک کنار توقیعش
دویده تادل خسرو جراح‌ت کاری

افاضه کرمش در حقائق آفاق
بسان روح در اعضای جانور ساری

افاده اثرش بر قوائم افلاک
به شکل ریشه بر اندام آدمی طاری

دران نورد که وحدت بچار سوی شهود
فروخت رونق هنگامه خریداری

متاع او به تماشا سپرد ارزانی
حدوث او بقدم داد گرم بازاری

نشان رتبه ذاتش بعالم توحید
دوپایه برتر از افعالی وز آثاری

تو کز وجوب مفائر شماری امکانش
ز احولیت ننگه در مقام زناری

چنان بود که ببیدد بخواب کس خود را
ازو مشاهده حق بعین بیداری

در ان مقام که هنگامه ساز کثرت کرد
نهفت جاده مقصود اندران تاری

ظهور ایزد یکتا بصورت خاصش
نهاده در ره اعیان چراغ غمخواری

چنین که می نگریم جلوه حجاب گداز
چه مشکست و گر خویشتن نگهداری

می مشاهده پر زور و من ز ساده دلی
خورم چوبیش کنم حرص بیشتر خواری

سخن مذاق دگر یافت شورشی دارد
نمک فشانی مستی به مغز هشیاری

عنان گسیخته بیراهه تاختن تا چند
بشرع پیچم و گردم بیویه هنجاری

بمطلعی که ز غیبت رساندم بهضور
کشم نوای نیایش بناله و زاری

مطلع ثانی

زهی ز حرف تو اندیشه را مددگاری
خرد بسایه شرعت ز فتنه زنجاری

تو و کلیم و کنش اجر آستان رومی
تو و مسیح و دمش اجرت هواداری

اسیر دام ترا خلد در هواخواهی
مریض عشق ترا حور در پرستاری

تو مه شگافی و خورشید را بگرداند
رفیق تو بقدمگاه قدرت اظهاری

دم از ترانه خوی تو در اثر سنجی
دل از فسانه موی تو در نشاننداری

بمطر سائی موج نسیم نوروزی
بمشک زائی ناف غزال تاتاری

اگر نه خاصه ز بهر بساط عزت تست
بنای کعبه درین کهنه چار دیواری

چراست اینکه حقش کرده کارفرمائی
چراست اینکه خلیلش نموده معماری

چو موج و بحر ستایش گرترا پیوست
نشاط فیض از با زبان کند یاری

سخن یکیست ولی در نظر ز سرعت سیر
کند چو شعله جواله نقطه پرکاری

سخن ز مدح تو بالذ بخویش کز تعظیم
بصد هزار زبانی ستوده باری

به فیض کحل ولای تو در نظر دارم
که آنچه حد نظر نیست در نظر داری

خود از احاطه علمیه تو بیرون نیست
هر آنچه پیش تو گویم می بنا چاری

ز آسمان گله اتفاق ناسازی؟
ز بخت شکوه توفیق زشت کرداری؟

بمن درین که فرو ریزد از زبان چه گرفت
شکایتی که نه گنجد بدل ز بسیاری

بداوری سروکارم به جمعی افتاده است
که برگزیده چرخند در ستمگاری

چو فتنه جامع قانون عالم آشوبی
چو غمزه صاحب فرهنگ مردم آزاری

فگنده دلو و رسن را بچاه و بر سر چاه
شکسته اند سبوی مرا بسرشاری

بسا بگشته و هم بر پی نخستیم
بسان گاو خراس اندرین طلبگاری

ز ناو کم تن خصم ایمن ست و من خسته
قضا سپرده به پیکان تیر سو فاری

کجاست دست که چینم ثمر ز نخل امید
اگر رسد بزمین شاخش از گرانباری

اگر چه ز اشتهام بخت میزیم ناکام
بدان صفت که کسی جان دهد بدشواری

معاش من به معاد عدوی تو ماند
ز رنگ رنگ نژندی ز گونه گون خواری

ولی باین همه درماندگی چو یاد آرم
ز رحمتی که بحال جهانیان داری

ز هم فرو گسلد بندد بند فتنه اگر
بقدر ذوق ببالم درین گرفتاری

دو روزه راه بهر رنگ میتوان پیمود
بلند و پست سرافرازی و نگونساری

نخالم از ستم غیر بر تو باد که تو
مرا بدست من دیوسار نگزاری
به جنبش اثر لا اله الا الله
غبار هستی غالب ز پیش برداری

خمسہ بر غزل مولانا قدسی

کیستم تا بخروش آوردم بی ادبی
قدسیان پیش تو در موقف حاجت طلبی
رفته از خویش بدین زمزمه زیر لبی
”مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت که عجب خوش لقی“

ایکے! روی تو دھد روشنی ایمانم
کافر کافر، اگر مهر منیرش خوانم
صورت خویش کشیدست مصور دامن
”من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ! چه جمال ست بدین بلعجبی“

ای گل تازہ! کہ زیب چمنی آدم را
باعث رابطه جان و تنی آدم را
کرده دریوزہ فیض تو غنی آدم را
”نسبتی نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم، تو چه عالی نسبی“

ای لبّت را بسوی خلق ز خالق پیغام
روح را لطف کلام تو کند شیرین کام
ابرفیضی که بود از اثر رحمت عام
”نخلستان مدینه ز تو سرسبز مدام
زان شده شهره آفاق بشیرین رطبی“

خواست چون ایزد دانا که بساطی از نور
گسترده در همه آفاق چه نزدیک چه دور
حکم اصدار تو در ارض و سما یافت صدور
”ذات پاک تو درین ملک عرب کرد ظهور
زان سبب آمده قرآن بزبان عربی“

وصف رخس تو اگر در دل ادراک گذشت
نه همین است که از دایره خاک گذشت
همچو آن شعله که گرم از خس و خاشاک گذشت
”شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت
بمقامیکه رسیدی نرسید هیچ نبی“

چه کنم چاره که پیوند خجالت گسlem
من که جز چشمه حیوان نبود آب و گلم
من که چون مهر درخشان بدمد نور دلم
”نسبت خود بسگت کردم و بس متعلم
زانکه نسبت بسگ کوی تو شد بی ادبی“

دل ز غم مرده و غم برده ز ما صبر و ثبات
گم گساری کن و بنمای بما راه نجات
داد سوز جگر ما چه دهد نیل و فرات
”ما همه تشنه لبانیم و توئی آب حیات
رحم فرما که ز حد می گذرد تشنه لبی“

غالب غمزده را نیست درین غمزدگی
جز به امید ولای تو تمنای بهی
از تب و تاب دل سوخته غافل نشوی
”سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمده سوی تو قدسی پی درمان طلبی“

غزل

حق جلوہ گرز طرز بیان محمدؑست
ارے کلام حق بہ زبان محمدؑست

آئینہ دار پرتو مهرست ماہتاب
شان حق آشکار ز شان محمدؑست

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست
اما کشاد آں ز کمان محمدؑست

دانی اگر بہ معنی لولاک رارسی
خود ہر چہ از حق ست از آن محمدؑست

ہر کس قسم بدانچہ عزیزست می خورد
سو گند گرو گار بجان محمدؑست

واعظ حدیث سایہ طوبیٰ فرو گزار
کاینجا سخن ز سروروان محمدؑست

بنگردو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبشے زبنان محمدؑست

در خود ز نقش مهر نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشان محمدؐ ست

غالبِ ثنائے خواجه به یزدان گزاشتم
کآن ذات پاک مرتبه دان محمدؐ ست

نعت

بنام ایزد اے کلک قدسی صریر
بهر جنبش از غیب نیرو پذیر

زمهرم بدل همچو آہ اندر آئی
زدن تا بر آرم بگردون بر آئی

چو بر ساسیلت ره افتد نجم
خیابان خیابان به مینو بچم

بدم درکش آب گهر سائی را
نمودار گن گوهر لائی را

فرورودان لائی و دیگر بروی
ز سر سبز گرد و فرو سو پیوئی

شگافی از آن در بخویش اندر آر
بهشتی نسیمی به پیش اندر آر

سبحان اللہ اے وہ قلم کہ جس کی سرسراہٹ فرشے کے نزول کی آواز
جیسی ہے، تیری ہی حرکت کو غیب سے قوت ملتی ہے۔

محبت میں مثل آہ کے میرے دل کے اندر اتر آ۔ اور
جب باہر نکالوں تو آسمان پر پہنچ جا۔

خم کھاتی ہوئی راہ سے جب تو (جنت) نہر سلسبیل تک جا نکلے تو
کیاریوں کیاریوں جنت میں شہلا رہ۔

اس پانی کو جو موتی کی مانند ہے، اپنے اندر بھر لے اور
تلچھٹ کے جوہر کو نمودار کر دے۔ یعنی تے تک پہنچ۔

اس تلچھٹ میں اتر اور اتر، سر سے سبز ہو (یعنی کنارے پر روشنائی لے) اور نیچے کو اور
اس طرف دوڑ کر نکل آ۔

تو اس در سے (یاد رہے) اپنے اندر شگاف (قلم کا شگاف) لے کر نسیم بہشتی
سامنے لائے (یعنی میری تحریر میں نسیم جنت کا لطف ہو)

بدآن نم کہ اندر سرشت آوری
بدان باد خوش کز بهشت آوری

دلآویز تر جنبشے ساز کن
بجنبش رقم سنجے آغاز کن

درودے بہ عنوانِ دفتر نویس
بہ دیباچہ نعتِ پیمبر نویس

محمدؐ کز آئینہ روئے دوست
جز بینش ندانست دانا کہ اوست

زہی روشن آئینہ ایزدے
کہ دروی نگنجیدہ زنگ خودے

ز راز نہاں پردہ برزده
ز ذاتِ خدا معجزے سرزده

تمنائے دیرینہ کردگار
ہوے ایزد از خویش امیدوار

جو نئی اپنی ذات میں لئے ہوئے آئے گا
اور اس نسیم سے جو بہشت سے لائے گا۔

اس سے کام لے کر کچھ اور ہی دلاویز حرکت دکھا ،
اور اس حرکت سے تحریر کی ابتدا کر۔

دفتر کے سرنامے پر درود لکھ اور
آغازِ کلام رسولِ خدا کی نعت سے کر۔

محمدؐ کی ذات جو دوست (خدا) کے جلوے کا آئینہ ہے،
صاحبِ نظر کو خدا میں اور اس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

خداوندِ عالم کے اس روشن آئینے کا کیا کہنا
جس میں خودی (الگ سے اپنے وجود) کا رنگ تک نہیں لگا۔

رازِ نہاں سے اُس نے پردہ اٹھا لیا
ایک اعجاز ہے جو خدا کی ذات سے ظاہر ہوا۔

خدا کو ایک زمانے سے آرزو تھی (وہ وہ محمدؐ کی تخلیق کے ساتھ ظاہر
ہوئی) ، اُن کا وجود ایسا ہے جس سے خدا کی امیدیں وابستہ ہیں۔

تن از نور پالوده سرچشمه
دلے همچو مہتاب در چشمه

بہر جام ازو تشنہ جرعه خواہ
بہر گام ازو معجزے سربراہ

کلامش بدل در فرود آمدن
زدم چستہ پیشی بزود آمدن

خرامش بہ سنگ از قدم نقش بند
بہ رنگے کہ نادیدہ پایش گزند

بہ دستش کشاد قلم نارسا
بہ کاکش سواد رقم نارسا

دل امید جائے زیان دیدگان
نظر قبلہ گاہ جہاں دیدگان

بہ رفتار صحرا گلستان کنے
بہ گفتار کافر مسلمان کنے

ان کا جسم ایک سر چشمہ ہے جو نور سے ڈھکا ہوا ہے ، اور
ان کا دل جیسے چاند کا عکس کسی چشمے میں محدود ہو۔

اُن کے جام سے ہر ایک پیاسا ایک گھونٹ کا طلبگار ہے
اور ہر قدم پر اُن کے وجود سے معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔

اُن کا کلام ایسا ہے کہ ادھر ادا ہوا ادھر دل میں اتر گیا ،
نیچے اترنے میں اس نے سانس پر سبقت حاصل کی ہے۔

جب وہ چلتے ہیں تو پتھر پر نشانِ قدم بن جاتے ہیں:
اس طرح کہ اُن کے قدموں کو ضرر نہیں ہوتا۔

اُن کے ہاتھ میں آئے تو قلم کی ساری جولانی دھری رہ جائے اور
اُن کے قلم تک تحریر کی سیاہی کی پہچان نہیں ہے۔

اُن کا دل زیاں کاروں کی اُمیدگاہ ہے اور
اُن کی نظر جہاں دیدہ بزرگوں کی قبلہ گاہ ہے۔

محمدؐ اگر بیاباں سے گذریں تو وہاں باغ لہلہانے لگیں ،
زباں کھول دیں تو بے دینوں کو ایمان نصیب ہو جائے۔

بدنی از دیں روشنائی دھے
بہ عقبی ز آتش رھائی دھے

بمخوئی خوش اندوہ کاهِ ہمہ
بہ آمرزش امیدگاہِ ہمہ

لب نازینش گزارش پذیر
جہان آفرینش سپارش پذیر

زمین دل ز کف دادہ پائے او
خود از نقش پایش سویدائے او

پئے آنکہ او را ببوسد قدم
لب آورده یثرب ز زمزم بہم

ز بس محرم پردہ راز بود
بہ نزدیکی حق سرافراز بود

زرانے کہ باوے سرودی سروش
صدائیش بودی ز اول بگوش

دنیا میں دین کی روشنی عطا کرتے ہیں اور
آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات دلاتے ہیں۔

اپنی خوش خلقی سے ہر ایک کا دکھ ہٹانے والے اور
بخشش کیلئے سمجھوں کے کام آنے والے۔

اُن کے نازک لبوں پر حرفِ شفاعت آتا ہے اور
خالق اُن کی زبانی سفارش قبول کر لیتا ہے۔

محمدؐ کے پاؤں زمین پر پڑے تو زمین اُن پر جی جان سے ندا ہو گئی
اور یہ نقشِ قدم زمین کے دل کا سویدا ہو گئے۔

صرف اس خیال سے کہ اُن کے قدم چوم سکے
یثرب کی سر زمین نے زمزم کے کنوئیں سے لب پیدا کئے۔

چونکہ آں حضرتؐ اللہ کے راز کے جاننے والے تھے ،
اور قربتِ الہی سے سرفراز تھے۔

اس لئے جب فرشتہ کوئی راز کی بات لے کر آتا ہے اور ان تک
پہنچاتا ہے تو پہلے ہی اس کی صدا اُن کے کانوں میں سنائی ہوتی ہے۔

خھی قبلۂ آدمے زادگان
نظر گاہ پیشیں فرستادگان

کشائی دہ نسلِ آدم بخویش
روائی دہ نقدِ عالم بخویش

بلندی دہ کعبہ بالائے او
گرامے کنِ سجدہ سیمائے او

یمن روشن از پرتوِ روئی او
ختن بستۂ چین گیسوئے او

بہ کیش فریور جہاں رهنمائی
زبیراہہ پویاں خرامش رُبائی

زیت بندگی مردم آزاد کن
جہانے بیک خانہ آباد کن

بہ محراب مسجد رُخ آرائے دیر
بہ اندیشِ خویش ودعا گوئے غیر

کیا کہنے ہیں انسانوں کے اس قبلہ گاہ کے ،
جن پر پہلے کے پیغمبروں کی نگاہ لگی ہوئی تھی۔

اپنی نسبت سے انھوں نے بنی آدم کو ایک قدر و منزلت دے دی ،
اور اہل دنیا کے متاع (اعمال) کو قبولیت عطا کی۔

رسول کا قدر و قامت کعبے کو بلندی عطا کرتا ہے ، اور
اُن کی پیشانی کی بدولت سجدے کو وقار نصیب ہوتا ہے۔

ان کے چہرے کے نور سے یمن کے علاقے کی روشنی ہے ، اور
اُن کی زلفوں کے شکن سے عُتُن (چین کا مغربی علاقہ) وابستہ ہے۔

عظیم اشان دین کی طرف انھوں نے ہی دنیا کی رہنمائی کی اور
جو لوگ گمراہ تھے ان کی رفتار کا خاتمہ کر دیا۔

انسانوں کو بتوں کی پوجا سے آزاد کر دیا
دنیا کو ایک گھر میں بسا دیا۔

مسجد کی محراب سے انھوں نے بُت خانہ کا سدھار کر دیا
اپنوں کی فکر کی ، غیروں کو دعا دی۔

تو گوئی ز بس دل ز دشمن ریاست
که سنگ درش سنگ آهن ریاست

ز خونیکه در کربلا شد سبیل
ادا کرد و ام زمان خلیل

گزین بنده کز بندگی سرتافت
زوالا پس بجای عوض برتافت

کنش را بدان گونه شیرازه بست
بدین صفحه نقشی چنان تازه بست

که تا گردش چرخ نیلوفری
بود سبز جایش به پیغمبری

دل افسرده مالک ز خوش خویش
کمر بسته رضوان بدل جویش

ز کوثر به ببینند تا در گهش
ز طوبی همان تا به لشکر گهش

دشمنوں تک کے دل اس آسانی سے چھین لیتے ہیں کہ
گویا اُن کے دروازے کا پتھر نہ ہوا ، مقناطیسی پتھر ہو گیا۔

وہ خون جو کربلا میں (پانی کی طرح) بہہ گیا، (اپنے عزیزوں کا) وہ خون دیکر اُنھوں
نے ابراہیم خلیل اللہ پر خدا کا جو قرض تھا ادا کر دیا۔

وہ ایک پاکیزہ اور بلند مرتبہ بندۂ خدا ہیں جنہوں نے اس کے حکم کی
اطاعت کی اور عالی ہمتی کی وجہ سے کوئی صلہ بھی نہ چاہا۔

دین کی اس طرح شیرازہ بندی کردی اور
اس صفحے پر ایسا ایک تازہ نقش اُبھارا کہ

جب تک نیلگوں آسمان کی گردش باقی ہے،
پیغمبری میں اُن کی جگہ خالی رہے گی (ان کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا)

اُن کی خوش خلقی سے مالکِ دوزخ کا دل خوش نہیں ہونے پاتا۔
داروغۂ جنت رضواں کو ہمیشہ فکر لگی رہتی ہے کہ اُن کی ہر ایک
خواہش کی تکمیل کی جائے۔

چشمہ کوثر سے اُن کی درگاہ تک اور
جنت کے درخت طوبیٰ سے لے کر اُن کی لشکر گاہ تک،

کدوئے گدا و شرابِ طهور
کف پائے درویش و رخسارِ خور

ز بادی کہ از دم بر افلاک زد
ز نقشی کہ از مهر بر خاک زد

فرازیں جهانش ز خود بیش دید
فرودیں گروہش ہم از خویش دید

مگس ران خوانش پر جبرئیل
بخوان گستری پیشکارش خلیل

جمالش دل افروز روحانیان
خیالش نظر سوز یونانیان

بدم حرز بازوئے افلاکیان
بہ پیوند پیرایۂ خاکیان

یہ منظر نظر آتا ہے کہ فقیروں اور سائلوں کی توہنی میں شراب ٹھہر رہی ہے اور
درویشوں کے پاؤں پر حواریں اپنے رخسار بچھا رہی ہیں۔

اس کے سانس سے جو جھونکا آسمانوں پر پہنچا، عالم بالا نے اس کو اپنے سے بلند مرتبہ
پایا اور جو نقش مہربانی سے زمین پر ڈالا۔

اس کو نیچے کے گروہ (انسانوں) نے اپنا سمجھا (یعنی وہ عالم بالا سے
برتر ہستی تھے مگر انسانوں کی ادنیٰ بستی میں ایک بشر تھے)

رسولؐ کے دسترخواں پر جبریلؑ فرشتہ اپنے پروں سے پنکھا جھلتا ہے
اور ابراہیمؑ خلیل اللہ جیسا پیغمبر ان کی مہمان نوازی کے وقت اوپر
کا کام انجام دیتا ہے۔

اُن کا حسن وہ ہے جس سے روحانی ہستیوں کے دل روشن ہیں،
اور ان کا خیال وہاں پہنچتا ہے کہ یونان کے فلسفیوں کی نظر خیرہ
ہو جاتی ہے۔

اُن کے سانس فرشتوں کیلئے بازو کا تعویذ ، اور
خاکی بندوں کا زیور ہے۔

به معراج رایت به گروں بری
بدیں شبروان بر شبیخون بری

سخن تادم از ذکر معراج زد
بمن چشمک خواهش تاج زد

همانا تهی دستم انکاشته
که خواری بمن بر روا داشته

چون بود مرا زین تمنا گزیر
هر آئینه گردم تمنا پذیر

ز مه پایه تا کلبه مشتری
برویم فلک را بجولا نگری

نفس ریزه هائے فروزنده هور
جگر پاره هائے کواکب ز نور

که افتاده بینم بدان ره گذار
گدایانه بر چینم از ره نگار

معراج کی رات وہ آسمانوں پر اپنا علم لے گئے اور
اپنے دین سے (کفر پر) شیخون مارنے کو رات کے چلنے والوں کو لے گئے۔

غالباً سخن نے مجھے مفلس و بے مایہ سمجھا اسی لئے
میری ذلت کو روا رکھا (بیان معراج میں مجھے عاجز و محتاج بنایا)۔

اس تاج حاصل کرنے کی حمیت سے چارہ نہ تھا،
اب میں اس کا چیلنج قبول کئے لیتا ہوں۔

چاند کے مقام سے مشتری تک اب میں
دوڑ لگاؤں گا اور آسمان کی دھول اڑاؤں گا۔

آفتاب عالم تاب کے وہ ذرے اور
ستاروں کے جگر گوشے

جو مجھے راستے میں پڑے ملیں گے
سب چُن چُن کر سمیٹ لوں گا راستے کی بھیک لوٹنے
والوں کی طرح۔

تار شبے کش ستایش گرم
بہ چیدن زبالا فرود آورم

کنم تاج طرح از گهر ریزہ ہا
ز گوہر بتاج اندر آویزہ ہا

بہ سائل دہم تار سانم سرش
بجائی کز آنجا رسید افسرش

یہ سب اُس رات پر قربان کروں گا جس کی مدح کرنے چلا ہوں
اُن کو چُن کر اوپر سے نیچے لاؤں گا۔

جواہرات کے ٹکڑوں سے ایک تاج بناؤں گا
اور سچے موتیوں کے گوشوارے اس تاج میں لٹکائوں گا

(یہ تاج تیار کر کے) مانگنے والے کو بخش دوں گا کہ یہ لے اور وہ سر بلند ہو کر وہاں پہنچ
جائے گا جہاں سے اس کا تاج آیا ہے (یعنی معراج کے ذکر میں کلام کی حیثیت بلند
ہو کر ماہ و مشتری کی گذرگاہ تک جا پہنچے گی)۔

بیان معراج

همانادر اندیشه روزگار
شبے بود سر جوش لیل و نهار

شبے دیدہ روشن کن دل فروز
ز اجزائے خود سرمه چشم روز

شبے فرد فہرست آثار عید
بیاضش ز جوش رقم نا پدید

ز ایام فیض سحر یافتہ
بہ شبگیر خورشید دریافتہ

بروشندلی مایہ اندوز بود
چنین شب مگر بہر یک روز بود

زمانے کے خیال میں وہ رات ایسی ہے جو
راتوں اور دنوں کا اصل جوہر ہے۔

ایسی رات جو روشن دلوں کی آنکھ کو روشن کرے اور
اپنے اجزا کی بدولت دن کی آنکھوں میں سُرمہ بن جائے۔

ایسی رات جو عید کے آثار کی فردِ فہرست ہے جس کی
سپیدی کثرتِ تحریر سے غائب ہوئی ہے۔

ایسی رات جسے زمانہ نے صبح کا فیض پہنچایا ہو اور
رات ہی سے سفر کر کے خورشید کو پکڑ لیا ہو،

جس رات کے ضمیر نے روشنی کی دولت سمیٹ رکھی تھی
ایسی رات تھی کہ روزِ روز نہیں آتی صرف ایک دن کا مقدر ہو چکی تھی۔

در آن روز فرخنده آن شب نخست
همه روز خود را بخورشید شست

فرورفت چون روز لیلای شب
بر آراست محمل برسم عرب

رخ جلوه گرد پرند سیاه
چو از مردمک جوش نورنگاه

به راهش زبس نور می بیختند
بهر ذره خورشید می ریختند

چه بود از درخشندگی کان داشت
نیاز به بخورشید تابان داشت

نگویم شبی ماه و ش دلبر
خوراز زیور پیکرش گوهر

گراز زیور گوهر کم شود
چه از تابش پیکر کم شود

اس مبارک دن کو رات نے اوّل تو
سورج کے نور سے دن بھر خود کو دھویا۔

اور جب دن ڈوب گیا تو
عربوں کے دستور کے مطابق رات کی لیلا نے اپنا محل درست کیا۔

رات میں ایک ایسا رُخ جلوہ گر تھا
جیسے آنکھ کی سیاہ پتلی سے نگاہ کی روشنی جھلکتی ہے۔

محل شب کے راستے میں چونکہ نور کا چھڑکاؤ ہوتا جاتا تھا
اس لئے ذرے ذرے میں خورشید کی دمک بھر گئی تھی۔

چمک دمک کا وہ کون سا سامان تھا جو اس رات کو میسر نہ ہو اور
اس پر بھی خورشید کا کوئی احسان اس کے سر نہ تھا۔

میں اس رات کو ماہ وِشِ دلبر نہیں کہتا
اس کے تو جسم کا ایک زیور آفتاب تھا (پھر ماہ وِشِ کیونکر کہوں)

اگر زیور میں سے ایک موتی کم ہو جائے تو
کوئی نقصان نہیں کیوں کہ سارے جسم کی آب و تاب تو وہی رہتی ہے۔

بہ زیر زمیں کردہ خفاش روئے
پئے امن گردید خورشید جوئے

چنان گشتہ سرتاسر اجزائے خاک
فروغانی و روشن و تابناک

کہ گوئی مگر مہر زیر زمیں
فرزان فوہ بود و پشت نگیں

ویا خاک با جوہر آفتاب
بیامیخت چوں نردمے با شراب

سحر با خود از خود بریدہ امید
کہ چوں پیش این شب توان شد سپید

بہ فرض اردراں شب زخیرہ دوی
زدے مہر تابان دم از شب روی

بدان گونه بودی بچشم خیال
کہ شاہد نهد بر رخ از مشک خال

چمگاڈ (جسے تاریکی کی تلاش ہوتی ہے) زمین کے نیچے جا چھپی اور
جان کی امان کے لئے اسے سورج کی تمنا کرنی پڑی

مٹی کے سب اجزا یوں دھک اٹھے
چمکے اور روشن ہوئے۔

گویا زمین کے نیچے سورج نہیں تھا بلکہ ،
ایک روشن ڈانک تھا جو گمینہ دمکانے کے لئے نیچے لگا دیا جاتا ہے۔

یا آفتاب کے جوہر نورانی کے ساتھ مٹی میں اس طرح گھل مل گئی تھی
جیسے شراب میں اس کی تلچھٹ۔

صبح کو اپنے وجود کی امیر ہی نہ رہی تھی
اسے اندیشہ تھا کہ اس رات کے سامنے کس طرح سپید ہو سکے گی۔

فرض کرو اگر سورج گرہی کی وجہ سے
اس رات سفر پر نکل پڑتا

تو اس روشن رات میں سورج کو یوں سمجھو کہ
کوئی حسینہ اپنے چہرے پر مشک کا تل لگا لے۔

شدہ چشمِ اعمیٰ در آن جوشِ نور
تماشا گرِ حالِ اہلِ قبور

دریغِ نابودم اگر بودمے
وزاں روشنیِ بینشِ افزودمے

بخندیدمے بر ذبیرِ یسار
چو اورا از خود دیدمے شرمسار

خرد گر بگوششِ نفسِ سوختے
بروں زیں نمطِ مایہ نندوختے

کہ برقیست امشب کہ رم نیستش
ز جا جستنِ دمِ بدم نیستش

چگویم چساں گیتی افروز بود
شبے بود کز روشنیِ روز بود

از آن روز تشبیہِ عارض بہ شب
اگر رسمِ گشتے نبودے عجب

نور کا وہ جوش تھا کہ ناپینا کی آنکھ بھی
قبر کے اندر مُردوں کا حال دیکھ سکتی تھی۔

افسوس کہ معراج کی اس روشن رات کے وقت میرا وجود نہ تھا،
اگر میں زندہ ہوتا تو اس کی روشنی سے اپنی بینش یا دانائی اس قدر بڑھا لیتا.....

کہ بائیں بازو کے فرشتے پر (جو ہماری برائیاں درج کیا کرتا ہے)
خوب ہنستا کیوں کہ اس کو میرے سامنے شرمندگی ہوتی (یعنی اس
کو لکھنے کو کچھ نہ ہوتا کیوں کہ بہ وجہ دانائی میں غلط راہ نہ چلتا)

اگر عقل اس کے کام میں کام کی بات ڈال دیتی تو (اگر عقل اپنی کوشش میں
دَم کو گرم کرتی) وہ اس طرح کی کارگزاری میں سر نہ کھپاتا اور نامہ اعمال
میں برائیاں نہ بڑھاتا۔ (یا یہ کہ میری بینش سے باہر کوئی امر نہ ہو پاتا)

یہ رات کون سی بجی ہے ، جو چمکتی ہے مگر
آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی اور دم بدم اپنی جگہ سے اچھلتی نہیں۔

کیا عرض کروں ، کیسی جہاں افروز رات تھی،
روشنی سے دن معلوم ہوتی تھی

اس دن سے اگر رسم پڑ جاتی کہ روشن رخساروں کو
رات سے تشبیہ دی جایا کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

در آن شب زبس بود درخشان سرشت
فروخوانده مردم خط سرنوشت

نگه را به هنگامه بی سعی و رنج
نمایان زد دل راز و از خاک گنج

زبس ریش نور بالائے نور
به گیتی روان بود دریائے نور

که ناگه درود سروشان سروش
در آن بیکران قلمز افگند جوش

زیادیکه از بال جبریل خاست
تنومند موجی ازان نیل خاست

صدای رسید از پر بهمن
که خود گوش چشمی شد از روشن

مهیس پرده دار در کبریا
کشانده پرده بر انبیا

اس رات تقدیر کی عبارت اتنی صاف چمک رہی تھی
کہ لوگوں نے اپنے مستقبل کے حالات پڑھ لئے

بغیر کسی دشواری اور زحمت کے
دل کے راز اور زمین تلے کے خزانے آنکھوں پر روشن ہو گئے۔

نور پر نور کی موجیں اس طرح اُمد پڑتی تھیں کہ
دنیا میں نور کا دریا رواں تھا

اتنے میں فرشتوں کا فرشتہ وارد ہوا اور
اس کی آمد سے نور کا بے کراں سمندر ابل پڑا

یہ جبریل تھا ، اس کے پردوں سے جو ہوا چلی
اُس سے دریا کی ایک زبردست موج بلند ہو گئی

فرشتے کے مبارک پر سے ایسی آواز آئی کہ
روشنی کی بدولت کان ہی آنکھ بن گئے۔

یہ وہ فرشتہ تھا جو خداوند عالم کا سب سے بڑا دربان ہے
اور پیغمبروں کے سامنے پردے اٹھاتا ہے

همایوں همامی پیام آورے
بہ آوردن نامہ نام آورے

روان و خرد را روانی بدو
نبی را دم راز دانی بدو

امینی نخستیں خرد نام او
ز سر جوش نور حق آشام او

فروزان بفروغ یقیں
چنان کز محمد از وی جیبیں

سرائندہ راز بعد از درود
بدیں پردہ راز نہانی سرود

کہ اے چشم ہستی بروئے تو باز
نیاز تو ہنگامہ آرائے ناز

خداوند گیتی خریدار تست
شبست ایس ولی روز بازار تست

وہ مبارک پرندہ جو پیغام لاتا ہے اور
جس نے اسی خدمت میں ناموری حاصل کی ہے۔

روح اور عقل کا کام اس کی بدولت چلتا ہے
اور نئی کو نہیں راز معلوم ہوتے رہتے ہیں

امین، عقلِ اول اس کا نام ہے اور
حق کے نور کا اصل جوہر اس کی پیاس بجھاتا رہتا ہے۔

یقین کے نور سے اس درجہ روشن ہے کہ
جو محمدؐ کے دل میں ہے، وہ اس کی پیشانی پر ہے۔

درود پڑھنے کے بعد اس نے
عالمِ غیب کا رازدارانہ پیغام یوں پہنچایا

کہ اے محمدؐ آپ پر کائنات کی نگاہ لگی رہتی ہے
اور آپ بندگی میں خداوندی کا عالم ہے۔

مالکِ زمین و آسمان آپ کا طلب گار ہے
کہنے کو یہ رات کا وقت ہے لیکن آپ کے لئے یہی ”روزِ بازار“ ہے۔

چنیں لنگر ناز سنگیں چرا
نہ طور اظہار تمکیں چرا

کسان جلوہ بر طور گردیدہ اند
زراہ تو آن سنگ بر چیدہ اند

نہ بیٹی براہ اندرون سنگلاخ
کران تا کرانست راہی فراخ

بلی از گدایان دیدار خواہ
نہ بیند کسی جز برہ روئی شاہ

عزیزی کہ فرمان شاہش بود
گزیں پایہ دربار گاہش بود

بہ دور توشد لن ترانی کهن
فصاحت مکرر نسجد سخن

ترا خواستگارست یزدان پاک
هر آئینہ از لن ترانی چہ باک

ناز برداری کے لئے آپ کو سنگین زحمت نہیں دی جائے گی
آپ کوئی طور نہیں ہیں کہ جلوہ خداوندی اس پر ممکنیت دکھائے۔

وہ بھی لوگ تھے (حضرت موسیٰ) جنہیں کوہ طور پر جلوہ دکھایا گیا،
آپ کے راستے سے وہ پتھر ہٹا دئے گئے ہیں
(یعنی جلوہ کے لئے طور کی شرط نہ رہی)

آپ کو اپنے راستے میں پتھریلی زمین نہیں ملے گی، اس کنارے
سے اس کنارے تک ایک وسیع شاہراہ کھلی ہے۔

فقیروں میں جو دیدار شاہ کے طالب ہوتے ہیں وہ
صرف راہ میں ہی اس کا دیدار کر سکتے ہیں۔

لیکن جس عزت والے کے لئے فرمان شاہی طلب میں آئے
اس کو بارگاہ میں عمدہ مقام ملتا ہے۔

آپ کی باری آئی ہے تو (وہ جواب جو نور خدا کی طرف سے موسیٰ پیغمبرؑ
کو دیا گیا تھا۔ لن ترانی) (یعنی اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) متروک ہو گیا
فصاحت اسے گوارا نہیں کرتی کہ لفظ کی تکرار کلام میں آئے۔

خداوند عالم خود آپ سے ملاقات چاہتا ہے تو
اب لن ترانی کا کوئی اندیشہ ہی نہیں رہا

توئی کانچہ موسیٰ بتو گفتمہ است
خداوند یکتا بتو گفتمہ است

توئی آنکہ تامل ترا خواندہ اند
دریں رہ گذر گرد بنشانندہ اند

زایمن چہ گوئی کہ راہ ایمنست
بہ شب گیر برشو کہ شب روشنست

بنہ در رہ از پرتو روئے خویش
چراغ فراطباق ابروئے خویش

نہ گویم کہ یزدان ترا عاشقست
ولی زان طرف جذبہ صادقست

جہاں آفریں را خور و خواب نیست
تو فارغ بہ بستر چہ خسپی بالیست

بیارائے شمشاد بے سایہ را
بہ پیمائے اورنگ نہ پایہ را

آپؐ کی تو وہ ہستی ہے کہ موسیٰ نے خدا سے جو تقاضا کیا تھا (رب ارنی)
اے خدا مجھے اپنا جلوہ دکھا دے (وہی تقاضا خداوند یکتا آپؐ سے کر رہا ہے۔

آپؐ کی تو وہ ہستی ہے کہ صرف آپؐ کے بلائے جانے کی بدولت
راستے کا گرد و غبار بٹھا دیا ہے۔

وادیٰ الیمین کا ذکر کیا، یہ پوری راہ الیمین (سلامت) ہے
رات رہے سے سفر کے لئے اٹھے کہ رات روشن ہے۔

اپنے چہرے کی روشنی سے
طاقِ ابرو پر چراغ رکھے۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ خداوند عالم آپؐ کے عشق میں مبتلا ہے
تاہم اتنا کہوں گا کہ ادھر سے جذبہ طلب سچا ہے

دنیا پیدا کرنے والے خدا پر کھانا اور سونا حرام ہے (دونوں مفہوم
نکلتے ہیں : یہ کہ خدا کی صفات میں سے ہے کہ اُسے نہ نیند آتی ہے
نہ بھوک لگتی ہے اور یہ کہ آپؐ کی طلب میں ایک بے چینی ہے)
آپؐ آرام سے کیا سوتے ہیں ؟ اٹھے!

اپنے شمشاد جیسے سیدھے قد سے جس کا سایہ نہیں پڑتا اٹھے
اور نو درجے کے تخت یعنی آسمان کو طے کر ڈالئے۔

چو خاطر بہ گفتار خویش کشید
ہما سایہ رخی بہ پیش کشید

برو حانیان پرورش یافتہ
زریحان مینو خورش یافتہ

ہیونی کہ تادم زمستے زند
زبہالا قدم سوئے پستے زند

ز گنبد بہ غلطانے ار گردگان
نیفتد کہ آید فروز آسمان

شتابش برفتار زان حد گزشت
کہ تا گوے آید ز آمد گزشت

بہ ہم چشمے ہور ساغر سمے
بہ ہم دوشی حور گیسو دمے

سبک خیزیش خندہ زن بر نسیم
کہ در جنبش انگیزد از گل شمیم

جب فرشتے نے اپنی بات کی طرف محمدؐ کی توجہ دلائی تو
ہما جیسا مبارک سایہ رکھنے والے گھوڑے کو اُن کے سامنے پیش کیا۔

کیا سواری تھی جس نے روحانی ماحول میں تربیت پائی اور
جنت کی خوشبودار گھاس کھائی تھی۔

یہ سواری کا ایسا گھوڑا تھا کہ ہمزے میں آجائے تو
اوپر سے ایک دم نیچے اتر پڑے۔

جتنی دیر میں گنبد سے گیند نیچے گرے،
اتنی دیر میں یہ گھوڑا آسمان سے زمین پر آتا ہے۔

اس سواری کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ
جتنی دیر میں زبان سے لفظ ”آتا ہے“ کہو وہ آیا اور آگے نکل گیا۔

اس کے ساغر جیسے مُم سورج سے آنکھ ملاتے تھے
اور گیسو جیسی دم خُور کا مقابلہ کرتی تھی۔

نسیمِ سحر سے بڑھ کر سبک رفتار کہ
جب حرکت کرے تو اس کے جھونکے سے، مَھول سے نکلت اُٹتی ہے۔

هم از باد صبحی سبک خیز تر
هم از نکھت گل دلاویز تر

ز ساق و شمش گریه بزم مدام
کنی ساز تشبیه مینا و جام

نباشد شگفت اربیدن رسد
که آن باده پیش از رسیدن رسد

ز تیزی به گلبرگ گریبگردد
ز گلبرگ رنگ آنچنان بستر د

که دیگر بدان دیده راست بین
کدیورنداند گل از یاسمین

دو صد ره ز چشم اربدل در رود
دریسی ره به جستن سراسر رود

نه اجزائی بینش ز هم بگسلد
نه پیوند هنجار دم بگسلد

صبح کی ہوا سے زیادہ نرم رُو،
اور پھول کی مہک سے بھی زیادہ دلاویز

یہ ایسا گھوڑا تھا کہ اگر شراب کی محفل میں
کہیں اس کی پنڈلی کو بوتل اور سم کو جام سے تھپیہ دی جائے

تو کوئی تعجب نہیں،
کہ شراب کسی تک پہنچنے سے پہلے ہی نشہ پیدا کر دے

تیزی کے ساتھ اگر وہ پھول کی پتیوں سے گزرے تو
پتیوں سے رنگ اس طرح صاف اڑا لے جائے کہ

باغباں اپنی صبح نظر اور پہچان کے باوجود
یہ شناخت نہ کر سکے کہ کون گلاب ہے، کون چنبیلی

اگر آنکھ سے دل کا فاصلہ دو سو بار بھی طے کرے تو
اس تیزی اور صفائی کے ساتھ نکل جائے گا کہ

نہ تو بینائی کے تسلسل میں کوئی خلل پڑے گا اور
نہ سانس کی آمدورفت میں فٹور آئے گا۔

پیـمـبرِ بدیـس مژدهٔ دل نواز
که بودش در اندیشه از دیر باز

ز بس ذوق ناسوده بریال دست
بر آن باره یکبارگی برنشست

مَثَل زد بریس ماجرا بلبلِ
که باد آمد و برد بوئے گلِ

خرامی ز مقراض "لا" تیزتر
جماله "لا" دلاویزتر

چو بود آتش آن پویه آتشیـس
بر افروختش باد دامنِ زیـس

براق از قدم خار در راه سوخت
پیـمـبرِ بَدَم ما سواي الله سوخت

فرس چون سواری سرافراز یافت
دمی تازه در خویشتن باز یافت

پیغمبر خدا نے وہ خوش خبری سنتے ہی
جو بہت عرصہ سے اُن کے خیال میں موجود تھی

سفر پر روانہ ہونے کے شوق میں ابھی انہوں نے گھوڑے کی
یال پر ہاتھ اچھی طرح رکھا بھی نہ تھا
کہ ایک دم سوار ہو گئے

اس واقعہ پر ایک بلبل نے یہ رائے زنی کی کہ
ہوا کا جھونکا آیا اور پھول کی باس اڑا لے گیا

اس کا چلنا نئی (لا إله) کی قینچی سے زیادہ تیز کترنے والا
اور اس کا جمال اثبات (لا اللہ) سے زیادہ دلاویز

چونکہ وہ آتشیں سواری آگ ہی آگ تھی
تو زمین کے دام کو ہوا نے روشن کر دیا

آتشیں گھوڑے (براق) کے قدم جہاں پڑتے، راستے کے کانٹے جل بجھتے
تھے اور، پیغمبر کے سانس سے اللہ کے سوا ہر شے کا وجود صاف ہو جاتا تھا

سواری کو جب ایسا سر بلند سوار ملا تو
اس کے تن بدن میں نئی جان پڑ گئی۔

به جنبش در آمد عنان ناگهش
فضائے زمیں گشت جولانگهش

به سُم گنج قارون نمایاں کنان
به دُم عقد پرویں پریشان کنان

چندیں تاز بیت المقدس گزشت
ازیں کهنه کاخ مقرنس گزشت

هواتازند بوسه برپائے او
براه اندر آویخت درپائے او

ولی توسن از بسکه سرکش گزشت
هواتا دهد بوسه ز آتش گزشت

قدم تا بر اورنگ ماهش رسید
باکلیل کیوان کلاہش رسید

ببالید چندان ز بیشئے قدر
کہ بے منت مهر گردید بدر

اتنے میں اس کے لگام کو حرکت ہوئی اور،
زمین کی فضا میں وہ فرائے بھرنے لگا

سُم پڑتے تو (زمین کے اندر) قارون کا خزانہ نکل آتا اور
دُم کی حرکت سے پروین ستاروں کی لڑی بکھر جاتی

اس تیز رفتاری کے ساتھ وہ بیت المقدس سے گذر گیا،
اس پُرانے محل سے جس پر کلس لگا ہوا ہے

ہوا اس کے قدموں کو بوسہ دینا چاہتی تھی تو
راستے میں اس کے پاؤں سے لپٹ گئی

لیکن چونکہ گھوڑا بہت زوروں میں سر اٹھائے جا رہا تھا،
ہوا بوسہ دینے نہ پائی تھی کہ وہ، کڑوا ہوا سے گزر کر کڑوا نار میں پہنچا

بِزاق کا قدم چاند کے تحت پر پڑا تو
کیوں کے تاج تک اس کی کلنی جا پہنچی

چاند اس قدر افزائی سے ایسا پھولا
کہ سورج کی نظر کرم کے بغیر ہی مہ کامل بن گیا۔

شد از پردلی هم به تحت الشعاع
مقابل بخورشید در اجتماع

ز مه گر گند مهر پهلوتھی
چه غم چون ز خویشش بود فربھی

چو فرمان چنان بودش از شهریار
که گردد دران راه منزل شمار

به هنگام عرض نشانهائی راه
بر آن پیک دانا به بخشود شاه

بفر قبول خودش خاص کرد
به داغش نشان مند اخلاص کرد

به سیمائی مه داغ چون بر نهاد
دوم پایه را پایه برتر نهاد

صفائی کشاد خدنگ نگاه
بدان حد که شد تیرش آماجگاه

چاند کا حوصلہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ تحت الشعاع میں آکر (جہاں وہ نظر ہی نہیں آتا) وہ خورشید کے مقابل روشن ہو گیا

اب اگر سورج کی طرف سے چاند کے ساتھ سرد مہری کا بھی برتاؤ ہو تو، کوئی ہرج نہیں، کیونکہ اب وہ بذاتِ خود بلند حیثیت رکھتا تھا

چونکہ شاہ شب معراج کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ راستے میں منزلوں کا شمار کیا جائے

اس لئے جب دانش مند قاصد (جبریل) نے نشانہائے راہ کو بیان کیا تو آں حضرت نے اس پر بخشش کی

کہ فرشتے کو قبولِ خاص بخشا، اس طرح کہ اس کے ماتھے پر داغِ غلامی لگا کر مخلص خاص ہونے کا مرتبہ عطا کیا

چاند کی پیشانی پر داغ لگایا تو فلک دوم کا مقام بلند کر دیا

نگاہ کے تیر کی صفائی اس حد کو پہنچی کہ عطارد اس کا ہدف ہوا (تیر بمعنی عطارد)۔

به شمعى كه بينش به شبگیر سوخت
شه دیده ورتیر برتیر دوخت

عطارد به آهنگ مدحت گری
زبان جست به زبان آوری

بدستوری خواهش روزگار
نهان خود از پرده کرد آشکار

در اندیشه پیوند قالب گرفت
بخود در شد و شکل غالب گرفت

بدل گرمی شوق جرات فزائے
شد از دست و گردید دستان سرائے

دریں صفعه مدحے که من می کنم
خود از گفته خود سخن می کنم

که ای ذرّه گرد راه تو من
ز خود رفته جلوه گاه تو من

اس شمع سے جو پینائی رسولؐ نے رات کے سفر میں روشن کی،
آں حضرت نے تیر نگاہ عطار د پر مارا

عطار د نے (جو دیر فلک کہلاتا ہے) کوشش کی کہ
وہ زبان طے جو شاہ کی مدح کر سکے

زمانے کے تقاضے کے مطابق اس نے
اپنی چھپی ہوئی ذات کو آشکارا کیا

اس فکر میں اس نے ایک قالب اختیار کیا،
اپنے وجود میں در آیا اور قالب کی شکل اختیار کی

شوق کے جوش نے اس کی جرأت اتنی بڑھا دی کہ
بے قابو ہو کر اس نے پیغمبرؐ کی مدح سرائی شروع کر دی

اس صفحے میں جو مدح میری زبانی لکھی جا رہی ہے
یہ اس قالب کی کہی ہوئی بات ہے جس کو میں کہتا ہوں

اے پیغمبرؐ میں آپ کے راستے کے غبار کا ایک ذرہ ہوں ،
اور آپ کی جلوہ گاہ سے بے خود ہو گیا ہوں۔

نظرِ محوِ حسنِ خدا دادِ تو
ستم کشته غمزه دادِ تو

برفتارِ رخسِ تو اختر نشان
به گفتارِ لعلِ تو گوهرِ فشان

قبولِ غمتِ حرزِ بازوئے شاه
غریبِ زمتِ جنتِ آرام گاه

خراجِ تو بزرگند گلشائیان
نثارِ تو پارانجِ مشائیان

جهانِ آفریس را گرایشِ بتو
گنه بخشیش را نمایشِ بتو

سرمن که بر خطِ فرمانِ تست
نجاتش زد دورانِ بدرمانِ تست

دریسِ ره ستائیش نگارِ توام
به بخشایش امیدوارِ توام

میری نگاہ آپ کے حسن خداداد میں محو ہے اور،
آپ کے انصاف کے غمزے نے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دیا ہے۔

آپ کے مرکب کی رفتار کے لئے ستارے نشانِ راہ ہیں ، اور
آپ کے لب گفتار کے موتی بکھیرتے ہیں۔

جس شخص کو آپ کی محبت قبولیت کا شرف عطا کرے،
وہ بادشاہوں کے بازو کا تعویذ بن جائے
آپ کے راستے کے گرے پڑے لوگ جنت میں آرام پانے والے ہیں۔

گلشائی شاہوں کے خزانے پر آپ کا خراج واجب ہے اور
فلسفی مثنویوں کے گروہ کی دماغی محنت کا صلہ آپ پر نثار کیا ہوا زروگوہر ہے۔

دنیا کا پیدا کرنے والا آپ کی طرف مائل ہے
اور اس کی گناہ بخشی آپ کے دم سے ہوتی ہے

میرا سر جو آپ کے ہر ایک حکم پر جھکا ہوا ہے،
زمانے کے غموں سے اس کی نجات آپ کی ہی تدبیر سے ممکن ہے۔

معراج کے اس سفر میں آپ کی مدح میری زبانِ قلم پر رواں ہے
آپ ہی کی ذات سے بخشش کی اُمید ہے۔

ازاں بس کہ گشت اندران مرحله
عطارد فروزان بنورِ صله

سپهر سوم گشت جولان گهش
جبیں سود ناهید اندر رهش

بط و بربط از پیش برچیدنش
نشان مے و نغمه پوشیدنش

بدان گرمی از جا برانگیخت گرم
کہ خونش ز اعضا فرو ریخت گرم

نہ تنها برخساره رنگش شکست
کہ از لرزه در دست چنگش شکست

بہ ناخن شکستش از آن زخمہ نے
کہ دلہائے شوریدہ خستے بومے

ز بیم از کف چنگی دل نوار
بغیر از دف مہ فرو ریخت ساز

بعد اسکے کہ اس مرحلے سے گذرے،
جس کے دوران عطارد کو بطور انعام نور عطا کیا

سواری تیسرے آسمان پر پہنچی۔ تیسرے آسمان پر زہرہ موجود تھی ،
اس نے راہ میں آنکھیں بچھائیں

سامنے سے شراب کی صراحی اور بربط ہاجا اٹھانے میں
اور شراب و نغمہ کا سامان اُٹھانے میں

اس نے اتنی گھبراہٹ اور تیزی سے کام لیا کہ
اعضا سے گرم گرم خون ٹپکنے لگا

صرف یہی نہیں کہ منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں
بلکہ ہاتھ کپکپائے تو چنگ ہاجا ہی ٹوٹ کر بکھر گیا

ناخن سے اس نے زخم لگا کر بانسری یوں توڑ ڈالی کہ
شوریدہ سروں کے دل زخمی ہو جاتے

خوف کے مارے اس مطرب دلنواز کے ہاتھ سے ساز گر گئے
صرف چاند کا دف رہ گیا

چو در حلقهٔ شرع شد چنبرے
بدان دف در آمد به خیناگری

مه وزهره باهمدگر خوش بَوَد
چو ساقی که از نغمه سرخوش بَوَد

بدان دم که زهره برامش گرفت
چوشه سوئے بالا خرامش گرفت

ردائے ز نورش بانعام داد
که در جلوه بر سر کشد بامداد

رباط سوم چون نور دیده شد
قرازش رباط دگر دیده شد

زراندوده کاخی گزیں منزلی
ز بس روشنی دلنشیں منزلی

زهوشنگ هوشان کاؤس کوس
بسے بر در خانه در خاکبوس

جب زہرہ شریعت کے حلقہ میں قید ہو گئی
تو وہی دف بجا بجا کر اس نے نغمہ چھیڑا

چاند اور زہرہ کی سنگت اچھی رہتی ہے
جیسے ساقی کہ خود بھی نغمے سے جھومنے لگتا ہے

عین اس لمحے جب زہرہ نے نغمہ چھیڑا ، دف بجایا،
شاہ کی سواری اوپر کی طرف راہی ہوئی

انہوں نے رقاصہ فلک کو نور کی چادر انعام میں دی
تاکہ صبح ہوتے اپنے سر پر ڈال دے

جب اس طرح تیسرا مقام بھی آکر گزر گیا تو،
اس کے اوپر ایک اور منزل نظر آئی

دیکھا کہ ایک عالی شان محل ہے جس پر سونے کا ملمع چڑھا ہے ،
اس قدر روشنی کہ یہ مقام دل کو بھلا معلوم ہوا

ایرانی بادشاہ ہوشنگ جیسے باخبر لوگ اور کیکاؤس جیسے شان و شکوہ والے
بہت آدمی اس مکان کے دروازے پر زمین بوس تھے

بہ بالا وپائیں زشش راہ رو
نظرہا بدن حلقہ در گرو

بدن در بدروزہ روئے ہمہ
وزن قلم آبى بجوئے ہمہ

دران کاخ جا کردہ نام آورے
شہنشہ نگویم شہنشہ گرے

جہانگیرئ شہریاران بدو
گل افشانئ نوبہاران بدو

اگر نور گوئے نبودش ازو
وگر سایہ جوئی وجودش ازو

بہ بے خواہشی با نظرہائے پاک
زلزل وزراکسیرئ سنگ و خاک

بسرہنگئ شرع ہنگامہ ساز
بدوبستہ گر روزہ ور خود نماز

اوپر نیچے اور چھوٹی طرف سے
تمام نظریں اسی حلقے پر لگی ہوئی تھیں

اس دروازے پر ہر ایک بھیک مانگتا تھا اور
اس سمندر سے سب کی نہروں کو پانی ملتا تھا

وجہ یہ کہ اس عالیشان محل میں ایک نامور ہستی موجود تھی
جسے میں شہنشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ گر کہوں گا

بادشاہوں کی سلطنت اسی ہستی کے دم سے
اور بہاروں کی گل افشانی اسی کی بدولت تھی

نور اور سائے دونوں کا وجود
اسی شہنشاہ گر کے دم سے ہے

لعل و زر کی خواہش سے بری ہونے کے سبب اس کی پاک نظریں
(آفتاب کی کرنیں) مٹی اور پتھر کو کان کے اندر جواہر بناتی ہیں

احکام شریعت کی تعمیل کا مہتمم ہونے کے سبب وہی تمام اعمال کا انتظام کرتا ہے،
اگر روزہ ہے تو اس کی حدود آفتاب سے معین ہوتی ہیں اور اگر نماز ہے تو اس کے
اوقات آفتاب سے معین

ز شادی سراز پائے نشناخته
پذیره شده را برون تاخته

روان پیش پیشش مسیحا و بس
روانهای شاهان پیشش ز پس

قدم بوس پیغمبر آهنگ کرد
ز بس بوسه جابر قدم تنگ کرد

ز مهرش بجویش در آمد لبی
بهر بوسه رست از فلک کوکبی

بدینسان که گردون پراز کوکبست
هماناز گل بازئ آن شبست

رسیدش بدان خسروانی مناص
به تعمیم اوقات در وقت خاص

ز نیازوز شاهان سجود
زعیمی سلام وزیزدان درود

اس کو آں حضرتؐ کی آمد سے اتنی خوشی ہوئی کہ سر اور پاؤں کی تمیز نہ رہی،
فرماں بردار ہو کر باہر دوڑا آیا (اگر ”پذیرائے شہ“ ہو تو مفہوم ہوگا
کہ شاہ کا استقبال کرنے کے لئے)

اس آفتاب کے آگے آگے صرف مسیح تھے
اور پہلے کے شاہ پیچھے چل رہے تھے

آفتاب نے ارادہ کیا کہ رسولؐ اللہ کی قدم بوسی کرے تو
اتنی خاک بوسی کی کہ قدم بڑھانے کی جگہ نہ رہی

ایسی محبت سے آفتاب کے لب جنبش میں آئے کہ
فرش فلک پر جہاں بوسہ لیا وہاں ایک ستارہ اگ آیا

یہ جو آسمان پر ستارے ہی ستارے بھرے نظر آتے ہیں،
ہو نہ ہو اسی رات کی گل افشانی کا نتیجہ ہیں

اوقات کے سر پر عمامہ باندھنے کے لئے اس وقت خاص کو (یہ شرف حاصل ہوا)
کہ اُس وقت میں شاہوں کو پناہ دینے والے کے پاس

سُورج کی طرف سے نیاز مندی، بادشاہوں کی طرف سے سجدہ تعظیم
عیسیٰؑ کی طرف سے سلام اور خدا کی طرف سے درود پہنچے۔

خرامندہ کبک بلندی گرائے
بران زمرہ گستر دظنِ همائے

توانا رہ انجام گردوں خرام
فرا تر ز داز چار میں چرخ گام

ز فرسوار و خرام ستور
بہ پنجم نشیمن در افتاد شور

سپہرے سپہبد بہ تیر کلاه
گھر ریزہ ہارفت از شاہراہ

ولی بود چون بر کمر دامنش
توانگر نہ کردان گھر دامنش

اگر خود ہماں یک کلہ دار بُرد
نہ آخر گھر ہائے شہوار بُرد

بگو تا بدان گوہری افسری
بخورشید تابان کند ہم سری

رسولؐ کی سواری نے جو چکور کی طرح اُوپر کی جانب پرواز کر رہی تھی،
اس گروہ پر ہما کا مبارک سایہ ڈالا

اس آسمان پر سے گزرنے والے راہ رو (براق) نے
چوتھے آسمان سے آگے قدم بڑھایا

سوار کے شان و شکوہ اور سوار کی چال سے
پانچویں آسمان پر شور ہوا

یہاں پہ سالارِ فلک (مرئخ) اپنی کلفتی سے جھاڑو دے رہا تھا اور
راستے سے موتی کے ٹکڑے صاف کرتا جاتا تھا

لیکن چونکہ خدمت کے لئے دامن کمر کے اوپر کس رکھا تھا
لہذا یہ دامن اس گوہر کی عطا سے مالا مال نہ ہو سکا

اگر وہی ایک شے گلہ دار (مرئخ) کو حاصل تھی (یعنی کلاہ) تو
اس میں بھی درہائے شہوار تو موجود تھے ہی

گویا وہ ان موتیوں کے تاج سے
سُورج کی ہم سری کرتا تھا۔

ازیں بیش کس چوں توانگر شود
کہ سرهنگ باشه برابر شود

ازان دم کہ خونش برگ گرم شد
به منت پذیری دلش نرم شد

رگ گردنش از وفا پیشگرے
نرسجده آورد در ریشگرے

صف آرا گرومی ز بهرامیان
چوپیرامن کعبه احرامیان

نیاگان من تاجہانباں پشنگ
قدم بر قدم اندران حلقہ تنگ

به آسیب بازوبہ بازو زدن
زہم جستہ پیشی بزانو زدن

روانہائے ترکان خنجر گزار
پرافشان دران بزم پروانہ وار

اس سے زیادہ کیا کوئی دولت مند ہوگا کہ
سپاہی بادشاہ کی برابری کرنے لگے

اس سانس سے کہ اس کے خون میں حرارت آئی تو
احسان مندی کے جذبے سے دل نرم پڑ گیا

اور (سپاہی تھا اس لئے) وفا کے جذبے سے اس کی رگ گردن (غرور)
جڑیں نکالنے میں سجدہ کا پھل لائی (یعنی باہنہ غرور سجدہ کیا)

جنگ جو شاہوں (ساکنانِ مرغ) کا ایک گروہ صف لگائے کھڑا تھا
جس طرح کعبے کے گرداگرد احرام باندھے ہوئے لوگ

ان میں میرے اسلاف بھی تھے بادشاہ پشتگ تک (پدرِ افراسیاب)
قدم سے قدم ملائے یہ لوگ تنگ حلقہ باندھے تھے

بازو سے بازو لڑنے کے صدمہ سے
ہر ایک تعظیم میں دوزانو ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا

خنجر کے دھنی ترکوں کی روئیں
مش پروانوں کے یہاں اڑ رہی تھیں

شہنشاہ چون عرض لشکر گرفت
فراز ششم چرخ رہبر گرفت

بہ پیش آمدش دل کشا معبدی
چنان چون برہ ناگہاں گنبدی

شروشان فرخندہ امثا سپند
زده بر در صومعہ دست بند

درو بام کاشانہ خورشیدزای
نکو محضری را بکا شانہ جای

کہ منشور خوبی بہ تمنائے اوست
ظہور سعادت بامضائے اوست

کنش را بپایست نیرو دہے
منش را بہ فرزانیگی خود دہے

بہ تلخی گوارا چوقہر طبیب
بہ تندی ملائم چو خشم ادیب

شہنشاہ کو ابھی لشکر کی سلامی دی جا رہی تھی کہ
اتنے میں رہنمائے چھٹے آسمان پر کوچ کر دیا

اُن کے سامنے ایک دل کشا عبادت گاہ اس طرح آئی
جیسے راستے میں اثاقا گنبد مل جائے

رحمت کے مبارک فرشتے اس خانقاہ کے
دروازے پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے

اس عمارت کے در و بام اتنے روشن تھے کہ اُن سے شعاعیں نکل رہی تھیں،
ایک نیک اعمال بزرگ اس مکان کے اندر موجود تھے

جس کے لئے (خدا کی طرف سے) خوبی کا فرمان
اس کے آثارِ عزت میں شامل ہے، اور اس کے حکم سے سعادت حاصل ہوتی ہے

دین کو پابندی سے قوت دینے والا
طبیعت کو عقل مندی کی عادت دینے والا

طیب کے غصہ کی طرح اس کی کڑواہٹ بھی ناگوار نہ تھی اور
استاد کے غصے کی طرح اس کی سختی میں بھی نرمی پائی جاتی تھی۔

جوان بخت پیری هایں صفات
زدل زندگی بر مزاج حیات

خداوند از پاکئی گوهرش
بیفشرد از مهر اندر برش

خداوند دریا و برجیس سیل
از یس سو کشش بود و زانسوئی میل

بدان جذب و میلی که انگیخت نور
چو شیر و شکر با هم آمیخت نور

خورد آب در راه رهرواگر
پیمبر بر ره خورد شیر و شکر

بجوشید سر چشمه نور ازو
خوشا راهرو چشم بد دور ازو

بدان جرعه کز چشمه نوش زد
بدان ذوق کاندلش جوش زد

جوان بخت پیری همایوں صفات
زدل زندگی بر مزاج حیات

خداوند از پاکئی گوهرش
بیفشرد از مهر اندر برش

خداوند دریا و برجیس سیل
ازیس سوکشش بود و زانسوئی میل

بدان جذب و میلی که انگیخت نور
چو شیر و شکر با هم آمیخت نور

خورد آب در راه رهرواگر
پیمبر بر بره خورد شیر و شکر

بجوشید سرچشمه نور ازو
خوشا راهرو چشم بددور ازو

بدان جرعه کز چشمه نوش زد
بدان ذوق کاند دلش جوش زد

به لطفش دم از آب حیوان گزشت
بموجش سراز کاخ کیوان گزشت

به چشم اثر بین فرزانه در
در آمد چراغی بدان خانه در

که گر خود توان گوهر جان شناخت
فروغ وی از داغ نتوان شناخت

بدل تنگی از بس فرو خورده دود
شده شعله را روئی روشن کبود

دران پرده هندوئی و اژدرن پیچ
به زُنار تابی کفش خورده پیچ

سراسیمه از بس به تعظیم جست
نخ از دست رفت و بهم سود دست

بران رفته مسکین تاسف کنان
ز خجالت برفتن توقف کنان

اُس کی لذت سے اُن کی سانس آب حیات سے برتر ہوئی،
اس موج کے زور میں وہ زحل کے آسمان کے اوپر پہنچ گئے

اس فرزانہ ہستی کی بصیرت بھری نگاہ کے سامنے،
اُس مکان یا محل کے اندر ایک چراغ نمودار ہوا

اگر خود روح کی ماہیت شناخت کرنے والی نظر سے بھی دیکھا
جاتا تو اس چراغ کی روشنی اور داغ میں کوئی فرق نظر نہ آتا
(یعنی اپنی محسوسات سے تاریک ہے)

تھک دلی سے اس نے دل کا دُھواں اس قدر اندر جمع کیا کہ
شعلے کے بدن پر چڑھ گیا تھا (زحل کا رنگ نیلا ہے)

اس نیلگوں شعلہ کے پردے میں (کیا دیکھتے ہیں کہ)
ایک ہندوہ جو بداندیش ہے اور، جینو کا دھاگہ بٹنے میں اس کا ہاتھ بچ کھا گیا ہے
(ہندوستان زحل سے منسوب ہے اور وہ ہنود کا مَوَکَل نگران ہے)

چونکہ وہ گھبراہٹ میں تعظیم کے لئے اُٹھا
اس کے ہاتھ سے تاگا چھوٹ گیا اور ہاتھ ملتا رہ گیا

بے اختیاری کے اس عمل پر اُسے حیرت ہوئی
شرمندگی کے مارے وہ ٹھک کر رہ گیا۔

زدش بسکه در هر قدم بر ملا
ادب دور باش و عنایت ملا

فرماند حیران بدان کار در
گران گشت پایش برفتار در

پیامبر که پوینده راه بود
بنده دادار جوینده راه بود

چو زینگونه زیی هفت در بند ژرف
پدید آمدش فتح یابی شگرف

سپهر ثوابت به پیش آمدش
گهرها ز اندازه بیش آمدش

گهر پیکران از زمین یسار
نمودند بر شه گهرها نثار

همانا سپهر اندران مرحله
زهجرش دلی داشت پُر آبله

ہر ایک قدم پر چونکہ ادب نے دُور باش سے اُسے ہٹایا
اور رسولؐ نے ازراہ عنایت صدائے طلب بلند کی

اس لئے یہ زُحل حیرت سے ٹھٹکا
قدم آگے نہ بڑھا سکا

رسولؐ خداؑ اپنی راہ پر تیزی سے چلے جا رہے تھے اور
خدا کی طرف سے راستہ کے طلب گار تھے

جب اس طرح ان سات (۷) عمیق قلعوں پر
اُن کو شاندار فتحیابی حاصل ہوئی

تو فلک ثوابت یعنی ان ستاروں کا آسمان سامنے آیا جو ستارے
حرکت نہیں کرتے، تو اندازے سے کہیں زیادہ موتی نظر آئے

داہنے بائیں ہر طرف سے گوہر بدن (اجرام فلکی) نے
شاہ پر موتی ٹار کئے

اس مرحلے پر یوں لگتا تھا کہ
آسمان کے دل میں اُن کی جدائی کے غم سے چھالے پڑے ہوئے ہیں۔

ویا خود نگامش دران شهر بند
ز قیزی بدیوار روزن فگند

که از جذبه شوق و ذوق ظهور
ز روزن شد آن پرده غربال نور

ز هر شوق گستاخ دیدار خواه
ز هر حسن مستور عاشق نگاه

بدان شوق لازم که بے خویشتن
دود حسن سویش چنیں قطره زن

مگر قدسیان را خود از دیر باز
براه نبی چشمها بود باز

ویا رحمت حق بجولان گهش
ز سر جوش نور آب زد در رهش

خرامنده اندر گزرگاه ناز
خرامش همی کرد با برگ و ساز

یا پھر یوں ہوگا کہ اس فصیل کے اندر،
اس کی نگاہ کی تیزی نے سوراخ ڈال دئے ہوں

اور پھر نور کے ”جذبے بے اختیار شوق“ کی بدولت
وہ پردہ نور کی چھلنی ہو گیا

اس شوق کے کیا کہنے جو دیدار کی بے تابی میں گستاخ ہوا جاتا ہو،
(یعنی آں حضرت کا شوق) اور اس حسنِ مستور کا کیا کہنا جو عاشق کی سی نگاہ رکھتا ہے

اُس شوق پر مجھے ناز ہے جس کی طرف حُسن خود بے اختیار ہو کر
چلتا ہوا آئے

ہو سکتا ہے کہ (یہ ستارے مجھے ہوئے نہ ہوں بلکہ) بہت
دیر سے، نبی کے انتظار میں راہ پر آنکھیں لگائے ہوئے ہوں

ممکن ہے یوں بھی نہ ہو، بلکہ خداوند عالم کی رحمت نے
اُن کے راستے میں نور کے اصل جوہر کا چھڑکاؤ کرا دیا ہو

آنے والا (پیغمبرؐ) بڑے آرام اور شان کے ساتھ
ناز کی گذرگاہ میں ٹہکتا آ رہا تھا۔

بہ نظارہ ہفت آشنا از پیش
روانہائے کرویہاں برخیش

صُورِ گونه گون از جنوب و شمال
کشودند بند نقاب خیال

حمل سربہ نرمی فراپیش داشت
سپاسے ازاں لا بہ برخویش داشت

نہ بینی کہ حیوان بیگانہ خوئے
بپوزش ز منعم بود طعمہ جوئے

چو اوراست چوبانی آن رمہ
ہر آئینہ تازند سویش ہمہ

دود گاؤتاسوئے اوربیدرنگ
سرون خودش زد بدل گاؤشنک

نبودی اگر شیردر عرض راہ
چریدی بہ چالاکی از خوشہ کاہ

اس کے پیچھے سے ساتوں سیارے جن سے ملاقات ہوئی تھی ، تک
رہے تھے اور ، فرشتوں کی جانیں ان پر قربان ہو رہی تھیں

شمال و جنوب سے طرح طرح کی صورتیں یعنی بروج فلکی ،
نقاب سے باہر ہو کر سامنے آ گئی تھیں

برج حمل نے اپنا سر ادب سے جھکا دیا تھا اور
اس انکسار سے اپنی ذات کا شکر گزار تھا (حمل معنی مینڈھا)

کیا نہیں دیکھا ہے کہ اجنبی مزاج جانور
جب مالک سے کچھ غذا چاہتا ہے تو سر جھکا کر ادب سے ہو جاتا ہے

چونکہ اس (آسمانی) گلے کی خبر گیری ان کے ذمہ ہے
اس لئے سب انہیں کی طرف دوڑتے ہیں

آسمانی گائے (گاؤ فلک) بے تامل اس کی طرف دوڑتی ہے
یہاں تک کہ خود اس کا سینگ اس کے دل میں پینا مارتا ہے

اگر راستے میں شیر (برج اسد) نہ ہوتا تو
یہ گاؤ فلک تیزی سے خوشوں (ستاروں) کی گھاس چر جاتی۔

تو گوئی براہ خداوند دور
شہر از نمود ثریا و ثور

گدائست ہندی کہ سرتاپا
بخر مہرہ آراستہ گاؤرا

بہ دریوزہ گستاخ پویدہمے
زہر و برہ دایہ جویدہمے

برینی سروشان فرخ لقا
ازان ہر دو کاشانہ دلکشا

ز پیوند خوش حالئے مہر و ماہ
ببتند حرزے بیازوئے شاہ

کہ چون باز گردد بہ بنگاہ خاک
نباشد ز چشم بد اندیشہ پاک

دو پیکر کہ گوئے ورا تو امان
برہرو پذیرے در آمد چمان

یوں کہوں کہ ثریا ستاروں کے گچھے اور بُرج ثور (بیل) نہیں ہیں بلکہ آں حضرت کی راہ میں

کسی ہندوستانی فقیر نے (جو گائے سجا کر دان مانگتا ہو) گٹو کو سر سے پاؤں تک کوڑیوں کے زیور سے لاد رکھا ہے

اور راستہ چلتے سے گٹو پالن کے نام پر، دوڑ دوڑ کر اور ضد کر کے بھکشا مانگ رہا ہے

ملاء اعلیٰ کے فرشتوں نے اُن دونوں عالی شان مخلوقوں سے،

چاند سورج کے مبارک قرآن سے شاہ کے بازو پر تعویذ باندھ دیا

تاکہ جب وہ آسمانی سفر سے واپس ہوں، زمین کے ڈیرے کی طرف جائیں تو انھیں نظر بد کا اندیشہ نہ رہے

وہ بُرج فلک جسے تم جڑواں یا توام کہتے ہو، استقبال کے لئے دوڑا ہوا آیا

پئے هستی شہ بدست نیاز
رہ آوردی از روزہائے دراز

ز بس بود جزا دران رهروی
کمر بستہ خدمت خسروی

بدان تازود نیمہ از نیمہ پیش
ز تیزی بہ برید پیوند خویش

چو ہم سایہ بکشد درہائے نور
بہ غلطید سرطان بہ دریائے نور

بکاشانہ مہ ازان فتح باب
بہ بستند پیرایہ ماہتاب

چنان دلکش افتاد از ہر طرف
کہ برجیس را گشت بیت الشرف

بہ شاہانہ کاخی کاسد نام داشت
دراز نقطہ اوج بہرام داشت

شاہ کی ذات کے لئے ایک زمانے سے اس کے پاس
ایک سوغات تھی وہ نذر کے لئے اٹھالی

چونکہ بُرج جوزا (جڑواں جسم کی شکل کا بُرج) اس سفر میں،
شاہی خدمت پر کمر بستہ تھا (جوزا = دو انسان پشت سے جوڑے ہوئے)

اس غرض سے کہ اس جڑواں کا ایک پیکر دوسرے پیکر سے
خدمت میں آگے بڑھ جائے
تیزی رفتار نے اپنا جوڑ کاٹ لیا

جب دیکھا کہ ہمسائے بُرج جوزا نے نور کے دروازے کھول دئے تو،
بُرج سرطان نور کے دریا میں نہا گیا

چاند کے محل میں اس دروازہ کے کھلنے سے
آرائش ہونے لگی، چاندنی سج گئی

ہر طرف اس قدر دلکشی چھا گئی کہ
برجیس (مشتري) کو شرف کا مقام مل گیا (مشتري کا شرف سرطان میں ہے)

وہ شاہی محل ، جس کا نام (بُرج) اسد تھا
اس کا دروازہ مریخ کے شرف کا نقطہ تھا۔

کشودند در تابدان اصطکاک
شود دشمنان را جگر چاک چاک

نه شد گرچه چون گاؤ قربان او
ولی شیر شد گریبه خوان او

نچندان به محنت کشی خو گرفت
که بر گاؤ بتواند آهو گرفت

نه در پندجه زور و نه در سینه دم
فرماند بے جس چو شیر علم

شود تا خداوند را سجده بر
بر آورد از خوشه صد دانه سر

دران راه گرتوشه داشت چرخ
هم از خرمنش خوشه داشت چرخ

ازیں ره بخود بسکه بالید تیر
هم از خانه خود شرف دید تیر

دروازہ کھولا تاکہ دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ سے
دشمنوں کا جگر چاک ہو جائے

اگرچہ گائے (برج ثور) کی طرح اسد (شیر) اُن پر قربان نہیں ہوا
تام اُن کے سامنے ادب سے اُن کے خوان کی پٹی بن گیا

برج اسد اس قدر محنت کشی کا عادی نہیں ہوا تھا کہ
گائے (برج ثور) پر عیب لگا سکے

نہ اس شیر (برج اسد) کے بچے میں کس بل رہا نہ سینے میں ڈکار
وہ جھنڈے کے شیر کی طرح بے جس ہو کر رہ گیا

مالک کی خدمت میں سجدہ بجا لانے کے لئے
سنبلہ کے سو (۱۰۰) دانوں نے خوشہ سے سر نکالا

اس راستے میں اگر آسمان کے پاس کوئی توشہ یا سرور سامان تھا
تو اس کے خرمین سے برج سنبلہ کا خوشہ بھی تھا

عطارد چونکہ اُن کی آمد پر پھولا نہیں سایا تھا
اس لئے اپنے برج میں ہی اس کو شرف حاصل ہوا

کشایش در گنج تاباز کرد
به میزان گهر سنجے آغاز کرد

از انجا کہ در مطرح روزگار
ترازوپے سختن آید بکار

سپہرا از شرف تا خیالی به پخت
زحل را نجا کہ ره خواجه سخت

هم آن پلے را چرخ فرسائے دید
هم این پلے را بر زمین جائے دید

به عترب خداوند آن جلوه گاہ
بران شد کہ تازد بسویش زراہ

ولی چون نگهبانی راہ داشت
سر باز گشت شهنشاہ داشت

نگہداشت خود را ازان بیرہے
کہ از حکم شہ سر نہ پیچد رہے

فتح مندی نے جب خزانے کا دروازہ کھولا تا
مُرج میزان میں اس نے موتی تولنے شروع کردئے

زمانے کا دستور ہے کہ
میزان (ترازو) سے تولنے کا کام لیا جاتا ہے

آسمان نے شرف عطا کرنے کا یہ خیال باندھا کہ
اس نے زُحل کو نیّ کی خاک راہ کے ساتھ تولا

تولنے میں زُحل والا پلّہ آسمان کو اُٹھ گیا اور
خاک والا پلّہ جھک کر زمین چھونے لگا

زُحل نے برج عقرب کا مالک ہے یہ ارادہ کیا کہ،
اپنی راہ سے مُرج عقرب کی طرف جائے
(زُحل کا شرف مُرج عقرب میں ہے۔ اس لئے زُحل جلوہ گاہ عقرب کا مالک ہے)

لیکن چونکہ اسے راستے کی جگہبانی سپرد تھی اور
شہنشاہ کی واپسی کے وقت چوکس رہنا تھا،

اس لئے وہ راستہ چھوڑ کر ہٹا نہیں تاکہ
غلام سے حکم شاہ کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔

به قوس اندر آورد چون خواجه روئی
سعادت به برجیس شد مژده گوئی

کمان گشت زین فخر قربان خویش
زهر طالع غالب عجز کیش

بدین خوشدلی بایدم شاد زیست
که در طالع من قدم بوس کیست

پذیرفت خواهم ز گردن سپاس
که باشد مرا طالع روشناس

کمان چون بدین سان نمایش گرفت
خدنگ خبر زو کشایش گرفت

چنان جست تیر از کمان دل پسند
که نشست جز درد دل گوسپند

گرفتش دوان سعد زابح براه
که نپیچد گیرد جلودار شاه

جب انھوں نے (آگے بڑھ کر) بُرجِ قوس (کمان) کا رخ
کیا تو، سعادت مندی نے مشتری کو خوش خبر سنائی

بُرجِ قوس اُن کی آمد پر فخر کے مارے اپنے اُوپر قربان ہونے لگا،
مگر دیکھو، غالب کو، اس عاجز کی قسمت کس بلندی پر ہے

اسی خوشی پر ہی ساری زندگی خوش و خرم گذاردوں گا کہ
میرے طالع میں کسی کی قدم بوی لکھی ہوئی ہے

آسمان شکریہ ادا کرے گا اور میں قبول کروں گا کہ
میرا طالع آں حضرت کا روشناس ہوا

کمان (بُرجِ قوس) نے جب یہ غمخواری حاصل کر لی تو
خبر کا تیر چلایا

(دل پسند) کمان سے تیر نکل کر ایسا سیدھا اور اس خوبی سے گیا کہ
گوپند (برجِ جدی) کے دل پر لگے

سعد ذابح ستارہ نے دوڑ کر راستے میں ہی، گوپند کو پکڑ لیا
تاکہ شاہ کے پیشکار کو شکار پیش کیا جائے۔

چو شد ذابح از تشنگی تاب کش
بدو لای شد فرع دل و آب کش

عزیزان بهم کار دیں می کنند
بلی خواجه تاشان چنین می کنند

زهرے شوکت خواجه ره شپار
که باشندش اختر بره پیشکار

سپهری رفیقان بسیار فن
گستند از دلو گردون رسن

به غمخوارگی تافتندش بدست
که گیرد مگر خواجه ماهی بشست

ز حق هر که فرمان شاهی گرفت
تواند زمه تابه ماهی گرفت

ازاں پس که ایس راه کوتاه شد
حمل تابه حوتش قدمگاه شد

جب ذبح کرنے والے کو پیاس کی تاب نہ رہی تو
مُرج دلو رہٹ کی ڈوپچی سے پانی کھینچنے لگا

ذی عزت لوگ دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور ،
ان کے خادموں کا یہی فرض ہوتا ہے
(کہ وہ اس طرح کام کریں جیسے اجرام فلکی نے کیا)

اس مالک کی شان کے کیا کہنے، جو سفر کر رہا تھا کہ
ستارے اس کی راہ میں خدمت کے لئے بچھے جا رہے تھے

بڑے کار گزار آسمانی رفیقوں نے
آسمان کے ڈول سے رسی توڑ کر

زحمت کے ساتھ جلد جلد اس کو ہاتھ سے بٹا تاکہ
سرکار مچھلی (مُرج حوت) کا شکار فرمائیں

خدا کی طرف سے جس کو شاہی عطا کردی جائے
ماہ سے لے کر ماہی تک سب اس کے تصرف میں آتا ہے

جب یہ راستہ ختم ہو چکا تو
مُرج حمل سے حوت تک اُن کا گزر ہوا

بدان پویہ پیمود این ہشت چرخ
کہ صد بار گرد سرش گشت چرخ

نہم پایہ کانرا توان خواند عرش
برہ ز اطللس خویش گسترد فرش

رہے نامور پایہ سرفراز
سرا پردہ خلوتستان راز

سر رشتہ نازش چون و چند
بہ پیوند ہستی بدان پایہ بند

بود گرچہ برتر ز افلاکیان
ولے لرزد از نالہ خاکیان

دلِ بے نوائے گر آید بہ درد
نشیند بدان پایہ پاک گرد

صدائے شکست کمر گاہ مور
درین جاست ہیچ و دران پردہ شور

اسی رفتار سے یہ آٹھ آسمان طے کئے گئے کہ
آسمان اُن کے گردِ سر سو بار گھوما یعنی سوجان سے نثار ہوا

نواں آسمان آیا جسے عرشِ الہی کہہ سکتے ہیں،
راستے میں اس نے اپنا فرشِ اطلس بچھایا (نویں آسمان کو فلکِ اطلس کہتے ہیں)

اس بلند مقام کی کیا تعریف کی جائے
یہ راز کی خلوت گاہ کا پردہ تھا

(احکامِ الہی کا ظہور عرش سے ہوتا ہے۔ اُن احکام کے مطابق اشیاء کو وجود ملتا ہے،
پس موجوداتِ عالم کا علاقہ عرش سے ہے)
عالمِ کیف و کم یعنی مخلوقات کی نازش
عرش سے علاقہ ہونے کے سبب سے ہے

اگرچہ عرش کا یہ بلند مقام خود آسمانی ہستیوں سے برتر ہے لیکن،
زمین کے باشندوں سے دُور نہیں، اُن کی فریاد سے عرش لرزتا ہے

اگر کسی غریب کے دل میں درد اُٹھے تو عرشِ پاک پر
غبار پڑتا ہے

چیونٹی کی کمر بھی ٹوٹے تو، اگرچہ زمین پر اس کی کوئی وقعت نہیں
لیکن، عرش پر شور برپا ہوتا ہے۔

نه از مهر نام و نه ز انجم نشان
نه دریا نمایان نه ریگ روان

دو گیتی نمائش ز صبحش دمر
خود آن صبح را هر فلک شب دمر

زایزید پرستان بهر سرزمین
بود سجده آنجا چو سر بر زمین

بساطی هم از خویشتن تابناک
ز آلائش کلفت رنگ پاک

ز بس پائے لغز خیال از صفا
رسیدن به پهنائے آن نارسا

درآمد گرانمایه مهمان حق
به رخ ماهتاب شبستان حق

قدم زد براهی که رفتن نداشت
نگهبان و همراه و رهزن نداشت

یہ وہ مقام ہے کہ نہ تو سورج کا پتہ نہ ستاروں کا نشان،
نہ دریا دکھائی دیتا ہے نہ ریت کے دل

دونوں دنیائیں اس کی صبح کے ایک سانس کا جلوہ ہیں
صبح بھی کیسی کہ ہر ایک آسمان اس صبح کی شبیہ ہے

دنیا میں جہاں بھی کوئی خدا پرست سجدہ کرتا ہے
اس کا سجدہ وہاں پہنچتا ہے حالانکہ سر ہوتا ہے زمین پر

عرش ایک ایسا فرش ہے جو روشن بالذات ہے
اس کی دمک میں کسی رنگ کی کثافت نہیں

خیال کا پاؤں عرش کی صفا کے سبب،
پھسل پھسل جاتا ہے، اسی لئے انسانی فکر کی وہاں تک رسائی نہیں

خدا کا عالی قدر مہمان وہاں داخل ہوا
اس کا رُخ حق کی خلوت گاہ کا ماہتاب تھا

اس راہ پر قدم رکھا جہاں چل نہیں سکتے
وہاں نہ کوئی مگلبان تھا، نہ رفیق سفر، نہ رہزن

در آنجا کہ از روئے فرهنگ و رائے
بجا باشد از خود نگویند جائے

جهت را دم خود نمائی نمایند
زمان و مکان را روائی نمایند

غبار نظر شد زره ناپدید
سراپائے بیننده شد جملہ دید

در آور دبی کلفت سمت و سوئے
بہ نور السموات والارض روئے

تماشا ہلاک جمال بسیط
فروغ نظر موجہ زان محیط

شنیدن شہید کلامی شگرف
منرہ ز آمیزش صوت و حرف

کلامے بہ بیرنگے ذات علم
شنیدن بہ عقل اندر اثبات علم

یہ وہ عقل اس کو جگہ نہیں کہہ سکتے
مقام تھا کہ

یہ وہ مقام تھا جہاں سمتوں کا تعین ہی نہ رہا
وقت اور جگہ کا وجود بے معنی ہو گیا

درمیان سے نظر کا غبار فنا ہوا اور، دیکھنے والا ہمہ تن دید ہو گیا
(دیکھنے والے اور دیکھنے کی شے کے بیچ میں نظر واسطہ ہے، شاعر یہ قرار
دیتا ہے کہ بیچ میں نظر واسطہ نہ ہو تو دید سے حقیقت شے معلوم ہو)

بغیر سمت اور رخ کے آں حضرت
آسمانوں اور زمین کے نور (وجود خداوندی) کی طرف متوجہ ہوئے

جمالِ بسیط نے (وہ خوبی جس کا تجزیہ نہ ہو سکے) دیکھنے کو فنا کر دیا
خود اس ذات کی موج (مثل موج محیط کے) نظر کی روشنی ہو گئی

یہاں سننے کی قوت عجیب کلام نے فنا کر دی
اس کلام میں نہ حرف تھے نہ آواز

ذات علم کی بے رنگی اس کلام میں تھی
جیسے عقل سے کسی حقیقت کا ادراک کہ اس میں سننے کو دخل نہیں۔

نخستین دراز "لا" کشود آن رواق
ز "لا" بصدرا ندرش پیش طاق

برالاً رسیدوز "لا" درگزشت
رسیدن ز پیوند جا درگزشت

دراں خلوت آباد راز و نیاز
بروئے دوئی بود چون درقراز

نماند اندر احمد ز میمش اثر
که آن حلقه بود بیرون در

احد جلوه گر با شیون وصفات
نبی محروق چون صفت عین ذات

فروغی به مهر جهان تاب در
بهر ذره تابے ازان تاب در

ز خورشید ناگشته پرتو جدا
محیط ضیا خود محیط ضیا

محل کا پہلا دروازہ لا (ما سوائے اللہ کی نفی) تھا
اس کی محراب کی صدر میں اِلَّا (اثباتِ ذاتِ احد) تھا

نبی نفی غیر اللہ کے مرحلے سے گذر کر اِلَّا اللہ (توحید کے اثبات) پر پہنچے
پہنچنا یہاں جگہ میں نہ تھا (یعنی مقام کے تصور سے جدا تھا)

راز و نیاز کے اس خلوت میں دوئی پر دروازہ بند تھا
وحدت ہی وحدت تھی اور دوسرے وجود کا گذر نہ تھا اس لئے

احمد میں ”میم“ کا نشان بھی نہ رہا (وہ احد ہو گیا)
کیونکہ وہ (میم) خارج از حقیقت تھا

اپنی شان اور صفات کے ساتھ یہاں صرف ”احد“ کا ہی جلوہ تھا
نبی کا وجود خدائے واحد میں یوں گم ہو گیا جیسے صفت عین ذات ہو

جس طرح سورج میں روشنی سی ہے
کہ اس سے ہر ذرہ میں روشنی ہے

سورج سے اس کا پرتو یا روشنی جدا نہیں
روشنی کا سمندر خود روشنی کا محیط ہے، دونوں کے درمیان دُوئی نہ ہوگی۔

رقم هائے اندازہ ہر شمار
ہمان از شگاف قلم آشکار

دو عالم خروش نواہائے راز
ولیکن ہمان در خم بند ساز

ورق در ورق نکتہ دلپذیر
ولیکن ہمان در خیال دبیر

ز گفتن شنیدن جدائی نداشت
نمودن ز دیدن جدائی نداشت

چو انداز ہر نمائش گرفت
ز وحدت بہ کثرت گرائش گرفت

بحکم تقاضائے حُبِ ظہور
تنزل در اندیشہ آورد زور

اُحد کسوت احمدی یافتہ
دم دولتِ سرمہ دی یافتہ

جس طرح ہر حساب کے اعداد کی تحریر
شگاف، قلم سے غمو دار ہوئی ہے

دونوں عالم راز کی نواؤں کا خروش ہیں
لیکن وہ آوازیں ساز کے جوڑ بند میں قید ہیں

ایک سے ایک پسندیدہ نکتہ ورقوں پر پھیلا پڑا ہے
لیکن صاحب قلم کے خیال میں ہی اُن کا وجود ہوتا ہے

کہنے اور سننے میں کوئی علیحدگی نہیں تھی،
دکھانا اور دیکھنا (شہود اور مشاہدہ) ایک ہی تھا

لیکن جب اس نے نمائش کا انداز اختیار کیا
وحدت نے کثرت کی شکل پائی

ظاہر ہونے کی خواہش نے ارادہ کیا تو (ظاہر ہونے کی خواہش کے تقاضے سے)
بلندی سے نیچے قدم رکھا اور خیال نے تخلیق کا جامہ پہنا (بلند ہستی سے تنزل یا نیچے
آنے کا خیال کیا) اشارہ ہے اس حدیث کی طرف: ”كُنْتُ كُنْزًا مُخْفِيًا فَا
حَبِثْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَاَخْلَقْتُ الْخَلْقَ“: (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا چاہا کہ پہچانا
جاؤں تو دنیا کو پیدا کر دیا)

احد (خدائے واحد) نے ذات احمد کا لباس اختیار کیا اور
اس نے پہچان کی دولت پائی

بکوشش ز طبع وفا کوش او
همان میم او حلقه گوش او

بهر گونه بخشش سرافراز گشت
هم از حضرت حق باز گشت

بیامد بدیسی خاک دای بید رنگ
چو در جوئی آب و چو بر روئی رنگ

نرفته بروی پائی از نقش پائی
که کرده قدم بر قدم گاه جائی

شرارے کہ از سنگ آن آستان
بدر جست از نعل برق جہاں

هنوزش قدم در ره اوج بود
کہ آمد ز بالا بہ پستی فرود

بجذبش درش حلقه در همان
زوی گرم بالیسی و بستر همان

چوں کہ فطرتِ احمدی میں وفا بھری تھی
میم کا یہ فاصلہ ان کی بندگی کا اظہار بن گیا

ہر قسم کی بخشش سے سرفراز ہوئے
حق کے سامنے حضوری کے مرتبے سے واصل بہ حق ہوئے

وہ (خدا کی پیش گاہ سے) خاکی دنیا میں یوں بے تاخیر آئے
جیسے نہر میں پانی اور چہرے پر رنگ آ جاتا ہے

جتنی دیر میں نشانِ قدم سے قدم اٹھے
اتنی ہی دیر میں وہ اپنے مسکن پر آگئے

جو چنگاری ان کے آستانے کے پتھر سے
براق کی نعل کی رگڑ سے نکلی، (جب براق آپ کو لینے آیا تھا)

ابھی وہ شرار اور اوپر ہی جا رہا تھا
کہ وہ معراج کا سفر طے کر کے نیچے اتر آئے

باہر جاتے وقت دروازے کی جنبش سے زنجیر کا حلقہ ہلاتھا، وہ اسی طرح مل رہا تھا
بستر اور تکیہ پر ان کے جسم کی گرمی اسی طرح موجود تھی کہ واپس آگئے

سرے را کہ رحمت نهد در کنار
در آورد محبوب پروردگار

بخوابی کہ بیداری بخت او
ز تار نظر بافتے رخت او

سحر گہہ کہ وقت سجودش رسید
ز ہم نام یزدان درودش رسید

بشادی در آمد علیٰ از درش
وصال علیٰ شادی دیگرش

شب از بادۂ قدس ساغر گرفت
صبوحی ز دیدار حیدر گرفت

جمالِ علیٰ چشمۂ نوش بُود
صبوحی ہم از بادۂ دوش بُود

دوہمراز باہمدگر راز گوئے
نشانہائے بینش بہم باز گوئے

وہی سر جو رحمت پروردگار کی آغوش میں تھا،
محبوب خدا کا وہ سر نیند کے عالم میں داخل ہو گیا

کیا نیند تھی کہ قسمت کی بیداری
اپنی نظر کے تار سے اس کا تانا بانا تیار کر رہی تھی

صبح ہوتے جب سجدے (نماز) کا وقت آیا تو،
انھیں خدا کے ہم نام (علی) کی طرف سے درود کی آواز آئی

علی ان کے دروازے میں خوش و خرم داخل ہوئے اور
(خدا کے بعد) علی سے ملنا ایک اور خوشی کا سبب ہو گیا

رات کو انھوں نے نورِ قدسی کا ساغر پایا اور
صبح علی کے دیدار کا جام ملا

حضرت علی کا جمال ایک خوشگوار چشمہ تھا اور
صبوحی کا جام ملا تو وہ بھی کل والی صہبائے جلوہ کا تھا
(نورِ علی بھی نورِ خداوندی کا ہی حصہ تھا)

دونوں ہم راز ایک دوسرے سے راز کی بات کرنے لگے اور
بصیرت کی نشانیاں ایک دوسرے کو بتانے لگے

دو چشم مست و هر چشم را بنیشیست
ولی آنچه بیند هر دو یکسیست

نه گنج دوی در نبی و امام
علیه الصلوٰۃ علیه السلام

آنکھیں دو ہیں ، ہر ایک کی نظر جدا جدا ہے ، لیکن دونوں آنکھیں
جو کچھ دیکھتی ہیں وہ حقیقت ایک ہی ہے

ایک نبیؐ ہے ایک امامؑ ، اُن کے درمیان کوئی دوئی نہیں ہے
نبیؐ پر درود ہو علیؑ پر سلام

نعت و منقبت

نعت مصطفیٰ بشمول منقبت مرتضوی

چون تازه کنم در سخن آئین بیان را
آواز دهم شیوه ربا هم نفسان را

رقصد قلمم بیخود و من خود زره مهر
برزهره فشانم اثر جنبش آن را

در زمزمه دربر رخ داؤد کشایم
تا بهره فرستد زره گوش زبان را

جبریل دود در هوس فیض سروشم
چندانکه چکاند چو خوی از روی روان را

هر گه که بمشاطگی ناز کشایم
پیچ و خم جمع نفس عطر فشان را

رضوان دود از حلقه حوران بره باد
افکنده ز کف غالیه و غالیه دان را

هر گه که به گوهر کده راز نهم روی
آوردن آرایش سیمای بیان را

در راه گهر ریزه فشاتم که پس از من
زین جاده شناسند ره گنج نهان را

هان وایه پرستان ز جواهر مشایید
تلخاب رگ قلزم و خونابه کان را

گوهر کده راز بود عالم معنی
وز لفظ گهر ریزه بود وادی آن را

لفظ کهن و معنی نودر ورق من
گوئی که جهانست و بهارست جهان را

آن دیده به لفظم نگرد نازش معنی
کاندرتن یوسف نگرد شادی جان را

فرزانه زهر خانه که فیضی رسدش خاص
خواهد شرف ذات خداوند مکان را

نازم روش زهره که در شکر گزاری
از حوت به تثلیث ببیند سرطان را

چون من ز سخن یافتم این مرتبه خواهم
کز عرش فراتر نگرم پایه آن را

وین پایه در آنست سخن را که ستایم
ممدوح خداوند زمین را و زمان را

آن کز اثر گرم روی در شب معراج
در بال ملک سوخت نشاط طیران را

شاهی که پی سجدۀ خاک کف پایش
ارزش نبود جز سر صاحب نظران را

حق تا بفرستاد ز غیبش بشهادت
کز خاطر این نشأه برد رشک جنان را

از فرط محبت که بدان جان جهان داشت
نگذاشت قضا سایه آن سروروان را

در کشور لطفش کنی از شهر و دهی فرض
زانگونه در آنجا نگری امن و امان را

کز فرط رواج زرو بیکاری آهن
بر سنگ محک رشک بود سنگ فسان را

در موقف قهرش نگری بر روش داد
دار و رسن و درّه و شمشیر و سنان را

از بهر ثنا گستری تست و گرنه
اندازه گفتار نبودی حیوان را

از بهر ثنا قدم تست و گرنه
ایزد به کف خاک ندادی دل و جان را

گر بارخ عشاق تو تشبیه دهندش
گلگونه شود خلد برین رونم خزان را

نازم بکسانی که به تشبیه خم تیغ
دیدند بر ابرو تو ماه رمضان را

در عالم عدل تو بمهر رمة دشت
گرگان ستم پیشه رقیب اند شبان را

در نکته گراز قعر جهنم سخنی رفت
در مضجع خصم توره افتاد گمان را

آن کیست که بیند چو بر رفتار داری
بر اوج سما رخس دلاویز عنان را

این بس که به تسکین دل از سایه تنگش
اندیشه بدل جای دهد کاهکشان را

رفتار تو آن کرد با فلاك ز شوخی
کز چاک بود خنده بر افلاك کتان را

هر چند شناسنده هر راز شناسم
آن چشم نهان بین و ضمیر همه دان را

لیک از تف آن زهر که غم در قدحم
ریخت

لب تشنگی ذوق بیانست عیان را

فریاد رسا داد ز بی برگی ایمان
کاین نخل بتاراج فنا رفت خزان را

در خویشتن ایمان شرم لیک ازان دست
کاندر تن محبوب شمارند میان را

از عمر چهل سال بهنگامه سرآمد
سرمایه ببازیچه تلف گشت دکان را

روز آخر و من سست پی و قافله بس دور
در پاخته ام از غم ره تاب و توان را

زین روی که طاعت نکند لیک خداوند
از من نبرد مایه آرایش خوان را

هر گه که خورم نان تنم از شرم گدازد
چندانکه ز خویش آب کشم دست و دهان را

در جلوه پرستم رخ و گیسوی صنم را
در شیوه پسندم روش و کیش مغان را

در قاعده سجده سر از پا نشناسم
در روزه ز شوال ندانم رمضان را

گیرم که نهادم بود از سجده لبالب
اے وای گراز ناصیه جویند نشان را

شرع آنهمه خودبین و من این مایه سبکسر
کز ساقی کوثر طلبم رطل گران را

تا نام می و ساقی کوثر بزبان رفت
صدره لبم از مهر ببوسید زبان را

آن قوت بازوی تو کز برق نهیبش
ریزد جگر و زهره زهم شیر ثیان را

در کیش تو ناتافته رو از دم شمشیر
بر خصم تو نکشاده کمین پشت کمان را

آن اصل نژاد تو که در عالم بینش
یابند ازو گرز تو جویند نشان را

گرد سر آن کس که بدوش تو نهد پای
گردش بود از راه ارادت دوران را

دوران تو و یار تو فرخنده قرائیست
در طالع من جلوه دو آثار قران را

زان رو که امیدم بگرانمایگی تست
در خاطر من را نبود بیم و زیان را

پرواز مرا شوق تو شهپر بود ارده
کو قدرت گفتار من هیچمدان را

در پیچ و خم هستی موهومی من بین
آویزش بخت دژم و طبع جوان را

من این همه بے دستگی و خامه گهرپاش
در دست تھی تا چه شمارست بنان را

از غالب دلخسته مجو متقبت و نعت
دریاب بخون جگر آغشته فغان را

بیان نموداری شان نبوت ولایت
که در حقیقت پرتو نور الانوار
حضرت اوسیت ست
(ترجمه: ڈاکٹر ظ. انصاری)

بعد حمد ایزد و نعت رسول
مینگارم نکته چند از اصول

تا سوادش بخشد اندر رسم و راه
دیده و ر را شرمه اعمی را نگاہ

حق بود حق، کآمد از نورش پدید
آسمان ها و زمین ها را کلید

نور محض و اصل هستی ذات اوست
هرچه جز حق بینی از آیات اوست

تا بخلوت گاہ غیب الغیب بود
حسن را اندیشه سر در جیب بود

صورت فکر این که باری چون کند
تا از جیب سر بیرون کند

خدا کی تعریف اور رسول خدا کی نعت کے بعد میں کچھ اصول دین کے نکلتے لکھتا ہوں

تاکہ اُن کی عبارت (سیاہی تحریر) دین و مذہب میں صاحب نظر کو نمرہ اور ناپینا کو
پینائی عطا کرے

اُس (خدا) کے نور سے جو نور ظاہر ہوا و حق ہے ، وہ زمینوں
اور آسمانوں کی کنجی ہے

نور محض اور موجودات کی اصل اسی (پیدا کرنے والے) کی ذات
ہے حق کے سوا (ما سوا اللہ) جو تمہیں نظر آتا ہے وہ اس کی نشانیوں
میں سے ہے

جس وقت تک حُسن (ازلی) غیب الغیب کی تنہائی میں رہا تب
تک اسے ایک خیال تھا،

فکر اس بات کی کہ وہ کس طرح غیب کر کے
پردے سے ظہور میں آئے

جلوه کرد از خویش هم بر خویشان
داد خلوت را فروغ انجمن

جلوه اول که حق بر خویش کرد
مشعل از نور محمد پیش کرد

شد عیان زان نور در بزم ظهور
هر چه پنهان بود از نزدیک و دور

همچو آن ذرات کاندرباب مهر
از نقاب غیب به نمایند چهر

مهر بر ذرات پرتو افگنست
عالم از تاب یک اختر روشنست

نور حقست احمد و امان نور
از نبی در اولیا دارد ظهور

هر ولی پرتو پذیرست از نبی
چون مه از خود مستنیرست از نبی

چناں چہ اس نے اپنا جلوہ اپنے اوپر ہی کیا اور یوں خلوت کو
جلوت کی رونق عطا کر دی

حق نے اپنے اوپر ، جو پہلا جلوہ کیا تو
محمدؐ کے نور کی مشعل سامنے رکھ دی

اُس نور کی مشعل سے جو کچھ عالم ظہور میں دُور نزدیک تھا
وہ عیاں ہو گیا

مثل اُن ذڑوں کے جو سورج کی روشنی پڑتے ہی غیب کی
نقاب اُلٹ کر صورت دکھانے لگتے ہیں

سورج ذڑوں پر عکس ڈالتا ہے تو ساری دُنیا ایک ستارے
(آفتاب) کی بدولت روشن ہے

احمد خدا کا نور ہے ، اور نبیؐ سے دلیوں میں
نور کی چھوٹ پڑتی ہے

ہر ایک ولی کو نبیؐ سے شعائیں پہنچتی ہیں، جس طرح سورج
سے چاند روشنی لیتا ہے اسی طرح نبیؐ سے ولی روشنی پاتے ہیں

جلاوہٗ حُسنِ ازلِ مستور نیست
لیکِ اعلیٰ را نصیب از نور نیست

از نبی و از ولی خواهی مدد
حیف پنداری که ناجائز بود

بر نیاید کاری فرمان شاه
لیک آینه است با خاصان شاه

هر که او را نور حق نیرو فزاست
هر چه از وی خواستی هم از خداست

بر لب دریا گر آبی خورده
آب از موجی بجام آورده

آب از موج آید اندر جام تو
لیکن از دریا بُود آشام تو

وقت حاجت هر که گوید یا علی
با حقش کارست و پوزش با علی

نورِ الہی کا جلوہ مٹھیا ہوا نہیں ہے،
لیکن نابینا کو نہیں سوجھتا

نہی اور ولی سے مدد چاہیے تو ہرگز یہ نہ سمجھ لینا
کہ ایسا کرنا جائز نہیں

اگرچہ بادشاہ کے حکم کے بغیر کام نہیں بنتا تام بادشاہ کے
خواص ہی آئین یا (قوانین مشیت) جانتے ہیں

وہ جس کو نورِ حق قوت پہنچاتا ہے اس سے جو کچھ دعا کرد وہ خدا
سے دعا ہے

اگر دریا کنارے پانی پیو تو یہ پانی
موج سے ہو کہ ہی جام میں آئے گا

تمہارے جام میں پانی موج سے آئے گا
لیکن جو کچھ پیو گے وہ دریا ہی کا پانی ہے

حاجت میں اگر کوئی علی کو پکارتا ہے تو اس کا معاملہ خدا سے ہے
اور خطابِ علی سے

‘یا محمد’ جان فرازید گفتنش
‘یا علی’ مشکل کشاید گفتنش

چون اعانت خواهی از یزدان پاک
‘یا معین الدین’ اگر گوئی چه پاک

ابلهان را زانکه دانش نارساست
گفتگوها بر سر حرف نداشت

مولوی معنوی عبدالعزیز
وان رفیع الدین دانشمند نیز

شاه عبدالقادر دانش سگال
کایس دوتن را بود در گوهر مال

بُردن نام نبی و اولیا
خود روا گفتند با حرف ندا

وان دگر فرزانه قدسی سرشت
رهنمائے مسلک پیران چشت

جب اس کی زبان پر ”یا محمد“ آتا ہے تو اس کی جان میں جان آ جاتی ہے۔ اور ”یا علی“ کہنے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

اگر خدائے پاک سے مدد چاہنے میں تمہاری زبان پر ”یا معین الدین“ (خواجہ امیر) آ جاتا ہے تو اس میں کیا ہرج ہے؟

بے وقوفوں کی عقل چوں کہ کوتاہ ہوتی ہے اس لئے وہ پکارنے کے لفظ پر بحث کرتے ہیں (یعنی یا محمد اور یا علی کہنے پر معترض ہیں)

شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین
جیسے دانش مند نے (ان کے بعد)
شاہ عبدالقادر

جیسے صاحب عقل و ہوش نے، جن دونوں کی اصل ایک تھی (یعنی دونوں شاہ ولی اللہ کے فرزند تھے) نبی اور اولیاء اللہ کا

نام پکارنا یعنی انھیں حرف ندا سے خطاب کرنا جائز قرار دیا ہے۔

پھر وہ فرشتہ سیرت مرد دانا یعنی چشتیہ سلسلے کے بزرگ گزرے ہیں، جو اپنے زمانے کے شیخ

آنکه شیخ وقت و خضر راه بود
نام والایش کلیم الله بود

گفت : استمداد از پیران رواست
هرچه پیر راه گوید آن رواست

کی غلط گوید چنین روشن ضمیر
خرده بر قول کلیم الله مگیر

همچنین شیخ المشائخ فخر دین
آفتاب عالم علم و یقین

همبرین هنجار و آئین بوده است
شیخ ماحق گوی و حق بین بوده است

تانه پنداری ز بیران خواستیم
حاجت خود را ز یزدان خواستیم

لیک درپوش بدرگاه رفیع
ماهی آریم پیران را شفیع

اور رہنمائے اعظم تھے،
جن کا نام نامی شیخ کلیم اللہ تھا

انہوں نے کہا کہ پیروں اور بزرگوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے
پیر فریقت جو کہہ دے وہ صحیح ہے۔

وہ (کلیم اللہ جیسا) روشن دل بزرگ غلط کیسے کہہ دے گا،
اُن کے قول پر نکتہ چینی مت کرو۔

اسی طرح روحانی بزرگوں کے بزرگ
مولانا فخر الدین جو علم اور یقین کی دنیا
کو زندگی دینے والے ہیں، یہی طریق رکھتے

تھے۔ ہمارے پیر و مرشد حق بات کہنے اور
حق دیکھنے والے آدمی ہیں

یہ مت سمجھ لینا کہ ہم پیروں سے دعا کرتے ہیں، ہم تو اپنی
ضرورت خدا کے پاس لے جاتے ہیں

لیکن خدا کے دربار میں غدر و انکسار کرتے وقت ہم ان
پیروں کی سفارش چاہتے ہیں۔

ایس چنیس پوزش روا تَبود چرا
بمٹ با عارف خطا تَبود چرا

ورسخن در مولد پیغمبرست
بزمگاه دلکش و جان پرورست

خود حدیث از سرور دین میرود
میرود وانگه بآئین میرود

سعی ما مشکور و نقد ما روا
چیست آن کان را شماری نا روا

نکته موی مبارک جانفزاست
بارگ جانش همی پیوندهاست

برتن نیکوتر از جان رسته است
لا جرم از آب حیوان رسته است

دلنشین ما بود زان روی موی
وه که گرداند کسی زان روی موی

یہ عذر یا وسیلہ طلبی بھلا جائز کیوں نہ ہوگی، خدا کی معرفت رکھنے والے سے بحث کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اور اگر میلادِ نبیؐ کے بارے میں کلام ہے تو وہ ایک دلکش اور رُوح پرور بزم ہے

خود رسول اللہؐ کی حدیث ہے اور حدیث ضوابطِ روایت کے مطابق ہے۔

ہماری کوشش قابلِ قبول اور ہمارا نقد عمل کھرا ہے اب تم کس بات کو ناجائز قرار دیتے ہو؟

(رسول اللہؐ کے) مبارک بال کی مہک جانفزا ہے، اُن کی رگِ جاں سے اُس کے گہرے رشتے ہیں۔

(رسولؐ کے بال) ایسے جسم پر اُگے جو رُوح سے زیادہ لطیف تھا، لازم بات ہے کہ آبِ حیات سے اس کی آبیاری ہوئی ہے۔

اسی لئے موعے مبارک ہمارے دل میں جگہ رکھتے ہیں، افسوس اس پر جو کوئی اس سے رُوگردانی کرے۔

هر کرا دل هست و ایمان نیز هم
چون نوزد عشق با "نقشِ قدم"

در ره دین تا قدم به نهاده اند
عشق بازان را نشانها داده اند

برد از خویشیم دو صد فرهنگ رشک
می برم زین نقش پا بر سنگ رشک

نقش پائی کای چنی افتاده است
اهل دل را دل نشین افتاده است

کی نشیند در دل آن بد گهر
کش دلی از سنگ باشد سخت تر

بوی پیراهن بمصر آرد صبا
دیده یعقوب زویا بد جلا

برردا و پیرهن کز مصطفی است
جان نیفشاندن ز امت کی رواست

جس کے (سینے میں) دل ہے اور ایمان بھی ہے وہ (رسولؐ کے)
نقشِ قدم سے عشق کیوں نہ کرے گا!

(رسولؐ سے) عشق کرنے والوں نے دین کی راہ میں قدم رکھا
تو اُن کی نشانیاں دی گئیں۔

نشانِ قدم دیکھ کر مجھے اس پتھر پر اتنا رشک آتا ہے کہ اپنے وجود
سے دو سو کوئی دُور ہو جاتا ہوں (یعنی اس رشک میں کہ بجائے اس
کے میرے اوپر نقش کیوں نہ ہوا، اپنی ذات سے ایسا تنفر ہوتا ہے کہ اس سے دوسو
فرسنگ کی دوری ہوتی ہے۔

یہ نقشِ قدم جو (پتھر پر) اس طرح بنا ہوا ہے،
اہلِ دل کے دل نشین ہے۔

لیکن اس بد ذات کے دل میں یہ نقش کیسے جگہ بنائے جس کا دل
پتھر سے زیادہ سخت ہے!

ہوامر سے (پوسٹ کے) پیرہن کی خوشبو ارڑ کر لائی تو یعقوبؑ
کی آنکھوں میں نورِ دُور ڈل گیا۔

مصطفیٰ کے چادر اور کرتے پر، (جس میں اُن کے بدن کی خوشبو
ہو) امت کیسے جان نثار نہ کرے!

در عرب بود ست منعم زاده
قیس نامی دل به لیلی داده

برسگی کز کوچه لیلاستی
قیس از خویشش فزدد تر خواستی

میتوانی گفت هان ای تن پرست
پیر کنعان بود پیراهن پرست

یا توان گفتن که خود چون بوده است
سگ پرستی کیش مجنون بوده است

”حاش لله! کایس چنین باشد نورد
رفت از حد سوء ظن کافر نکرد

عشق گربا پیرهن و ربا داست
نیست بهر جامه از بهر خداست

حق فرستادست بهر ما رسول
گرده ایم از بهر حق دینش قبول

عرب میں قیس نام کا ایک رئیس زادہ تھا،
جس نے لیلے کو دل دے دیا

لیلیٰ کی گلی کے کتے کو وہ اپنے
آپ سے بہتر سمجھتا تھا۔

اے ظاہر پرست، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ کنعاں کے بزرگ (یعقوب) پیراہن کی
پرستش کرتے تھے؟

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود مجنوں ایسا تھا کہ سگ پرستی اس کا
ایمان بن گئی؟

توبہ توبہ، کہیں یہ راہ (راست) ہو سکتی ہے۔ ایسا حد سے
گزر اگمان تو کافر نے بھی نہیں کیا۔

اگر کرتے اور چادر سے عشق ہے تو یہ کوئی لباس کی وجہ سے
نہیں بلکہ خدا کی وجہ سے ہے۔

خدا نے ہمارے لئے رسول بھیجا اور ہم نے خدا کے لئے اس کا
دین قبول کیا۔

گر بسوی خواجه رو آریم مَا
دوست از بهر حقش داریم مَا

چون نه گردد طالب دیدار دوست
شادان نظاره آثار دوست

ای که بُردی بهره از خوانِ نبی
برده از ییاد احسان نبی

آمد و آورد پیغام از خدا
”لوحش اله“ مرحبا نام خدا

جاده راهی نمایان گرد و رفت
راه رفتن بر تو آسان گرد و رفت

چون تو کی از نا سپاسانیم مَا
پیرو ایزد شناسانیم مَا

حق پرستان جمله این ره رفته اند
زان که با دلهای آگه رفته اند

اگر ہم خواجہ (سردار دین) کی طرف رخ کرتے ہیں تو خدا
کی وجہ سے ہی اُن سے محبت کرتے ہیں۔

اپنے محبوب کی نشانیوں کو دیکھ کر محبوب کے دیدار کا طالب
کیوں نہ شاد ہو۔

تم نے تو نبیؐ کے خوانِ کرم سے فیض اٹھایا ہے۔ پھر بھی اُن کا
احسان بھلا دیا۔

نبیؐ آیا اور خدا کی طرف سے پیام لایا، آفریں، اُس کی آمد
خوش کن، چشم بد اُس سے دُور

نبیؐ نے (ایمان کا) راستہ دکھایا اور رخصت ہو گیا، سفر کی
راہ تم پر آسان کر کے گزر گیا (مذہب کا لفظی ترجمہ: راہِ سفر)

تمہاری طرح ہم کب ناشکرے ہیں۔ ہم تو عارفانِ خدا کی
پیروی کرتے ہیں

سارے خدا پرست اس راہ پر چلے ہیں اور وہ اس لئے چلے
کہ اُن کے پاس حقیقت آشنا دل تھا۔

از ره حق جان بجانان دادگان
خالصاً لله بود اخلاص ما

عرس و این شمع و چراغ افروختن
عود در مجمر بر آتش سوختن

جمع گشتن دریکه ایوان همی
پنج آیت خواندن از قرآن همی

نان بنان خواهندگان دادن دگر
مرده را رحمت فرستادن دگر

گرپی ترویج روح اولیاست
در حقیقت آنهم از بهر خداست

اولیا را گر گرامی داشتیم
نزیی رومی و شامی داشتیم

از برای آنکه این آزادگان
اصل ایمانست طرز خاص ما

ہمارا خاص شیوہ ایمان کی اصل بنیاد ہے، ہمارا اخلاص محض اللہ کے لئے ہوتا ہے۔

اگر (دینی بزرگوں کا) عرس منایا جاتا ہے، چراغاں ہوتا ہے، شمعیں روشن کی جاتی ہیں، انگھیٹی میں خوشبو جلاتے ہیں،

ایک مقام پر لوگ جمع ہوتے ہیں، اور قرآن کی پانچ آیتیں پڑتے ہیں، روٹی مانگنے والوں کو روٹی دی جاتی ہے۔

اور اپنے مُردوں کی رُوح کو ثواب پہنچایا جاتا ہے تو یہ سب خدا کے پسندیدہ بندوں کی

رُوحوں کو ثواب پہنچانے کے لئے سہی لیکن دراصل خدا کے لئے (خدا کی راہ میں) کیا جاتا ہے۔

اگر ہم اولیا کو عزیز رکھتے ہیں تو ان کے رومی و شای ہونے کے سبب نہیں بلکہ وہ اس لئے (عزیز ہیں)

کہ ان آزاد انسانوں نے راہِ راست پر چل کر اپنے محبوب پر جان قربان کر دی۔

از شهود حق طرازی داشتند
با خدای خویش رازی داشتند

نور چشم آفرینش بوده اند
شمع روشن ساز بینش بوده اند

حق پرستانرا بباطل کار نیست
محولیلی را به محمل کار نیست

گر نه از لیلی بود دیدار جوی
که به محمل آورد دیوانه روی

گرچه بالیلیست حرف از جان زدن
لیک بر محمل لکد نتوان زدن

آن ولی دریاد حق مستغرقست
عین حق گر نیست خود محو حقست

حق بود پیدانهاں دیگرچه ماند
چون ولی رفت از میان دیگرچه ماند

وہ مشاہدہ حق کا طریقہ جانتے تھے،
اور اپنے خدا سے راز و نیاز رکھتے تھے۔

یہ لوگ عالم موجودات کی آنکھ کا نور تھے جنہوں نے بصیرت کی
شمع روشن کر دی۔

حق کے ماننے والوں کو باطل سے کیا کام ! جو لیلیٰ پر مٹا ہوا ہو
اُسے محمل سے واسطہ نہیں ہوتا۔

اگر عشق کے دیوانے کو لیلے کے دیدار کی تمنا نہ ہوتی تو وہ محمل کی
طرف رخ نہ کرتا۔

اگرچہ لیلیٰ کے ساتھ اپنی جان کی بات کرنا چاہتا ہے تاہم
محمل کو لات نہ مارے گا (کیوں کہ اس کو لیلیٰ سے علاقہ ہے)

خدا کا ولی جو خدا کی یاد میں ڈوبا ہوا ہے وہ بذات خود حق (خدا)
نہ سہی، تام حق میں محو تو ہے۔

جب ولی ذات حق میں محو ہو اور جو کچھ بھی ظہور میں ہے وہ حق
ہے تو اب باقی کیا رہا (سوائے حق کے)؟

خیز تا حدّ ادب داری نگاه
بی ادب را بر دم تیغ ست راه

با ولی آویختی دیوانه
یا بر آتش ریختی پروانه

نیستی عارف که گویم خود مباش
بد مبین و بد مگوی و بد مباش

بد شمردی رهروان پیش را
رهرو چالاک گفتی خویش را

گر سفر اینست منزل که کجاست
'لا اله' گفتی و 'الا اله' کجاست

هست رسم خاس در هر مرز بوم
خود چه میخواستی ز نفی این رسوم

نفی رسم کفر ما هم می کنیم
داد با دانش فراهم می کنیم

اٹھو ، ہوشیار ہو تاکہ ادب کا پاس رہے
بے ادب کا راستہ تلوار کی دھار پر ہوتا ہے

(اللہ کے) ولی سے الجھے ہو، دیوانے ہوئے ہو،
یا پروانے ہو کر آگ پر گرتے ہو؟

تم عارف خدا نہیں ہو کہ تم سے خودی مٹانے کو کہوں (البتہ) بُرا نہ
دیکھو، بُرا نہ کہو، بُرے نہ بنو۔

اگلوں کو تم نے بُرا سمجھا اور خود کو (شریعت کی راہ کا) بڑا ہوشیار
مسافر کہا۔

اگر (تمہارا) سفر یہی ہے تو پھر منزل کہاں ہوگی۔ اللہ کے سوا
سب کی نفی کر چکے تو اللہ کا اثبات کہاں ہے؟

ہر ایک سرزمین کی رسم ریت ہوتی ہے، ان رسموں کے انکار سے
تمہارا منشا کیا ہے؟

ہم بھی کفر کی رسم سے انکار کرتے ہیں عقل و انصاف کا شیوہ
اختیار کرتے ہیں۔

نفی کفر آئین ارباب صفاست
نفی فیض ای تیره دل رسم کجاست

نفی رسم و ره هوارا می کشد
نفی فیضست اینکه مارا می کشد

ای گرفتار خم و پیچ خیال
نفی بی اثبات نبود جز ضلال

ورتو گوئی 'میکنم اثبات حق'
از چه روئی منکر آیات حق

دانم از انکار انکار آوری
پیچشی در زلف گفتار آوری

منکر اثبات گوئی نیستم
من حریف ایس دوروئی نیستم

اولیا خاصان شاهی نیستند
یعنی آیات الهی نیستند

کفر سے انکار کرنا پاکیزہ لوگوں کا دستور ہے، لیکن اے سیاہ
باطن لوگو! (یہ تو بتاؤ) فیض سے انکار کرنا کہاں کی رسم ہے؟

ریت رسم کا انکار خواہشِ نفسانی کو مارتا ہے مگر جو فیض پہنچتا
ہے اس سے انکار ہم کو مار ڈالتا ہے

خیالات کی بُھول بُھلتیوں میں پھنسنے والے، یہ محض گمراہی ہے کہ
انکار تو ہو مگر اس کے ساتھ اقرار نہ ہو۔

اور اگر تم کہو کہ میں حق کا اثبات کرتا ہوں، تو پھر خدا کی
نشانیوں (یعنی اولیا) سے انکار کیوں کرتے ہو؟

مجھے معلوم ہے کہ تم انکار سے انکار کرتے ہو اور بیان کی زلف
کو (خواہ مخواہ) الجھاتے ہو۔

تم کہتے ہو کہ میں (حق کے) اثبات کا منکر نہیں ہوں، مگر میں
اس دوزخی کو نہیں مانتا۔

(اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو) اولیاء اللہ خاصانِ خدا نہ
ہوئے اور اللہ کی نشانیاں ان سے ظاہر نہیں ہوتیں۔

(تو پھر) عیبوں سے جو معجزے ظاہر ہوئے ، وہ کس کی نشانیاں
ہیں اور یہ صفات کس کی ذات کی بدولت پائی جاتی ہیں؟

تم اس سے بھی انکار کرتے ہو اور اُس بے بھی (یعنی اولیا سے) تو
پھر حق سے تمہاری کیا مراد ہے (کیونکہ ان اولیا کی ہستی عین ذاتِ حق ہے)

جب تمہارا انکار اس حد کو پہنچا ہوا ہے تو پھر وہ کون سی آیت
(نشان) ہے تو تم نے قبول کی؟

میں نے کوئی بُری بات نہیں کہی اور اگر کہہ دی ہو تو بُرا مت
ماننا، ذرا اپنے دل میں سوچو کہ تم نے کس کو بُرا کہا۔

تم تو دین و دنیا کے آقا سے انکار کرتے ہو، جن ہستیوں کو
یقین کا مرتبہ حاصل ہے اُن کے منکر ہو۔

دکھے ہوئے دل کے ساتھ، جس میں کینہ ہیں ہے، اگر میں
منکروں کا انکار کروں تو کیا ہرج ہے!

شعر میں اپنے دل کا دکھ بیان کرنا، بحث چھیڑنا نہیں ہے، میں
ایک رند آدمی ہوں، مجھے بحث کرنا نہیں آتا۔

من سبک و رحم گراں جان نیستم
مد نشان پیداست پنهان نیستم

وین که می گوئی توانا گردگار
چون محمد دیگری آرد بکار

با خداوند دو گیتی آفرین
ممتنع نبود ظهوری این چنین

نغز گفתי نغز تر باید شتفت
آنکه پنداری که هست اندر نهفت

گرچه فخر دوده آدم بود
هم بقدر خاتمیت کم بود

صورت آرایش عالم نگر
یک مه و یک مهر و یک خاتم نگر

این که میگویم جوابی بیش نیست
مهر و مه زان جلوه تابی بیش نیست

میں ہلکی پھلکی طبیعت والا، میرے سینے پر بوجھ نہیں رہتا۔ سیکڑوں نشانات ظاہر ہیں، میں کوئی پوشیدہ نہیں ہوں۔

اور یہ جو تم کہتے ہو کہ خدائے قادر چاہے تو محمدؐ کی مثل دوسرا پیدا کر دے۔

جس خدا نے دونوں دنیا کی پیدا کی ہیں، اس کی ذات سے یہ ناممکن نہیں کہ وہ محمدؐ کا مثل ظہور میں لے آئے۔

تم نے اچھی بات کہی، اب اس سے اچھی سنو، تم جو سمجھتے ہو کہ عدم میں اُن کا مثل نہاں ہے جو ظہور میں آ سکتا ہے۔

اگرچہ وہ (دوسرا محمدؐ) نسلِ انسانی کے لئے فخر ہوگا لیکن پھر بھی اس میں خاتمیت (خاتم المرسلین ہونے کی صفت) کی کمی رہ جائے گی۔

دیکھ کہ دنیا کی آرائش کس طرح ہے، اس میں ایک سورج ہے، ایک چاند ہے اور ایک ہی خاتم (آخری پیغمبر) ہے۔

جو کچھ میں کہتا ہوں وہ تمہارا جواب ہے۔ مہر و ماہ اس کے جلوہ کی ایک چمک سے زیادہ نہیں ہیں (یعنی جلوہ کی چمک اور بھی ہو سکتی ہے مگر باعتبار واقع کے نہیں ہے)

آنکه مهر و ماه و اختر آفرید
می تواند مهر دیگر آفرید

حق دو مهر از سوی خاور آورد
کور باد آن کونه باور آورد

قدرت حق بیش ازین هم بوده است
هرچه اندیشه کم از کم بوده است

لیک در یک عالم از روئی یقین
خود نمی گنجد دو ختم المرسلین

یک جهان تا هست یک خاتم بس ست
قدرت حق را نه یک عالم بس ست

خواهد از هر ذره آرد عالمی
هم بود هر عالمی را خاتمی

هر کجا هنگامه عالم بود
رحمته للعالمینی هم بود

جس نے سورج ، چاند اور ستارے بنائے، وہ چاہے تو دوسرا سورج بھی بنا سکتا ہے۔

اگر مشرق کی طرف سے دو سورج نکال دے تو جو اس پر ایمان نہ لائے وہ اندھا ہوگا۔

خدا کی قدرت اس سے بھی زیادہ ہے جتنی تم (اس کی قدرت) سمجھتے ہو، وہ بھی کم سے کم ہے۔

لیکن یقین کی رو سے یہ بات نہیں مانی جا سکتی کہ ایک ہی دنیا میں دو دوا آخری پیغمبر ہوں۔

جب تک ایک دنیا ہے ایک ہی اس کا آخری پیغمبر ہوگا۔ البتہ خدا کی قدرت ایک دنیا پر ختم نہیں ہوگی۔

وہ چاہے تو ہر ایک ذرے سے ایک دنیا پیدا کر دے اور پھر ہر دنیا کا ایک خاتم المرسلین ہو۔

جہاں کہیں بھی دنیا کی چہل پہل ہوگی وہاں کوئی رحمتہ للعالمین (دنیاؤں کے لئے رحمت) بھی ضرور ہوگا۔

کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

در یکی عالم دو تا خاتم مجوی
صد هزاران عالم و خاتم بگوی

غالبّ این اندیشه پذیرم همی
خورده هم بر خویش می گیرم همی

ایکه ختم المرسلینش خوانده
دانم از روی یقینش خوانده

این "الف لامی" که استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست

مبدأ ایجاد هر عالم یکیست
گردو صد عالم بود خاتم یکیست

خود همی گوئی که نورش اولست
از همه عالم ظهورش اولست

بہتر کیا ہے؟ نئی نئی دنیاؤں کا وجود میں آنا یا ایک دنیا میں
دورو خاتم کا ہونا؟

اس ایک دنیا میں خاتم (آخری پیغمبر) کی امید رکھو، ہاں یہ
کہو کہ لاکھوں دنیا نہیں ہوں اور ان کے اپنے اپنے خاتم ہوں۔

غالب یہ کیا (فضول) بات کہی۔ یہ مجھے قبول نہیں، میں خود
اپنی غلطی پکڑتا ہوں۔

یہ جو تم نے (محمدؐ کو) ختم المرسلین کہا تو ظاہر ہے کہ پورے
یقین سے ہی کہا ہوگا۔

یہاں (ختم المرسلین کے لقب میں) الف لام استفراق کا ہے
اس کے معنی ہوئے کہ مطلق مرسلین (یعنی جتنے بھی رسول ہو سکتے ہیں وہ اس میں
شامل ہیں پس سب کے خاتم آنحضرت ہیں)۔

چوں کہ ہر عالم کا مبدا (پیدا کرنے والا) ایک ہی ہے، اس لئے
اگر دو سو عالم بھی ہوں تو اُن کا خاتم ایک ہی ہوگا۔

تم خود کہتے ہو کہ اس (محمدؐ) کا نور اوّل ہے اور اُن کا ظہور
سب سے اوّل ہوا۔

اولیت را بود شانی تمام
کی بهر فردی پزیرد انقسام

جوهر گل بر تنابد تنیه
در مسمد ره نیابد تنیه

تا نوری اندر امکان ریوورنگ
حیز امکان بود بر مثل تنگ

میم امکان اندر احمد منزویست
چون ز امکان بگری دانی که چیست

صانع عالم چنین گرد اختیار
کس بعالم مثل نبود زینهار

این نه عجزست اختیارست ای فقیه
خواجه بی همتا بود لاریب فیه

اولیت کی ایک شان ہے جو اوّل پر تمام ہو جاتی ہے۔ اولیت منقسم ہو کر متعدد ذاتوں میں نہیں پائی جاتی۔

جوہر کل میں دو کے صیغے کی گنجائش نہیں، محمدؐ کی ذات میں دوئی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ (یعنی جس کی ذات کل عالم کی اصل ہے اس کی مثل کہاں ہو سکتی ہے)

جب کہ امکان مثل محمدؐ کے ساتھ مغالطہ آمیز دلیل پیدا نہ کرو اس وقت تک قدرت خداوندی کے دائرے میں (محمدؐ کا) مثل نہیں سا سکتا۔

امکان کا میم احمدؐ میں چھپا ہوا ہے اگر امکان کو ساقط کر دو تو جان لو کہ کیا رہا (یعنی احمدؐ سے میم گرایا تو احد رہا۔ اور ذات احد کی مثل محال ہے۔)

دنیا کے پیدا کرنے والے کی مرضی یہی تھی کہ دنیا میں محمدؐ کے مثل ہرگز نہ ہونے پائے۔

اے عالم دین، یہ قدرت خدا کی بے بسی نہیں بلکہ اختیار ہے۔ رسولؐ بے مثال ہیں اور رہیں گے اس میں کوئی شک نہیں (یعنی خدا مثل محمدؐ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہے بلکہ ارادۂ ایسا کیا کہ اُن کی مثال محال رہے)

هر کرا با سایه نه پسندد خدا
همچو اوئی نقش کی بندد خدا

هم گهر مهر منیرش چون بُود
سایه چون نبود نظیرش چون بود

من فرد اندر کمال ذاتیست
لا جرم مثلش محال ذاتیست

زین عقیدت بر نگردم والسلام
نامه را در می نوردم والسلام

خدا نے جس ہستی کا سایہ تک نہ بنایا ہو اس کا مثال کیسے
بنادے گا؟

روشن سورج بھی اُن کی اصل میں موجود نہیں، جس وجود کا سایہ
نہ پڑتا ہو اُس کا ثانی کیسے ہو سکتا ہے؟

رسول اپنی ذاتی صفات میں یکتا ہیں (اس لئے) ان کا مثال
ہوتا قطعی ناممکن ہے۔

میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا، اب تحریر
تمام کرتا ہوں، والسلام!

رباعیات و قطعات نعتیہ

رباعی

شب چست سویدای دل اہل کمال
سرمایہ دہ حسن بزلف و خط و خال
معراج نبیؐ بشب ازان بود کہ نیست
وقتی شایستہ تر ز شب بہر و مال

قطعہ

سہ تن ز پیمبران مرسلاً
گشتد بہ قرب حق مشرف
عیسیٰؑ ز صلیب و موسیٰؑ از طور
ختم الرسل از براق و رفرف

قطعہ تہنیت عید

تا بود چار عید در عالم
بر تو یارب خجستہ باد و ہجیر
عید شوال و عید ذوالحجہ
عید بابا شجاع و عید غدیر

اُردو نعتیہ اشعار

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شے کے غالب گند بے در گھلا

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبہ میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد زر و گوہر نہیں ہوں میں

(نظم طباطبائی شرح دیوان غالب میں صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں ان تینوں شعروں میں
صاحب معراج کی طرف خطاب کیا گیا ہے)

عرش پر تیرے قدم سے ہے دماغ گردِ راہ
آج تنخواہ نکستن ہے کلاہ جبرئیل کی

غالب کی منقبت

غالب کے فارسی اور اردو کلام میں منقبتی اشعار بصورت قصیدہ، غزل، مخمس، ترکیب بند، ترجیع بند، مسدس، رباعی، مثنوی، قطعہ اور مفرد اشعار بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ غالب کے منقبتی اشعار میں غضب کا جوش ہے۔ ظ۔ انصاری کے لفظوں میں ”حضرت علی کا نام زبان پر آجائے تو غالب کی روح جھوم اٹھتی ہے۔“ یادگار غالب میں حالی لکھتے ہیں۔ ”غالب نے تمام عبادات و فرائض میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک توحید و جودی اور دوسرے نبی اور آل نبی کی محبت اور اس کو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔“ مرحوم عندلیب شادانی لکھتے ہیں کہ غالب کے زمانے میں تقریباً ایک درجن شعرا غالب سے خلاص کرتے تھے لیکن اسد اللہ خاں اسد کے غالب ہونے کا واحد سبب حضرت علی سے اسد اللہ خاں کی عقیدت و شیفتگی ہی تھی۔ حضرت علی سے غالب کی یہ عقیدت بچپن ہی سے تھی چنانچہ پچیس سال کی عمر سے قبل جو دو قصیدے انھوں نے اردو میں حضرت علی کی شان میں تصنیف کئے اس کے ہر ہر شعر سے خلوص و عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ ہم نے اس مضمون میں غالب کے منقبتی قصائد کو محبوں سے اس لئے الگ نہیں کیا کہ منقبت خود قصیدہ کی ایک قسم ہے جیسا کہ عربی میں نعت کو قصیدہ نعتیہ کہتے ہیں اسی طرح منقبت حقیقت میں قصیدہ منقبتی ہے۔ منقبت کے معنی کسی کی توصیف، ثناء تعریف کرنا ہے۔ منقبت بزرگان دین کی تعریف اور مدحت کے لئے مختص کی گئی ہے۔ منقبت تقریباً ہر شعری ہئیت میں لکھی جاسکتی ہے۔ یعنی فردیات، قطعات، رباعیات، غزلیات، مخمسات، مسدسات، ترکیب بند، ترجیع بند، قصائد، مثنوعات وغیرہ وغیرہ چنانچہ اسی لئے غالب کے اردو اور زیادہ تر فارسی کلام میں ہر صنف سخن میں منقبتی اشعار کی جھلک نظر آتی ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ سلطنت صفویہ کے تاجدار عباس صفوی اور ان کی ملکہ نور کی مدح میں ملک الشعراء کاظمی نے قصیدہ لکھ کر روانہ کیا تو پادشاہ صفوی نے دونوں قصیدوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس میں مبالغہ اور غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے چنانچہ ہم اس مقام کے حامل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ محمد و آل محمد کی شان میں قصیدہ منقبت کہا جائے کیوں کہ جو کچھ بھی کہو گے وہ ان کے اعلیٰ مقامات سے نیچے ہی رہے گا اور اس میں ثواب بھی ملے گا اور دربار سے انعام بھی۔ چنانچہ ملا کاظمی نے پھر ہفت بند کا قصیدہ حضرت علی اور اولاد علی کی شان میں لکھا جو آج بھی فارسی ادب کا شاہکار سمجھا جاتا ہے اور جس پر صدیوں سے تضمین کر کے منقبتیں لکھی جا رہی ہیں۔

شاید ثواب دارین کی خاطر غالب نے اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ عشق محمد و آل محمد سے چھلکتے ہوئے

آبدار اشعار کی تصنیف کے لئے وقف کر دیا اور خصوصاً حضرت علیؑ کی مدح سرائی کو نماز عشق جان کر تمام عمر اسی عبادت میں صرف کر دی۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

غالب ہر لحظہ اپنی زندگی کو حضرت علیؑ سے وابستہ کرنا باعث سعادت سمجھتے تھے۔ نثر ہو یا نظم فنجی خطوط ہوں یا کتابی تقاریض اپنے دلی جذبات اور عقیدت کو ظاہر کرنے کے موقع کو کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ہم نے اس کتاب میں غالب عاشق محمدؐ و آل محمدؐ کے زیر عنوان ان کے خطوں میں شامل کچھ نکات نقل کئے ہیں جن کی تکرار یہاں ضروری نہیں۔ ڈاکٹر فاروقی نے بہت سچ کہا ہے کہ ”غالب سے پہلے شاید ہی اردو کا کوئی شاعر ایسا نکلے جس نے علوی نظریہ حیات کو اپنا مطمح نظر بنایا ہو اور اس دائرے میں آنے والے خیالات کو اپنی شاعری میں مرکزی حیثیت دی ہو۔“

وہ علوی انسان "Superman" کا تصور جو غلطیوں سے لے کر اپنے نظریات میں عروج پر پہنچایا اسی وقت غالب کی تخلیق میں حضرت علیؑ کی صورت و سیرت میں موجود تھا جس کا عکس غالب کی فارسی کی اس غزل میں ملتا ہے جیسے علامہ اقبالؒ نے جاوید نامہ کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح جڑ دیا ہے۔

بیا کہ قاعدہ آسمان مگر دانیم قضا بگردن رطل گراں مگر دانیم
ز حیدریم من و تو زما عجب بنود گر آفتاب سوئے خاوراں مگر دانیم
آؤ تاکہ آسمان کی گردش کو پلٹ دیں تقدیر جو لکھی جا چکی بدل دیں۔ تو اور میں حیدری ہیں اور یہ ہمارے
لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر ہم نے ڈوبے سورج کو پلٹا لیا ہو۔
علامہ اقبالؒ نے اسی علوی انسان کے نظریہ کو یوں بیان کیا ہے:

ہر کہ بر افلاک گردو بو تراب باز گر داند ز مشرق آفتاب
جو بھی آسمانوں پر حضرت علیؑ کے مانند حاکمیت حاصل کر لے وہ سورج کو اُس کے راستے سے ہٹا سکتا

—ہے—

غالب کہتے ہی :

ہے دو عالم صید انداز، عہدِ دل سوار
یاں خط پر کارِ ہستی حلقہٴ فتراک ہے
غالب کی حضرت علیؑ کے ساتھ بے پایاں عقیدت اور والہانگی کا صحیح اندازہ اُن کی معروف نامکمل مثنوی
”ابو گہر باز“ کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس مثنوی میں (1098) اشعار ہیں۔ یہ مثنوی غالب نے اپنی جوانی میں
لکھی اور لوگ سفرِ کلکتہ یعنی 1827-1829 کے دوران اس سے واقف ہوئے۔ یہ مثنوی اس لئے نامکمل رہی کہ
غالب اس میں غزواتِ پیغمبرِ اکرمؐ لکھنا چاہتے تھے لیکن اس کی نوبت نہ آئی۔ اس مثنوی میں حمد، نعت، مناجات،
معراج نامہ، مقفی نامہ اور حکایت کے ساتھ (120) اشعار پر مشتمل منقبت ہے جس کا ہر شعر غالب کے قلب کی
واردات ہے ہم چند منتخب اشعار کو ترجمے کے ساتھ بغیر کسی مزید تشریح کے یہاں پیش کرتے ہیں۔

لبم در شمار ولی الہیست

دلِ م راز دارِ علی الہیست

میرے لیوں پر ہر دم ”ولی اللہ“ ہے (کہ یہ قال ہے) اور میرے دل میں علی الہی کا
راز ہے (کہ یہ حال ہے)

چو مربوب ایں اسم سامیستم

نشانِ مند ایں نام نامیستم

چونکہ میں اس بلند مرتبہ اسم کا پروردہ ہوں اسی لئے
اسی نام کا نشان مجھ پر ہے

بلندم بدانِش نہ پستم

بدیں نام یزداں پرتسم

میں عقل میں بلند ہوں پست نہیں ہوں
اس لئے اس نام سے خدا پرستی کرتا ہوں

نیاساید اندیشہ جز با علیؑ

ز اسمانہ اندیشم الاعلیٰؑ

خیال کو راحت اسی کے دم سے ہے اور
کوئی اسم میرے تصور پر حاوی ہے تو یہی علیؑ کا نام ہے

ببزم طرب ہمنوایم علیستؑ

بہ گنج غم اندہ ربایم علیستؑ

خوشی کی محفل ہو تو علیؑ میرے رفیق جاں اور
غم کا گوشہ ہو تو غم ہلکا کرنے والے علیؑ ہیں

بہ تنہائیم راز گوئے باوست

بہ ہنگامہ ام پایہ جوئے باوست

تنہائی میں دل کی بات انھیں سے کہتا ہوں اور
جب معرکہ آرائی ہو تو انھیں سے بلندی مرتبہ چاہتا ہوں

مرامہ و مہر و شب و روز اوست

دل و دیدہ را محفل افروز اوست

میرے لئے چاند سورج ، دن رات ، سب کچھ علیؑ ہیں
دل و نگاہ کی رونق انھیں کے دم سے ہے

بہ صحرابہ دریا برا تم ازوست

بہ دریا ز طوفان نجاتم ازوست

خشکی اور تری دونوں جگہ نجات کی راہ دکھانے والے وہی ہیں۔
دریا میں طوفان آجائے تو وہی چھٹکارا دلاتے ہیں

خدا گوہری را کہ جان خوانمش

ازان داد تا بروے افشانمش

خدا نے یہ جوہر جسے جان کہتے ہیں
اسی لئے مجھ کو عطا کیا کہ علی پر قربان کردوں

مرامایہ گردل و گرجاں بود

ازودانم از خود زیـزدان بود

دل و جاں کا جو سرمایہ مجھ کو ملا ہے،
چاہے وہ خدا کی طرف سے ملا ہو، لیکن میں اسے علی کی طرف
سے شمار کرتا ہوں۔

کنم از نبیؐ روئے در بُوتِ راب

بِمہ بنگرم جلوہٴ آفتاب

نبیؐ کی طرف منہ کر کے میں علیؑ کو دیکھتا ہوں اور
اس چاند میں سورج کا نور دیکھتا ہوں

زیـزدان نشاطم بہ حیدرؑ بود

ز قـلـزم بجو آب خوشترؑ بود

خدا کی طرف سے جو نشاط روح میسر آتا ہے وہ مجھے حیدرؑ (علیؑ سے ملتا ہے)
جس طرح سمندر کے پانی سے نہر کا پانی زیادہ خوشگوار ہوتا ہے

نبیؐ را پـزیرم بہ پیمان او

خدارا پـرتسم بہ ایمان او

علیؑ کا عہد نبیؐ سے ہے اور میرا عہد علیؑ سے، اس لئے نبیؐ سے میرا عہد ہوا
میں تو خدا کو بھی یوں مانتا ہوں کہ علیؑ اسے مانتے ہیں

خدایش روانیست ہر چند گفت

علیؑ را تو انم خداوند گفت

اگرچہ علیؑ کو خدا کہتا جائز نہیں،
تاہم انھیں خداوند (مالک) کہہ سکتا ہوں ، (اور کہتا ہوں)

پس از شاہ کس غیر دستور نیست

خداوند من از خدا دور نیست

بادشاہ کے بعد کسی کا مقام آتا ہے تو وزیر کا،
میرے خداوند (اس کے وزیر ہیں اس لئے) خدا سے دور نہیں

پدیدار در خاندانِ نبیؑ

بہ گیتی درازوے نشانِ نبیؑ

نبیؑ کے خاندان میں وہ بہت نمایاں ہیں
اور دنیا میں نبیؑ کا نشان اُن سے قائم ہے

بیک سلک روشن دہ ویک گھر

نبیؑ را جگر پارہ اورا جگر

ٹوڑکی ایک مالا ہے جس میں گیارہ موتی ہیں (علیؑ کے بعد گیارہ امام اور ہیں)
جو نبیؑ کے جگر کے ٹکڑے ہیں اور علیؑ کے جگر ہیں۔

علیؑ راست بعد از نبیؑ جائے او

ہماں حکم کل دارد اجزائے او

نبیؑ کے بعد علیؑ کو اُن کی مسند پہنچتی ہے
اور اُن کے ٹکڑے بھی، 'کُل' کی حیثیت رکھتے ہیں

همانا پس از خاتم المرسلین

بود تا به مهدی علی جانشین

چنانچہ آخری رسول کے بعد (بارہویں امام)
مہدی تک علی کی ہی جانشینی (خلافت) چلتی رہتی ہے

نژاد علی با محمد یکسیت

محمد ہماں تا محمد یکسیت

علی کی نسل محمدؐ ہے،
اور اسی طرح محمدؐ رسول اللہ سے لے کر (بارہویں امام) محمد تک ایک ہی ہیں۔

در احمد الف نام ایزد بود

زمیم آشکارا محمد بود

احمد کے نام میں الف ایزد (خدا) کا ہے، اور
میم کا حرف محمدؐ کے نام سے آیا ہے۔

الف میم را چون شوی خواستار

نماند ز احمد بجز ہشت و چار

الف اور میم کا اگر تو طلب گار ہو (لے لے) تو احمدؐ میں سے صرف
'ہشت' رہ جاتا ہے جس کے عدد بارہ ہی ہوتے ہیں (اور امام بارہ ہیں)

علی آن زدوش نبی را فرش

علی آن یڈاللہ را کف کش

علی وہ ہیں کہ نبیؐ کا کاندھا اُن کی سواری بنا
علی وہ ہیں کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے

بہ سائل زخواہش فزوں ترسپار

بہ لب تشنہ جُرعہ کوثرسپار

مانگنے والے کو وہ اس کی طلب سے بھی زیادہ دیتے ہیں
اگر آدمی ایک گھونٹ کا پیاسا ہو تو اُسے حوضِ کوثر عطا کرتے ہیں

براہیم کوئے سلیمان فرے

مسیح آدمی مصطفیٰ گوہرے

پیغمبرِ ابراہیم کی عادتیں اور پیغمبرِ سلیمان کی سی شان انھوں نے پائی ہے
مسیحا کا (مردوں کو زندہ کرنے والا) نفس (پھونک ، سانس) اور
محمد مصطفیٰ کا اصل جوہر اُن کو ملا ہے

زشش سوبسویش نگاہِ ہمہ

ولادت گھش قبلہ گاہِ ہمہ

چھیوں (۶) سمتوں سے سب کی نگاہیں اُن کی جانب اٹھتی ہیں اور
اُن کی جائے پیدائش (کعبہ) سب کی قبلہ گاہ ہے۔

کسانی کہ اندازہ پیش آورند

سختہ از آئین و کیش آورند

وہ لوگ جو ناپ تول کے عادی ہیں،
مذہب اور عقیدے کی بحث چھیڑ دیتے ہیں

بنادانے از شورِ گفتارِ من

سگالند زانگونه ہنجارِ من

میرے بیان کے جوش و خروش کو دیکھ کر
اپنی نا سمجھی کی وجہ سے میرے خیالات کے متعلق

کہ آرایش گفتگو کردہ ام

بحیدر ستائی غلو کردہ ام

یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ ہو نہ ہو میں نے زیب داستاں سے
کام لیا ہے اور علی کی مدح میں مبالغے کی حد سے گذر گیا ہوں

مرا خود دل از غصہ بیتاب باد

ز شرم تنک مائیگی آب باد

خود میرا دل غم و غصہ کے مارے بے چین ہے اور
اس شرم سے کہ حوصلہ پورا نہیں ہوتا ، پانی پانی ہو جائے

بہ رذ قبول کسانم چہ کار

علیٰ بایدم با جہانم چہ کار

مجھے لوگوں کی پسند اور نا پسند سے کیا مطلب،
دنیا سے غرض نہیں ، مجھے غرض تو علی سے ہے

در اندیشہ پنہاں و پیدا علیست

سخن کز علیٰ می کنم با علیست

خیال میں ظاہر و باطن علی ہی علی ہیں
علی کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں ، اس کے مخاطب بھی علی ہیں

مرانسا سازا گفتن آئیں مباد

لب من رگ ساز فری مباد

کسی کو برا کہنا (تجرا کرنا) میرا شیعہ نہ ہو
میرے ہونٹوں پر نفرت کی راگنی نہ آئے

جوانی بریں در بسر کردہ ام
شبے در خیالش سحر کردہ ام
علی کے آستانے پر میں نے اپنی جوانی گزاری اور
ان کے تصور میں (جوانی کی) رات کاٹ دی
کنونم کہ وقت گزشتن رسید
زمان بحق باز گشتن رسید
اور اب جب کہ چلنے کا وقت آگیا اور
خدا کی طرف واپسی کا زمانہ قریب ہے
بود گرچہ ثابت کہ چوں جان دہم
علی گویم و جان بیزدان دہم
اگرچہ یہ بات طے ہے کہ جب میں جان دوں گا تو
علی کا نام میری زبان پر ہوگا
بہ ہند و عراق وہ گلزار و دشت
بہ سوئے علی باشدم باز گشت
ہندوستان ہو ، عراق ہو ، باغ ہو یا جگل
چاہے جہاں زندگی تمام ہو ، میری روح علی کی طرف ہی جائے گی
خوشا عرفی و گوہر افشان دنش
بانداز دعوئے پرافشان دنش
شاعر عرقی اور اس کی گوہر فشان کی کیا کہنے کہ
جو دُعا کیا تھا ، اس کے مطابق پرواز کر کے دکھادی

تَن مُردہ چون رہ بمڑگان زود

اگر زندہ خواہد خود آسان زود

جب مُردہ اپنی پلکوں سے راہ طے کر کے جا سکتا ہے تو،
زندہ تو آسانی سے جا سکتا ہے (اشارہ عرقی کے اس شعر کی طرف :
ز کاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تار)

زدل گریہ اندوہ رشکم برد

نہ مڑگان مگر سیل اشکم برد

آنسو دل سے وہ غم بہا لے جائیں گے جو (عرقی کے انجام بخیر پر)
مجھے رشک کے مارے ہوتا ہے،
مجھے پلکیں تو (نجف تک) نہ پہنچائیں گی البتہ آنسو پہنچا دیں گے

من ایس کار بر خود گرفتم بچشم

بمڑگان گرا و رفت رفتم بچشم

میں نے خوشی خوشی یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے
وہ اگر پلکوں سے وہاں تک گیا تو میں آنکھوں سے جاؤں گا

کہ دل خستہ دھلوی مسکنے

ز خاک نجف باشدش مدفنے

اگر یہ دہلی کا دل شکستہ باشندہ
نجف کی مٹی میں مل جائے

خدایا بدیں آرزویم رساں

زاشک من آبے بجویم رساں

اے خدا میری یہ آرزو پوری کر دے،
یہ جو آنسو بہا رہا ہوں، اُن کی موج میری نہر میں رواں کر دے
(یعنی میری مراد بر لا)

زغالب نشان جزیران درمباد

چنیں باد فرجام و دیگر مباد

غالب کا نشان علی کے آستانے پر ہی ہو،
اس کے سوا کہیں نہ ہو، غالب کا انجام اب یہی ہو، اس کے
علاوہ کوئی اور انجام نہ ہو۔

غالب نے اپنی نعت اور منقبت کی تخلیق کے ذیل میں کہا تھا

از غالب دل خستہ مجھ منقبت و نعت

دریاب بخون جگر آغشته نفاں را

یعنی اگر غالب کی نعت اور منقبت کا جائزہ لو گے تو تمہیں خون جگر سے تر دل کی آواز ملے گی۔

یقیناً غالب کی نعتیں اور منقبتیں دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے نالے ہیں جن کی لئے خون میں آغشته

اور جن کا اثر نشتر سے زیادہ تیز ہے۔

بھرا ہے غالب دل خستہ کے کلام میں درد

غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اس کو

دردِ دل در نظم گفتن نیست بحث

من کہ رندم شیوہ من نیست بحث

برصغیر کی متقیبوں میں ساقی ناموں کی بہار گلہائے عقیدت کو تروتازگی دیتی ہے۔ غالب نے ساقی ناموں کے مضامین کو نئے طرز سے پیش کیا ہے جس کی آئندہ آنے والے تخلیقی اذہان نے تقلید کی اور یہ فارسی رسم و راہ اب خالصتاً اردو مزاج کے مطابق ہو گئی۔

مانع بادہ کشی نادان ہے لیکن اسد
بے ولایت ساقی کوثر کشیدن منع ہے

خرابات جنوں میں ہے اسد وقت قدح نوشی
بعشق ساقی کوثر بہار بادہ پیمائی

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

کل کے لے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

غالب کے تصدیقوں اور طولانی نظموں کے علاوہ اردو غزلیات اور فردیات میں اور بعض خطوں میں ولایت علی کی خوشبو سے معطر دل کی گہرائی سے نکلے ہوئے اشعار جو معنی آفرینی اور گیرائی مطالب سے مزین ہیں جگہ جگہ محراب عشق کے نقش و نگار کی طرح نظر آتے ہیں۔

جس جگہ ہو مسد آرا جانشین مصطفیٰ
اُس جگہ تخت سلیمان نقشِ پائے مور ہے

غالب ہے رتبہ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی کہ علی کو خدا کہوں

خدا کے بعد نبی اور نبی کے بعد امام
یہی ہے مذہب حق والسلام والا کرام

میں قائل خدا و نبی و امام ہوں
بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

منصور فرقہ علی اللہیاں منم آوازہ ای انا اسد اللہ اقلنم

غالب نام آورم نام و نشانم پھرں ہم اسد الصم و ہم اسد الصم

غالب ز ہندوستان بگڑیر فرصت مفت تست
در نجف مردن خوشست و در صفاہاں زیستن

آہی بعشق فاتح خیر کنیم طرح در گنبد سپہر مگر در کنیم طرح
غالب کی زندگی میں سکون محال تھا۔ غم دوراں نے زندگی کو ابال جان بنا رکھا تھا۔ غالب بھی آخر انسان تھے
مشکلات کا تمام زندگی مقابلہ کرتے تھے۔ باغہ روزگار اور عظیم ترین ذہانت اور تخلیقی ذہن رکھنے کے باوجود جب
مشکلات زمانہ سے جی گھبراتا فوراً علی کے نام کا ورد کر کے دل کو سکون بخشتے۔

کیا غم ہے اس کو جس کا علی سا امام ہے
اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بدحواس ہے
کثرت امدود سے حیراں و مضطر ہے اسد
یا علی وقت عنایات و دم تائید است
نا توانی سے نہیں سرد گریبانی اسد
ہوں سراپا یک خم تسلیم جو مولا کرے
اے اسد مایوس مت ہو از در شاہ نجف
صاحب دلہا وکیل حضرت اللہ ہے

اُردو میں غالب کے دو کلاسیک قصیدے حضرت علیؑ کی شان میں موجود ہیں جو مکمل اور ضروری تشریح کے ساتھ اس کتاب کا جزو ہیں۔ اس مضمون کی طوالت کا لحاظ کرتے ہوئے ہم صرف مطلع، مقطع اور نمونہ چند اشعار بغیر کسی تشریح کے پیش کریں کہ تا کہ ہر کس اپنی ہمت اور قدرت کے اعتبار پر ان کا مطالعہ کر سکے۔

ایک قصیدہ جس میں غالب کا جوش عقیدت مینائے عشق سے اُبل رہا ہے جس کو قصیدہ حیدری کہتے ہیں جو قصیدہ گوئی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس کا مطلع ہے۔

سازیک ذرہ نہیں فیض چمن سے بے کار
سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار
اس قصیدے میں (110) اشعار ہیں۔ چند اشعار نمونہ یہاں پیش کئے گئے ہیں۔

مشتی نقش قدم نشہ آب حیوان
جادہ دشت نجف عمر خضر کا طومار

موج طوفان غضب چشمہ چرخ حباب
ذوالفقار شہ مرداں خط قدرت آثار

دشت تنخیر ہو گر گرد خرام دلدل
نعل در آتش ہر ذرہ ہے تیغ کھسار

مدح میں تیری نہاں زمزمہ ذات نبی
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

دوسرا قصیدہ جس میں (67) اشعار ہیں اس کا مطلع ہے۔

دہر جز جلوے یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود ہیں

اس قصیدے میں بھی جوش، والہانہ عقیدت اور شینگی ہے۔ چند شعرا اور مقطع پر سلسلہ تحریر کو آگے بڑھاتے

ہیں۔

کس سے ہو سکتی ہے ماحی ممدوح خدا
کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

صرف اعدا اثر شعلہ دوو دوزخ
وقف احباب گل و سنبل و فردوس بریں

آخری شعر کا لہجہ صوفیانہ نہیں۔ یہاں تو لا کے ساتھ تیرا یعنی دشمنوں سے برات بھی ہے۔

☆.....☆.....☆

غالب کی منقبت امام مہدیؑ

غالبؒ کے فارسی کلام میں ایک منقبت امام مہدیؑ کی شان میں بھی ہے۔ یہ منقبت (77) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس منقبت کا عنوان ”منقبت ائمہ اثنا عشر امام مہدی علیہ السلام“ نسخہ مرشی میں، ”قصیدہ در منقبت دوازدهم امام“ دیوان فارسی غالبؒ مطبوعہ لکھنؤ میں نظر آتا ہے۔ بقول قاضی عبدالودود صاحب اس کا ایک خطی نسخہ بائگی پور میں ہے جس کا عنوان نعت صاحب الامر امام محمد مہدیؑ ہے۔

اس منقبت کا مطلع یہ ہے

ہست از تمیز گریہ ہما استخوان دہد

آئین دہر نیست کہ کس را زیاں دہد

کاٹ کھتا ہے ”بہت سے اشعار ایسے ہوتے ہیں جن میں آزاد حسن ہوتا ہے وہ پھولوں کی طرح اپنے معنی نہیں بیان کرتے بلکہ اپنی خوشبو سے مشام جان کو مسرور کرتے ہیں اگر ان کے نثر کرنے اور ان کے مطالب کے دریافت کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ کوششیں ایسی ہوگی جس طرح کوئی شخص پھولوں کی خوشبو کو پانے کی غرض سے ان کے پتوں کو توڑ کر علیحدہ کرے۔“

یہی حال غالبؒ کی نعتوں اور مثنویوں کے چہروں کا ہے یہاں ہر شعر حسن معانی سے لبریز ہے جس کو پڑھنے والا محسوس تو کر سکتا ہے کیونکہ یہ خوشبو کی طرح مشام جان کو مسرور کرتے ہیں لیکن تفسیر اور تعبیر کے لئے وہ الفاظ نہیں لاسکتا جو ان خوشبوؤں کو عطر کی طرح قید کر سکیں۔ اس منقبت کے مطلع ہی سے غالبؒ کا لہجہ اور طرز بیان ظاہر ہو یا جس میں مصرعہ ثانی میں یہ کہہ کر کہ دنیا کا قانون ہے کہ کسی کو نقصان نہ دے وہ مصرعہ اولیٰ کو ایہام اور معنی آفرینی سے بھر دیتے ہیں کہ جس کے کئی معانی میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ سر دیکھ کر تاج دیا جاتا ہے۔ غالبؒ نے مثنویوں میں قصیدہ کی طرح مطلع، تشبیب، گریز، مدح اور دعا وغیرہ کا التزام کیا ہے۔ حالی ”یادگار غالبؒ“ میں لکھتے ہیں۔ ”قصاید میں مرزا نے کہیں خاقانی کا تتبع کیا ہے، کہیں سلمانؒ و ظہیرؒ کا اور کہیں عرقیؒ و نظیریؒ کا اور ہر ایک منزل کا مایابی کے ساتھ طے کی ہے مرزا کی تشبیب بہ نسبت مدح کے نہایت شاندار اور عالی رتبہ ہوتی ہے۔“

امام مہدیؑ سے مخاطب ہو کر غالبؒ اپنی تعلیٰ مدحت کی وجہ سے بنا کر کہتے ہیں۔

چون من بمدح جاہ تو بندم بہ یک دیگر
آن گونه گوں گھر کہ قلم در بنان دہد
چیند ز گرد و پیش گھر ریزہ ہا ظہیر
کارایش سریر قزل ارسلان دہد

یعنی تری مدحت کے موتی جو میرے قلم سے نکلتے ہیں اُن کی مالامال ہوتا ہوں۔ ظہیر میرے اطراف سے یہ
جواہرات کے ٹکڑے جمع کرتا ہے اور یہ ہیرے موتی قزل ارسلان کی مسند کی آرائش کرتے ہیں۔
غالب کی منقبت میں مدوح سے طلب عارفانہ تجلی کی عکاس ہے یعنی یہاں فقیر اندر روش نہیں بلکہ عاشقانہ
مزانج ہے۔

کام دلم کہ پرسشی از شہ نبود بیش
گر مرزبان نداد امام زماں دہد
سلطان دیں محمد مہدی کہ رای او
منشور روشنی بشہ خاوراں دہد

دلی آرزو اور سرور پوچھنے یا طلب کرنے سے پہلے حکمرانوں سے نہیں بلکہ امام زماں مہدی سے ملتا ہے
کیوں کہ وہ دین کا سلطان امام مہدی مشرق کے بادشاہ سورج کو بھی روشنی عطا کرتا ہے۔ غالب کی اس منقبت میں
عمدہ مطالب ہجر کی تشبیہ میں بیان کئے گئے ہیں کیونکہ حضرت مہدی پردہ غیب میں ہیں شاعر ان کے ہجر میں
بیتاب ہے اور ان کے ظہور کی تمنا کر کے کہتا ہے۔

ذود آ کہ فیض مقدم ہمنام مصطفیٰ
آفاق را طراوت باغ جناں دہد
ذود آ کہ شہسوار نظر گاہ لافتی
پردازش رکاب و طراز عناں دہد

جلد آ اے ہمنام مصطفیٰ اور اپنے قدموں کے فیض سے دنیا کو جنت کی دکاشی عطا کر جلد آ اے (لافتی) کے

نور نظر اور میدان جنگ میں گھوڑے کی رکاب کو قدموں سے رونق دے کر گام تھام لے۔

میکائیل آنجلو کا قول ہے کہ مصوّر تصویر ہاتھ سے نہیں بلکہ دماغ سے کھینچتا ہے بلکہ اُسی طرح ایک فطری شاعر شعر قلم سے نہیں بلکہ جذبہ سے بناتا ہے۔ چنانچہ شعر کا غنڈ پر نمودار ہونے سے پہلے صفحہ ذہن پر جذبوں کی روشنائی سے روشن ہو جاتا ہے جس کی مثالیں غالب کے اشعار میں قدم بقدم ملتی ہیں۔ غالب کا کمال یہ بھی ہے کہ سہل متنع میں ادق مضامین کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ شعر آب ذلال کی طرح دل میں اتر کر تسکین پیدا کر دیتا ہے۔ اس شعر کی کیفیت دیکھئے جو امام مہدی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

باید ز التفات تو یک جذبہ قوی

کان جذبہ ام نجات ز بند گراں دہد

تری محبت اور لطف کے طفیل مجھے ایسا طاقتور جذبہ عطا کر کہ وہ بند گراں کو توڑ سکے اور مجھے نجات حاصل ہو جائے۔ یہاں معنی بیان نہیں ہو سکتے بلکہ محسوس کئے جاسکتے ہیں اور غالب ہی کی زبان میں یوں تفسیر کئے جاسکتے ہیں۔

واہ رے تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مولانا شبلی نعمانی شعر الجم حصہ پنجم میں صوفی شاعر حکیم سنائی کی شاعری پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”حکیم سنائی نے تصوف میں دو مستقل کتابیں لکھیں حدیقہ اور سیر العباد۔ حدیقہ میں تصوف کے اکثر مقامات مثلاً صبر و رضا، توکل، قناعت وغیرہ کے مستقل عنوان قرار دیئے ہیں۔ لیکن تصوف سے پہلے علم کلام کا اثر زیادہ غالب تھا اس لئے شورش انگیز مباحث بھی شامل کر دیئے ہیں مثلاً امیر معاویہ کی لعن و طعن کا بھی ایک عنوان ہے حالانکہ جس دل میں محبت کا گھر ہو اس میں دشمنی کی کہاں گنجائش ہے۔“

بقول شبلی صوفی شاعر کسی کی بدی نہیں چاہتے اس روش پر اگر غالب کی منقبت کے آخری دو شعر دیکھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ غالب کے اشعار بھی تصوف برائے شعر گفتن کے زمرے میں ہونگے۔ یہاں غالب کہتے ہیں۔ اے امام مہدی آپ کی ولا کی نسیم سے گلشن زندگی میں بہار قائم رہے اور آپ کے دشمنوں کے پیروں کے نیچے ہمیشہ آگ رہے جب تک کہ آتش فشانوں سے دھواں نکلتا رہے۔

بادا نسیم باغ ولای تو عطر بیز
تا نو بہار تازگی بوستان دہد
بادا گلیم بخت عدوی تو شعلہ خیز
تا در زمانہ دود ز آتش نشان دہد

☆.....☆.....☆

jabir.abbas@yahoo.com

غالب عزادارِ امام حسینؑ

یوں تو کہنے کو غالب نے امام حسینؑ کی شان میں دو منقبتیں اور ایک قصیدہ ضریحیہ، فارسی میں اور ایک سلام اور ایک ناتمام مرثیہ اردو میں لکھا ہے لیکن درحقیقت یہ تمام نظمیں مضامین اور مطالب کی نوعیت سے مرثیہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی فارسی منقبت جس کا مطلع ہے۔

مگر مرادل کافر بود شب میلاد

کہ ظلمتش دهد از گور اہل عصیان یاد

یہ منقبت (112) اشعار پر مشتمل ہے جس میں مدحیہ، مناجاتی اور رثائی اشعار ہیں۔

دوسری فارسی منقبت جو (63) اشعار پر مبنی ہے اس کا مطلع ہے۔

ابر اشکبار و ما خجل از نا گریستن

دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

یہ منقبت دراصل نئے انداز کا مرثیہ ہے۔

تیسری منقبت جس کو قصیدہ ضریحیہ کہا گیا ہے باسٹھ (62) شعروں کی نظم ہے جس میں کربلا سے لکھنؤ میں

ضریح کی آمد کا ذکر ہے۔ قیصر التواریخ میں ضریح کی آمد شعبان 1270 ہجری مطابق مئی 1854ء بتائی گئی ہے۔

غالب کا اردو مرثیہ جو صرف مسدس کے تین بند یعنی گل (9) نو اشعار پر ملتا ہے خود اپنی جگہ ایک کامل

دستاویز عزا مانا گیا ہے اس کے علاوہ غالب کا ایک اردو میں بالکل نئی طرز کا سلام ہے جس میں (20) اشعار

ہیں۔ مرثیہ کا مطلع ہے۔

ہاں اے نفس باد سحر شعلہ فشاں ہو

اے ماتمیان شہ مظلوم کہاں ہو

سلام کا مطلع یہ ہے

سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو

تو پھر کہیں کہ کچھ اس کے سوا کہیں اس کو

اردو ادب میں مرثیہ مسدس میں کہنے کا رواج ہے اور کلاسیک مرثیے میں چہرے سے لے کر بین تک

مختلف اجزا ہوتے ہیں لیکن فارسی میں اس طریقہ کا مرثیہ مفقود ہے۔ فارسی میں قدیم اُردو مرثیہ کی طرح مرثیہ ہر ہیئت میں رقم کیا جاتا ہے چنانچہ یہاں غالب نے اگرچہ مدحت کا عنوان دیا لیکن چہرے یا تشبیہ سے گریز کرتے ہی رثائی مطالب میں کھو گئے جو ایک فطری امر تھا۔ اس مختصر مضمون میں ہم ان نکات پر سطحی روشنی ڈالیں گے۔ غالب اپنی پہلی منقبت میں کہتے ہیں۔

غزل سرایم و در مہر پیچم از اندوہ

ترانہ سنجم و برخیزم از سرفریاد

یعنی میں اگرچہ میں غزل سرائی کر رہا ہوں لیکن میں درد و غم سے تڑپ رہا ہوں میرے نغموں سے فریاد بلند ہو رہی ہے۔ امام حسینؑ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ستم رسیدہ امّا بخون طہیدہ سرا

کہ کربلا ز تو گر دیدہ قبلہ گاہ بلاد

اے ستم زدہ امامؑ آپ اپنے خون میں غلطاں ہوئے آپ کی وجہ سے کربلا شہروں کا قبلہ گاہ بن گیا ہے۔

زہے برتبہ ملقب بسید الشہدا

زہے بہ نطفہ موشع بہ سید السجّاد

ز نقش پای تو محراب سازی اقطاب

ز گرد راہ تو، سجّادہ باقی اوتاد

چراغ بزم عزای تو دودہ خونبار

نشان معیولای، تو خاطر ناشاد

آپ کو سید الشہدا کا لقب ملا آپ کے فرزند کو سید السجّاد کہا گیا۔ مذہبی سرداروں نے ترے نقش پا سے محراب سجّادہ گاہ بنائی اور برگزیدہ شخصیتوں نے تیری گرد راہ سے متصلے بنائے۔ تری بزم عزّا کا چراغ خون کے آنسو بہاتا ہے اور تری محبت دلوں کو سکون اور سرور عطا کرتی ہے۔

برہبری کہ گدایان کوئی غفلت را

ز نور شرع چراغی برہگزار نہاد

تو نے گمراہوں کو راستہ دکھانے کے لئے روشن چراغ رکھے ہیں۔

غمّت اگر ہمہ مرگست من بدان زندہ

ولایت ارہمہ در دست من بدان دلشاد

میرے آقا میں تیرے غم کی دولت سے زندہ اور تیری محبت سے خوش اور دل شاد ہوں۔

اس منقبت کے مقطع میں کہتے ہیں میرے آقا جب روزِ محشر اپنے غلاموں کو جمع کریں تو غالب آوارہ کہاں ہے آپ کی زبان پر ہو یعنی روزِ محشر مجھے یاد فرمائیے۔

کہ چون بعشر غلامان خویش بشمارِ

کجاست غالب آوارہ ۹ بر زیانت باد

غالب کی دوسری منقبت کی ردیف ”گریستن“ یعنی رونا یا گریہ کرنا ہے اس مشکل اور تنگ ردیف میں یہ غالب کی معجز بیانی نہیں تو کیا ہے کہ (63) ترسٹھا شعرا میں غضب کی وسعت اور معنی آفرینی دکھائی ہے۔ مطلع کے قافیہ ”تا“ اور ”تا“ کے ساتھ معنی کا دفتر کھولا ہے۔

ابراشکبار و ماخجل از نا گریستن

دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

ابرتو رو رہا ہے اور ہم کیونکہ نہیں رو رہے ہیں اس لئے شرمندہ ہیں اور اسی شرم سے پکھل رہے ہیں اور پکھلنے اور رونے میں بہت فرق ہے۔

غالب لکھتے ہیں ہم کو خلق ہی امام حسینؑ پر رونے کے لئے کیا گیا ہے۔

مارا بمسلک اثر خامہ قضا

در سرنوشت بود مہیا گریستن

کہتے ہیں صرف معاش کے لئے دوڑنا کفر ہے اور غم دوراں میں گریہ کرنا تنگ و عار ہے۔

کفرست کفر در پی روزی شتافتن

ننگست ننگ در غم دنیا گریستن

رشک آیدم بہ ابر کہ در حد وسع اوست

بر خاک کربلائے معلیٰ گریستن

مجھے برستے ہوئے ابر پر رشک آ رہا ہے جو کربلا کی خاک پر برس رہا ہے۔

مزد شفاعت وصلہ صبر و خون بہا

چیزی ز کس نخواستہ الا گریستن

اے آنکہ در حرم حجر الاسود از غمت

دارد بخود نہان چو سویدا گریستن

حضرت فاطمہؑ نے شفاعت کا اجرا و صلہ، ناحق خون کا خوں بہا کچھ نہیں چاہا مگر صرف حسینؑ کی مصیبت پر
اشک بہانا۔ دیکھو کعبہ میں حجر اسود حسینؑ کے غم میں اپنے دل پر کالا دھبہ رکھ لیا ہے جو گریہ کرتا ہے۔

ھر کس بچشم بسکہ پذیرفت این برات

قسمت نیافت بر ہمہ اعضا گریستن

غالب منم کہ چون بطراز ثنائی شاہ

سنبم ز غصہ در دم انشا گریستن

گویند قدسیان کہ ورق را نگاہدار

از تو گھر فشاندن واس ما گریستن

علامہ اقبالؒ غالب سے بہت متاثر تھے انھوں نے بھی غم حسینؑ میں رونا اپنا شعار بنایا۔

رونے والا ہوں شہیدؑ کربلا کے غم میں میں میں

کیا دُر مقصد نہ دیں گے شافعؑ محشر مجھے

غالب کہتے ہیں جس کسی نے اپنی آنکھ سے حسینؑ کے غم میں رونے کا کام لیا اُس کے تمام دوسرے اعضا

رونے سے نجات پا گئے یعنی تکلیف و آلام اور درد و بیماریوں سے بچ گئے۔ غالب جب شاہ شہداء کی شا لکھتا ہے تو

اس درد و مصیبت سے لکھتے وقت رونے لگتا ہے اور آنسو کا غزیر موتی بن کر گرتے ہیں اور میرے اشعار سُن کر قدسی

کہتے ہیں تم موتی لٹا رہے ہو کاغذ پر اسے سنبھال کر رکھو اور ہم رورہے ہیں تمہارے اشعار سُن کر۔

تیسری منقبت جس میں ضریح کی کربلا سے لکھنؤ تک آمد کا ذکر ہے اور منقبت کے چہرے میں امام زین

العابدینؑ کا اسیروں کے ساتھ کربلا سے سفر اور بے کفن جنازوں کی غم انگیز مرقع کشی ہے اُردو مرثیوں کے شہادت

اور بین کے شعروں کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ غالب امام سجادؑ جو قافلہ سالار ہیں اُن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

کیا تم دیکھ رہے ہو کہ عباسؑ غازی سورہے ہیں نہ بازو میں مشک ہے اور نہ ان کی کمان میں تیر۔

تھکے ہوئے نوشا حضرت قاسم جو ناشاد خاک پر پڑے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ ظالموں کے ظلم سے علی اکبر جیسا جوان مر گیا اور اس کی جوانی خاک میں مل گئی۔ کیا تمہارے دل میں طاقت ہے دیکھنے کی کہ معصوم علی اصغر کا بدن خون سے بھرا ہوا ہے اور تم نے اپنا کلیجہ دانتوں میں دبایا ہوگا جب حسین ابن علی کو شہیدوں کے جنازوں کے درمیاں دیکھا ہوگا۔

اس مرثیہ نما نظم میں مجتہد سید محمد کا ذکر خیر اور شاہ واجد علی شاہ کی تعریف بھی ہے اور زیارت اور ضریح کے استقبال کے لئے لکھنؤ کی عوام کا ذکر بھی ملتا ہے۔

محیط داد و دین سید محمد کز فرہ مندی
مر اورا در جہان آگهی صاحبقران بینی
سفالی بینی از ریحان فردوس برین کاینک
بباغ جم حشم واجد علیشاہش مکان بینی
ضیای زان زیارت گاہ بر روی زمین بارد
کہ خاک لکھنؤ را مردم چشم جہان بینی
بر انگیزد قیامت مردگان را این قیامت بین
کہ از فیض ورودش در تن ہر نرہ جان بینی
جز آن بیدست و پا کز خاک نتواند کہ برخیزد
باستقبال تازان اہل شہر از ہر کران بینی
غالب کے اردو مرثیہ اور سلام پر ہم نے علیحدہ مضمون میں گفتگو کی ہے اس لئے یہاں اس کی تکرار سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس مضمون کو ہم غالب کے دو اشعار پر ختم کرتے ہیں۔

بزم ترا شمع و گل خستگی بو تراب
ساز ترا زیر و بم واقعہ کربلا
گفتش باز گو طریق حیات
گفت غالب بکربلا رفتن
یعنی اُس سے میں نے زندہ جاوید رہنے کا راز پوچھا تو اُس نے کہا: غالب کربلا جاؤ۔

غالب عاشقِ حضرت عباسؓ

غالب کی پچاس (50) اشعار پر مشتمل منقبت جو حضرت عباسؓ کی شان میں ہے خاص جذبہٴ آہنگ سے چھلک رہی ہے جس کا راز غالب کی حضرت عباسؓ سے بچپن سے خاص نسبت و محبت ہے جس کا اقرار انھوں نے منقبت میں کیا ہے۔

از کود کیم درس ولای تو روانست

دانی خود ازین بیش کہ گفتم بتو کم است

بچپن سے میری جان میں تری ولایتی ہوئی ہے اور تو خود جانتا ہے جتنی مرح میں نے کی ہے کم ہے۔
عشق کا تقاضہ ہے کہ دل میں خاص ذوق اور شورش پیدا کرے چنانچہ جب دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے تو زبان سے خود بہ خود پر جوش الفاظ نکلتے ہیں جیسا کہ حضرت عباسؓ کی منقبت میں غالب نے مطلع میں کہا ہے

آوارہٴ غربت تتوان دید صنم را

خواہم کہ دگر بت کدہ سازند حرام را

سہلست کہ عشاق ز بیداد نذالند

زین قوم محبت طلبد ذوق ستم را

حضرت عباسؓ لشکرِ حسینؑ کے عملدار ہیں۔ باوفا ہیں۔ دریا پر قبضہ کر کے پانی چلو میں بھر کر پھینک دیا اور پانی سے اپنے ہونٹ بھی تر نہ کیئے کیونکہ ان کے آقا حسینؑ پیاسے تھے۔

روہمت از آن تشنہ جگر جوی کہ از مہر

بر تشنگی شاہ فدا ساختہ دم را

عباسؓ علمدار کہ فرجام شکوہش

بازیچہٴ طفلان شمرد شوکت جم را

آن شیر قوی پنجه کہ گردیدہ ز بیمش

دائر تب دیگر تب شیران اجم را

حضرت عباسؓ کی ہمت اور محبت دیکھو کہ امام حسینؑ کی پیاس پر پیاسے رہ کر اپنی زندگی فنا کر دی۔ وہ

عباسؑ جو لشکر حسینؑ کے علمدار ہیں اور جن کی شکوہ اور عظمت کے سامنے جم شہنشاہ کی حکومت بچوں کے کھیل کے مانند معمولی ہے۔ عباسؑ وہ قوی پنچہ شیر ہیں جن سے عجم کے شیر حراساں ہیں۔ آپ کا روضہ امام حسینؑ کے قریب ہے کیوں کہ یہ دونوں موتی یعنی حسینؑ اور عباسؑ اگرچہ دو طرف یعنی (دو ماں) سے ہیں لیکن ایک ہی صلب (حضرت علیؑ) سے ہیں چنانچہ ان میں جدائی کا امکان نہیں جس طرح سپہی کی جدائی موتی اور سمندر سے ممکن نہیں۔ جیسا کہ غالبؒ کا انداز بیان ہے وہ ہمیشہ فارسی سخن وروں سے اپنا تقابل کرتے ہیں اور تحسین کے طلب گار ہیں۔ کہتے ہیں۔

کو بلبل شیراز و کجا طوطی آمل

تا پایہ بسنجیم نواسنجی ہم را

لا بلکہ اگر خواہم ازین ہر دو سخنور

تحسین روش کلک دل آشوب رقم را

کہاں ہے بلبل شیراز (حافظؒ) اور کہاں ہے آمل کا طوطی (طالبؒ آملی) جو میرے نغموں کو درک کر سکیں میں ان دونوں عظیم شاعروں سے تحسین و آفرین کا طلب گار ہوں۔

یہ پوری منقبت اس کتاب میں موجود ہے۔ منقبت کا لطف اس کے تمام پڑھنے میں ہے ہم نے یہاں بطور تبرک چند اشعار پیش کئے اور یہ تحریر غالبؒ کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں جس کا اشارہ غالبؒ نے اپنے اردو کلام میں کیا ہے۔

سوسال سے ہے پیشہ آبا سپاہ گری

آبای مرا تیغ و مرا کلک بسازست

دستیست جدا گانہ بھر کار ہم را

میرے اجداد کو شمشیر اور مجھے قلم ساز گار ہے سچ ہے پرہمت اور حوصلے کے لئے ایک جدا گانہ ہاتھ دستیاب

رہتا ہے۔

☆.....☆.....☆

منقبت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب علیہ السلام

خواہم کہ همچو ناله ز دل سر بر آورم
دود از خود و شراره ز آذر بر آورم

چاک افگم ز ناله ، بدین نیلگون پرند
روی عروس فتنه ز چادر بر آورم

نشر به باسلیق شکایت فرو برم
خون دل از رگ مژده تر بر آورم

مرهم ز داغ تازہ بزخم جگر نهم
پیکان ز دل بکاوش نشر بر آورم

طومار شکوہ نفس از دل بدر کشم
برق از نور دبال کبوتر بر آورم

آتش زخم ز آہ بدین خیمہ کبود
دود از نهاد چرخ ستمگر بر آورم

مانند برگ بید ز اندوه بے بری
با خویشتن درافتم و خنجر بر آورم

آتش به ژند و موید برسم در افگم
گرد از بت و برهن و بت گر بر آورم

پای ادب ز گوشه دامن بدر کشم
دست ظلمی برداور بر آورم

جای که گم کند نفس از بیم راه لب
افغان زدل چو دود ز مجمر بر آورم

در مکتبی که خامه بدزدنوا ز خوف
از نقطه خط و ز آینه جوهر بر آورم

بر منبری که زینه ز پاس نفس بود
هوئی چو سالکان قلندر بر آورم

ناچار چون خدای بدادم نمی رسد
من نیز کام خویش ز مظهر بر آورم

فرمان سرفرازی مشیت غبار خویش
از شہسوار دوش پیمبر بر آورم

یارب زیا علیٰ شناسم قلندرم
یک می ز آبگینه و ساغر بر آورم

در دل بجست جو همه ایزد در آورم
وز لب به گفتگو همه حیدر بر آورم

هر شکوه کز فلک بدست از ره زبان
در بارگاه قاتل عترب بر آورم

دست از جفای گردش گردون بسر زخم
آه از ستیزه کجائی اختر بر آورم

مکتوب شکوه غم دل بی نهایت ست
از مژده کدام رقم سرب بر آورم

باشد که جوش دل بخروش آردم که من
حرمی نه گفته قصه دیگر بر آورم

گویم علیٰ ست آنکه ز فرد عطای او
جویم اقل و یک قلم اکثر بر آورم

از سُم دلدلش چو غباری شود بلند
یا قوت ریزه بیزم و گوهر بر آورم

در لجه خیالش اگر سرفرو برم
ناگاه چون حباب ز کوثر بر آورم

جائیکه از صیانت عدلش سخن رود
پروانه را به طبع سمندر بر آورم

چون سبزه هر سری که نهم در رهش ب خاک
از در ز سقف گنبد اخضر بر آورم

در شوق کوش از خس و خاشاک را و خویش
خاقان چین بچینم و قیصر بر آورم

بر در گهش ز پیچ و خم نقش پای خویش
منشور سرفرازئ سنجبر بر آورم

هم در میان مدح ز اندوه بیکسی
افسانه هائی غیر مکرر بر آورم

اندوه چیره دستئی اعدا چو بشمرم
از داغ سینه قطعه محض بر آورم

بیداد سطوت شرکا گریبان کنم
آمیزش از طبیعت عنصر بر آورم

تمکین خود بر آتش دل گر نشان دهم
رقص شرر ز طینت اخگر بر آورم

چون التفات شاه نوید طلب دهد
کوئین را متاع محقر بر آورم

در لابه کوشیم و چو غلامان خرد سال
صد خواهش محال میسر بر آورم

هم تیر را بکابه قلمزن لقب دهم
هم زهره را بحجره نواگر بر آورم

ز استادگان طرف بساطی که در کشم
افزون ز صد هزار سکندر بر آورم

عمامة قضا بسر مشتری نهم
خورشید را برهنه ز خاور بر آورم

خلوت بدرس معرفت حق طلب کنم
سلمان برون نشانم و بوذر بر آورم

قنبر درین میانه اگر سرگران شود
برخیزم و ستیزه به قنبر بر آورم

تا خود اساس هستی من بر کند علی
خود را فراز قلعه خیبر بر آورم

گستاخیم فرو خورد و من بخویشتن
غوغای پایه سنجی کیفر بر آورم

گریم به های های و زخم سربسنگ راه
چندانکه مغز سربه اندر بر آورم

گردن بزخم ریزه خارا بدست خویش
بشگافم و زبان ز پس سر بر آورم

شاهها! اگر ز دردِ نِخالم بدینِ نمط
انڈہ چگونہ از دلِ مضطرِ برآورم

چون برق از تپیدنِ جان در کشاکشم
گردل بود ز سینه به خنجرِ برآورم

نی پای آنکه از سرِ راحت توان گزشت
نی جای آن که خار ز بسترِ برآورم

دانی که از ردایِ توتاری کشیده ام
از پیرهنِ اگر تنِ لاغرِ برآورم

تا کی درینِ نورد ز بیدادِ ناکسان
هر دم نفس ز سینه مکدرِ برآورم

آخر نه من ز خیلِ گدایان در گهم
تا کی نوایِ گدیه بهر درِ برآورم

تا کی بعرضِ دردِ تغابنِ برینِ بساط
روی از تپانچه چون گلِ احمرِ برآورم

تاکی بشمع کشته بزم مراد خویش
شیون ز بی نیازی صرصر بر آورم

حیف ست کز تو باشم و از بهر وجه رزق
دست طمع به پیش برادر بر آورم

امروز داد خستگی من بده که من
از سینه خار حسرت محشر بر آورم

در عرصه از هجوم بلا جای آن نماند
کز گرد این سپاه گران سر بر آورم

ناگاه مژده ظفرم ده کزان نشاط
عالم بخویش و گرد ز لشکر بر آورم

توان باوج جلوه گو مدعا رسید
اما گراز نگاه تو شهپر بر آورم

وقت دعاست تا نفس مشک ساز دل
چون دود از فتیله عنبر بر آورم

خواهم کہ نالِ کلک نیابش نگار را
ہمچون شمعِ مہر منور بر آورم

داغِ غمت بسینۂ غالبِ روشنی
با مہرِ نیمروز برابر بر آورم

رحمی کنم بجانِ بداندیشِ دولت
کام دلش زدش نہ و خنجر بر آورم

منقبت امیر المومنین علی علیہ السلام

دوش آمد و ببوسه لبم بر دهان نهاد
راز دهان خویش بلب در میان نهاد

وانگه بمنع ریش راز لب از زبان
مهری ز بوسه دگرم بر زبان نهاد

چون لب ز بوسه گنج گهرهای راز شد
بر گنج لب ز تیزی دندان نشان نهاد

زان مشت مشت گل که ببالای هم فشاند
از بیم باد رائحه در مغز جان نهاد

زان رخ که دمبدم ز کنارم بسینه سود
گوشی بروی دل پی درک فغان نهاد

تا دید جز بچاک گریبان ندوخت چشم
تاری درون روزن سوزن روان نهاد

شد صحن خانه دجله خون چون فرو فشرد
آن آستین که بر مژه خون نشان نهاد

گستردنی چنانکه تو دانی نبود نرم
بگرفت بالشِ پرو در زیران نهاد

نازم به پیش بینی ساقی که هم ز پیش
آورده بود باده و از مانهان نهاد

چون بود باده تیز روی بر گماشتم
تارفت و آمد و شکر آورد و خوان نهاد

زان پس که جلوۀ شفق اندر ایاغ دید
زان پس که ریزۀ شکر اندر دهان نهاد

چشم و لبش نوازش انباز بر تافت
از پیشگه شراب و شکر بر کران نهاد

منظور بود جلوۀ یکتائی خودش
آئینه را به عطف در آئینه دان نهاد

از بذله در کمین شکار افگنی نشست
تیری ز ترکشِ سخن اندر کمان نهاد

زان گونه گون سخن که بهنجار رمز گفت
منت ز نطق بر خرد خرده دان نهاد

گفت اے کہ در هوای تورسوا شدم بشهر!
مهر تو بند بردل نازک گران نهاد

پوشم دگر ز لاله رخان رخ که روزگار
داغ وفا بناصیہ ارغوان نهاد

بر ساز این ترانہ کہ آن دلربا سرود
بر رخم این سپاس کہ آن دل ستان نهاد

گفتم کہ اے نہالِ قد خارزار خوی
گفتم کہ اے ستارہ وش آسمان نهاد

شب تار و خانہ خالی و همسایگان بنخواب
در رہ گزر ز تو کہ تواند نشان نهاد

گویم دگر بخلق کرا دلنشین شود
کان محو ناز پای برین آستان نهاد

در سرکشی فسانه شهری مدار پاک
کاین شهره مهر بر لب وهم و گمان نهاد

کینهائی آشکار تو خود پرده دار تست
گر ناز خوان آشتی در نهان نهاد

دستی که چشم خلق ز خورش ندیده پاک
صندره مهر بر دل پُر خون توان نهاد

گویند تا دلی که ز خنجر زهم درید
گویند تا سری که بنوک سنان نهاد

انگیز این سخن بدل دوست کار کرد
برداشت از طرب دل و بر امتحان نهاد

بعد از هزار لابه که از روی ناز بود
بهر ثنای شه قلم در بنان نهاد

نفس نبی خدای نصیری امام خلق
آن منت عظیم که حق بر جهان نهاد

هنگامه گرم ساز صف واصلان علی
کز نور علم شمع ببزم عیان نهاد

پروردگار ناطقه عارفان علی
کز حرف حق بکام و زبان داستان نهاد

زان پیشتر که حسن ز ذوق ثمانما
آئینه در مقابل اعیان عیان نهاد

از خوبی وجود وی ایزد بعلم خویش
گلدسته به مجمع روحانیان نهاد

آورد حق ز خلوت خاصش بهار سو
تا عامه را متاع نظر بردگان نهاد

کوس بلند پایگی جاه خویشان
نیز از فروتنیست که بر لا مکان نهاد

یزدان که راز خویش نبی را بلب سپرد
یزدان که سوز خویش علی را بجان نهاد

شمعی ز آتش شجر طور بر فروخت
وان را بخلوت 'علی الہیان' نهاد

ای کزنوازش اثر اسم و رسم تو
نام زمانہ غالب معجز بیان نهاد

گفتار من ز نازش مدح تو باج و ساو
بر قہرمان سنبہ و تو امان نهاد

هر چند چون منی نتواند ترا ستود
گویم لطیفہ کہ توان دل بران نهاد

عنقای قاف قدر تو اوج ہوا گرفت
زوماند بیضہ کہ درین آشیان نهاد

مردم نبرده راہ بجای گمان کند
کایزد اساس چرخ برین خاکدان نهاد

اندیشہ بلند رولا مکان نورد
چون خواست بام کاخ ترا در دبان نهاد

دیدش همان بجا چو سپهر از فراز کوه
بعد از هزار پایه که بر فرق دان نهاد

در علم خود ز خوی توحق ساخت گلشنی
جز حق دگر که داند اساسش چسان نهاد

مانا که نامور ملکی اندران مقام
بتیاد نخلبندی آن بوستان نهاد

هر فضله کان فتاد به پیرایش از نهال
مزدور باغ در سبب باغبان نهاد

چون جنس خاتمه خیز عزیزست نام آن
فردوس و خلد و جنت و باغ جنان نهاد

بودست عین ثابتة جوی انگبین
کیفیتی کزان لب شکر فشان نهاد

دوزخ شد آنچه در دل خصم تو هم بعلم
سوز فراق آن چمن بیخیزان نهاد

فریاد رس شہا! ز سپہرم شکایتیست
کان جز بشاہ خوش نبود در میان نهاد

با نکہت گلم بہ اثر ہمتس شمر د
با منشی خودم بہ سخن ہم زبان نهاد

پیدا بکار سازی سودم نهاد دل
پنہان بنای کار مرا بر زبان نهاد

بیرونقی ز قلعہ خریدار چشم داشت
کاین مایہ نرخ گوہر نظم گران نهاد

از شہرتی کہ مزد جگر کاری منست
بر جان من سپاس ہزار ارمغان نهاد

چرخم مگر ز جملہ زندانیان گرفت
کاینگ مدار من بدمی آب و نان نهاد

زین بے حیا بپرس کہ ما را کدام روز
مسند فراز تخت گہ خاوران نهاد

زین بینوا بجوی کہ مارا کدام شب
بالین و بستر از سمن و ارغوان نهاد

بالش ز مخمل آر نبود خشت قحط نیست
باری بود سری کہ ببالین توان نهاد

دود چراغ در شب و خون جگر بروز
سی سال خوردم و فلکش رایگان نهاد

یا قوت چید گرز بساطم سفال خواند
ور خود پلاس داد بمن پر ثیان نهاد

گر برد رنجی از تن زارم تلف نکرد
وان را ذخیره از پئے روح و روان نهاد

هر کز لک ستم کہ ز کینم به سیئه راند
از تیزیش نشان بسر استخوان نهاد

اندیشه آن خطوط کہ دارم بر استخوان
نشمرده هم شمارہ ریگ روان نهاد

هر چند بر طبیعت امکان گذاشتم
نگسست بند غم که ز اول گران نهاد

باری بدست و ساعد خیبر کشای خویش
کایزد دران مجال کشادی چنان نهاد

بگسل بزعم من که گمان میکنم که چرخ
این بند استوار گران جاودان نهاد

زندانی اگر طلبد وایه ز شاه
بند از عسس روا نبود بر زبان نهاد

زین رو بود که غالب مسکین به بند چرخ
دلبر عطای پادشه انس و جان نهاد

هان همنشین اگر نگری کاین گهر فروش
گنج سخن بقافیة شایگان نهاد

یاد آر عذر خواهی سلمان که گفته است
رسمیست بس قدیم نگوئی فلان نهاد

نازم به نطق خویش که در شاهراه مدح
خود مست رفت و پردگران ترجمان نهاد

چون پایه سنج مستی خویش ست لا جرم
نام قصیده ناطقه رطل گران نهاد

منتقبت امیر المؤمنین علیہ السلام

صبحی که در هوای پرستاری وثن
جنبد کلید بتکده در دست برهن

در رفت و رعب دیردم گرم راهبان
آرد برون گداخته شمع از لگن

خیزند دسته دسته مغان نه شسته روی
در اهتمام چیدن برسم ز نارون

از شور دیریان بگمان خروش صور
اموات را زرقص بتن بر درد کفن

رخشد ستاره از رخ ناشسته صدم
بالد بنفشه از قد خم گشته شمن

بر روی خاک جلوه کند سایه در نظر
بر بوی دوست حلقه زند مرغ در چمن

خواهد چراغ کشته چو شخص بریده سر
خیزد گل شگفته چو رنجور خسته تن

برجام مل ز دیده شب‌نم چکد نگاه
بر روی گل ز طره سنبیل دود شکن

غوغای روز پرده کشاید ز خوب و زشت
آوای کوس خواب رباید ز مرد و زن

بر خیزم و شراره آذر بهر دو کف
رویم ز رخت خواب و فشانم ز پیرهن

بر بوی طره که شیم بر مشام خورد
بر ره گزار باد بدم در کشم ختن

از ذوق مژده که نگارم بخواب داد
در انبساط وجد بهم برزنم چمن

گرداب خانه زاد محیط ست لا جرم
گردم بذوق دوست همان گرد خویشتن

چون برگ گل ز باد سحر گاهیم زبان
رقصد بنام حیدر کرار در دهن

فیض دم 'انا اسد اللہ' برآورم
منصور لا ابالی بے دار و بے رسن

ساغر پی صبح لبالب کنم زمی
چونان کہ لب ز زمزمہ یا ابوالحسن

شاہ نجف، وصی نبی، مرتضیٰ علی
آن از ائمہ اول و ثانی ز پنجتن

ذاتش دلیل قاطع ختم نبوت ست
وقت غروب مہر دم ماہ بے سخن

مہ والی شب ست ولیعهد آفتاب
باید بروشنی مہ از مہر دم زدن

پیغمبر آفتاب و فروغش جمال دین
بعد از نبی امام مہ و پیروان پرن

امے از تو بوده رونق دین محمدی
رویت سہیل و کعبہ ادیم و عرب یمن

بالیده از تو علم و عمل در پناه دین
امے آبروی خلوت و ای فخر انجمن

جز بر تو و نتایج پاکت ز سروری
نامیست چون خدنگ نگاه و چه ذقن

گردشمن تو هست توانا شگفت نیست
جانش ز ذوق تیغ تو خون گشته در بدن

از کینه مهربانی و از عجز پردلی
زانگونه شد پدید ز عدل تو در زمن

کز نره شیر بچه آهون خورده رم
الا ز ماده شیر هم از جوشش پهن

در دشت رهرو تو نتو شد مگر ر حیق
بر تخت پیرو تو نپوشد مگر خشن

یادت کنند روشنی خور ز هر نفس
نامت برند حقه پروین شود دهن

سوز غم تو بینم و نازم به بخت خویش
کایزد مرا نسوخت بداغ نسوختن

طبعیست جز بذوق تو ناگشته منبسط
جانیست جز به مهر تو نابوده مرتهن

خواهم ز فرط رشک که در مجمع حواس
مهر ترا بخویش بدزدم ز خویشتن

داغ غلامی تو مرا بر جبین دل
جوش مناقب تو مرا در خیال من

نوریست از بطانة توفیق جلوه گر
بحریست در میانه ابریق موجزن

مستم بدین طرب که پیرواش خیال
دارم بیاد روی تو خلوت در انجمن

شادم بدین هوس که بمدح تو جاودان
بندم هزار دسته ز نسرين و نسترن

کافور فرّ ایزدیم ده که خویش را
مرهم نهم به خستگی بند اهرمن

گفتی زمی بحشرو نرنجم ازین درنگ
مستی دهد زیاده چو صهبای شود کهن

لیکن ز رهروان بسر این رباط نیز
توان دریغ کرد سفالی ز درد دن

آنم که تاب غیرت آوای من کشد
از شاخ سدره طائر قدسی بباب زن

کلکم بدان مثابه زریزی که بستر
نقش نگار ارمنی از چشم کوهکن

بر ره گزار قافیه خاص اندرین زمین
نگزاشتم نچیده گلی غیر یاسمن

کوتاهی سخن نبود از ره قصور
دانند اهل فن که منم اوستاد فن

در مدحت تو ذوق فشانم نه باد خوان
در یوزۀ گهر کنم از دل نه از عدن

دام مرا شک کار فراوان بود، ولی
سیمرغ گشت قافیه بگزشتم از زغن

داری سر غریب نوازی زهی نشاط!
غالب ندیده ای که غریبست در وطن

منتخب ابوالائمہ مرتضیٰ علی علیہ السلام

نازم به گران مایگی دل که ز سودا
هر قطره خون یافته پرواز سویدا

اجزای وجودم ز گدازی که ز جان یافت
پالود بدان شیوه که دل کشت سراپا

دریاب مذاقم ز کلامم که نباشد
مینای مرا پنبه بغیر از کف صهبا

نال قلم از جوش گداز دل خویشم
سیراب بود همچو برگ ابر ز دریا

رخشانی معنی دمد از پرده لفظم
چون شمع ز فانوس و می لعل ز میتا

میراث رسیدست ز خونین نفسانم
داغی شرر اندا و بیانی جگر آلا

یابی ته خاکستر هر حرف شراری
آتشکده کاواست دمم پارسیان را

آنم که بافزایش اندازه فطرت
آنم که به آرایش انداز تماشا

نطقم ز دم انگيخته از مغز خرد جوش
کلکم ز رقم ريخته بر صفحه ثريا

هين عيسى و سامان نوالش نفس گرم
هان مرسی و برهان کمالش يد بيضا

چون دشت پر از لاله خود روست بساطم
از جاده نوردان نکدم مزد تقاضا

چون لعل رگ ابر گداز جگر ستم
خونم همه در دامن خود می چکد اما

گوئی مژده اشک فشانم که سراسر
بر گنج گهر میزنم از نار سراپا

هر زمزمه کز کام و زبانم بقرآود
جوید ز ره پرده گوشم بدلم جا

چون سیل که از بادیه خیزد ببهاران
مالد بزمین سینه و گیرد ره دریا

هر چند درین عرصه بهر رنگ که خواهی
با نیک و بد دهر بسر میرود اما

دل می طالب دوستی و دشمنی خلق
لب تشنه خونند چه اعدا چه احبا

هشدار که مجنون نتوان شد بتکلف
دیوانه توان گشت ولیکن بمدارا

گر حوصله همپائی نمی بود درین راه
دریا ختمی زهره ز تاب و تب غوغا

آزادگی از موج برون برد گلیم
ورنه من و این دعوی و این حوصله ؟ حاشا!

در جیب رفیقان گل شاداب فشاندم
هر چند تف تشنگیم سوخت به صحرا

در بزم حریفان رگ مهتاب کشودم
گر خود همه گردون نمک ریخت به صهبا

نفرین نژد سیلی صرصر بچراغم
تجسین ندماند زرگ ساز من آوا

از بسکه سیه مست می جنبش کلکم
در پرده هر نقش دلم می رود از جا

بیراهه اگر گام زنم خرده مگیرید
در عربده راهم ز دراز است پهنای

نظاره خوبان و می و نغمه حرامست
دیدیم و شنیدیم ، سمعنا و اطعنا!

با این همه هر جا کند آهنگ خرابی
سر گرمی شوقی که بود حوصله فرسا

با نغمه مطرب نتوان شد متعصب
از جلوه ساقی نتوان کرد تبرّا

شوقست که چون نشأ توحید رساند
از دار برد پایۀ منصور ببالا

شوقست که فرهاد ازو مرده به سختی
شوقست که مجنون شد ازو بادیه پیما

شوقست که مرآت مرا داده به صیقل
شوقست کزوطوطی طبعم شده گویا

شوقست کزاعجاز اثرهای قبولش
آئینۀ پیدائی حرف ست ورق ها

قانع به سخن نیستم و باک ندارم
کز خویش سپاس ست و نه از غیر محابا

نظارگی جلوۀ اسرار خیالم
در آئینۀ چشم حسود و دل اعدا

ز آویزش دونان ز سخن باز نمانم
سیلاب مرا زین خس و خاشاک چه پروا

شوقم همه رازست من و عریده هرگز
سوزم همه سازست من و شکوه مبادا

گرمهر و گرکین همه رعنائی و هم ست
شاد آنکه به نیرنگ نگردید فریبا

اندیشه دوصد گلکده گل برده بدامن
اما همه از نقش و نگار پر عنقا

چون پرده شب بار مصور بخیالست
این کارگاه و هم ز پیدائی اشیا

آن وعظ فقیهانه زاهد که نزید
بر صفحه دین نقش رواج غم دنیا

وان نغمه مستانه رندان که نیرزد
دم سردی امروز بسر گرمی فردا

آن حسن و دم ناز ز افسون ادائی
جان باز دمیدن به تن صورت دیبا

وان عشق و گه عجز بامید نگاهی
از خویش گزشتن بسر راه تمنا

گردیدن هفت اختر و نه چرخ بهر سو
زین عربده بالیدن آثار بهرجا

گل کردن صد رنگ بهار از جگر خاک
برجستن یکدسته شرار از رگ خارا

هنگامه ابلیس و نشان دادن گندم
افسانه آوارگی آدم و حوا

دانسته شود هرچه ز اسرار تعین
سنجیده شود هرچه ز آثار من و ما

از خامه نقاش برون نامده هرگز
هر نقش که بینی ز پس پرده هویدا

وحدت همه حدیست معین که خود از وی
هستی همه جزئیست حقیقی که مرا و را

طرفی نتوان بست بسر گرمی او هام
هرگز نتوان کرد پراگنده بر اجزا

آئینه به پیشِ نظر و جلوه فراوان
دل پر هوس و صاحب خلوتکده تنها

پیدا و نهان مشغله حب ظهور ست
چون پرده برافتد نه نهانست نه پیدا

مدهوش ره و رسم فنایم خبرم نیست
بیخویش قدح میزنم از خمکده لا

ایمان من اے لذت دیدار کجائی
در کام مذاقم بچکان رشحه الا

آن رشحه که گوئی ز گرانمایگی ناز
مهریست، به گنجینه کیفیت اسما

آن رشحه که ساریست در اعداد چو واحد
آن رشحه که حالیست بصورت چو هیولی

آن رشحه که آئینه تصویر نمائی ست
اسرار رقمهای حیات ابدی را

آن رشحه که گرد طلبش باش شتابند
کوشش ز عرق مزد دهد لولوی لا

آن رشحه که گرد صدقش باز چکانند
از موج گهرها دمدا نگاره دلها

آن رشحه که بیخواست چکد از کف ساقی
در عرض قدح در زدن اندر خم صهبا

زان رشحه نم فیض قبولست مرادم
ساقی علی عالی و خمخانه تولا

در سجده روای خامه ! که این اسم مبارک
منجمله اسماء الهی ست ، هانا

گرد سر این نام که معراج بیان ست
سبحانک یا رب تقدس و تعالی

آن مصطفوی رتبه که تشریف ولایش
بر تارک سلمان بنهاد افسر 'منا'

آن شاه کرم پیشه که هنگام رکوعش
بالید خم حلقه خاتم ز مصلا

هم شوکت آثار علی بود که داؤد
صد چشم بره داشت ز اجزای زره و

چون اسلحه سازان که بسازند سرو برگ
تا مرد کند جلوه گری در صف هیجا

هم مژده دیدار علی بود که میریخت
در پرده احیا ز لب و کام مسیحا

چون باد بهاری که بهنگام وزیدن
از گل فگند غلغلہ در خطہ غبرا

از مکر مستش ناف زمین ناف غزالست
مشکین ز چه شد ورنه لباس حرم آیا؟

نہ نے غلطم کز اثر ذوق ظہورش
زان قطعہ دل خاک زند جوش سویدا

آن خام اسرارید اللہ کہ باشد
منقوش بہ اسمی کہ بود عین مسمی

شد مہر نبوت فوہ تا ساخت پیمبر
از دوش نگین خانہ یاقوت کف پا

تا حلقہ بگوش ست ز نقش سم دلدل
بر طالع این دائرہ رشکست فلک را

یال و دمش از پرتو دیدار گل افشان
گرد سمش از جلوہ رفتار شفق را

وان تیغ دوسر کز اثر شرک زدائی
بر کوکبہ کفر زند صاعقہ لا

چون طرح شود با الف صیقل ایمان
در دیدہ توفیق دہد جلوہ الا

سر رشته نطقم به گسستن زده اینک
”از کار فرو بسته دل عقده کشایا“

پیدا است که هیچی همه را چه ستاید
من ذره تو خورشید، من و مدح تو حاشا!

اندیشه بخاری ورگ خامه گیاهی
با فکر چه نیروی و به تحریر چه یارا؟

خواهم که ز جوش نفس و ولولۀ شوق
بر شیوۀ عشاق کنم مدح تو انشا

مطلع ثانی

اے داغ غمت مردمک دیده اشیا
عکس تو هر آئینه زهر آئنه پیدا

در جنب گرانمایگی قدر تو عالم
چون ذره به صحرای بود و قطره بدریا

نقش قدم مورچه پیشت بشب تار
چون جوهر آئینه ز آئینه هویدا

در پیش نگاه تو فلک پرده عینک
در چشم خیال تو جهان محمل لیلی

میخوار ترانگ ز پیمانۀ جمشید
بیمار ترانج ز تیمار مسیحا

خاشاک درت تاج سرافرازی رضوان
نقش قدمت غازه رخساره حورا

هم موجه رفتار تو ذوق رخ یوسف
هم جاده راه تو رنگ خواب زلیخا

در گرد خرام تو نگه ریشه طوبی
در بزم تماشای تو مژگان ید بیضا

تقدیر بر رخساره توقیع امامت
زد از رقم نام تو گلگونه طغرا

توفیق به آئینۀ اسرار نبوت
کرد از اثر رای تو پرداز مهیا

رفتار تو گر آئینه خاک زداید
از پرده هر ذره دم دیدۀ بینا

اعجاز تو گر سوی نباتات گراید
از ریشه هر برگ بر آید لب گویا

گویند که کوثر می تاب ست سراسر
گویند که فردوس نگار ست سرایا

آن چشمه ز طرف قدحت رشعۀ باقی
وان سبزه ز بزم طریقت خردۀ مینا

مهر تو درین عرصه بسودا گر ایمان
بخشد بسلم قیمت موعودۀ کالا

روے تو درین پرده بجویندۀ دیدار
امروز دهد حاصل دریوزۀ فردا

در پرده سازم جگر اندوده خطائیت
کز برق و شفق باز برد جلوه به یغما

دانی کہ مرا دعویٰ فضل و هنری نیست
دیباے من از نقش کمالست معرا

در دایرۂ فکر ز آشفستگی رای
هر دم نفسم پیچ خورد چون خط ترسا

از صعوۂ بے بال و پر من چه کشاید
پرواز ثنایت طلبد شہر عنقا

آنم کہ رباعی ز غزل باز ندانم
تاریخ بمعنی شناسم ز معما

ذوق تو دمانیدہ ز لب سبزۂ گفتار
مدح تو دوانیدہ بدل ریشۂ احیا

نظم بشمار عدد حرف علی شد
در رشتۂ تحریر ز شوخی گھر آما

تکرار رخ قافیہ چندانکہ خراشید
شوقم بجراحت نمک افشانہ ز ایطا

ترکانه زدم زمزمه مدح و ثنایت
در منطق اجداد نه بر مسلک آبا

این پارسئی ساده ز آرائش دعوی
وین بندگی پاک ز آلائش غوغا

دور از اثر عربده و بحث و ستیزه
منظور نگاه دل و جان بخش تو بادا

در عرض ثنایت نفسم جوهر معنی
در بزم ولایت لقبم غالب شیدا

سیراب سفالم ز نم رشحه کوثر
گلپوش مزارم ز هجوم پی مولی

ترکیب بند در منتقبت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

آن سحر خیزم که مه را در شبستان دیده ام
شب تشینان را درین گردنده ایوان دیده ام

اینت خلوتخانه روحانیان کائنات دور
زهره را اندر دای نور عریان دیده ام

هر یکی فارغ ز غیر و هر یکی نازان بخویش
لولی را در دو عشرتگه دو مهمان دیده ام

هر گزای نادان به رسوای نه بندی دل که من
ماه را در ثور و کیوان را به میزان دیده ام

رفته ام زان پس به سیر باغ و مرغان را بباغ
سربه شرم خواب زیر بال پنهان دیده ام

کلک موج نکهت گل، دم ز گردش نازده
نامه فیض سحر ننوشته عنوان دیده ام

شانه باد سحرگاهی به جنبش نانده
طره سنبل به بالین بر پریشان دیده ام

باد سرمستانه می جنبد و شبم می چکد
غنچه را در رخت خواب آلوده دامان دیده ام

صبح اول گو بروی کس نیاورد از حیا
صبح ثانی را برین هنگامه خندان دیده ام

معصوم راز نهان روز گارم کرده اند
تا بحرفم گوش نهد خلق خواریم کرده اند

چشم از انجم بیدار عزیزان روشن است
شام پندارم جواهر سرمه چشم من است

تاچه بنمایند هان باید نظر بر پرده دوخت
ظلمت شام است جلاباب و هر اختر روزن است

رامیان چرخ را آماجگه جز خاک نیست
جان پاک از اختران بیند اثر تا در تن است

ای که گفתי هفت کوب در شمار آورده ام
زانمیان بهرام شورانگیز و کیوان پُرفن است

دشمنی دارم برون زین هفت کز غارتگری
هم بشب دزد متاع و هم بروزم رهزن است

اهل معنی را نگه دارد بسختی آسمان
سفله را برگنج زر بینی که بند آهن است

لطف طبع از مبدء فیاض دارم نی ز غیر
دشت را خود رو بود گرسرخ گل و رسوسن است

کار چون نازک بود علت نگنجد در میان
غنچه در تنگی قبایش بی نیاز از سوزن است

از عطارد نبودم فیض سخن کان تنگ چشم
خود بحکم هم فنی از رشک بامن دشمن است

من که با ساقی زوالی فرو ناید سرم
آفتاب آسا، به زور خویش گردد ساغرم

روشناس چرخ در جمع اسیرانش منم
نور چشم روزن دیوار زندانش منم

ثابت و سیار گردون را رصد بستم به علم
رشته تسبیح گوهرهای غلتانش منم

نی ز دانش کامیاب و نی بسختی تنگدل
شرمسار کوشش برجیس و کیوانش منم

در لایمی شهره دهر از تهیدستی است چرخ
رفته مسکین را زیاد و گنج پنهانش منم

تیرتازد گربه ادریسی بخاک اندازمش
زهره نازد گربه بلقیسی سلیمانش منم

کعبه بامن از مروت عذر خواه پای ریش
وز ادب شرمنده خار مغیلانش منم

در غریبی خویش را از غصه در دل می خلم
خورده ام از شست غم تیری که پیکانش منم

نوش چون راه لبم گیرد ادا فهمش نیم
نیش چون مغز دلم کاود زیاندانش منم

مانده ام تنها به گنج از دور باش پاس وضع
خانه دارم که ندارند دربانش منم

پایه من جز بچشم من نیابد در نظر
از بلندئ اخترم روشن نیابد در نظر

خون گریستم گریه گلبانگ تماشا زد بمن
چشم آن دارم که غم خود زین سپس سازد بمن

شاهد من پایه من در وفا داند که چیست
میکشد عمداً بنواز آنگاه می نازد بمن

بامن اندر همنشینان روی گرداند ز من
بی من اندر نازنیان گردن افرازد بمن

ریخت خونم بر سر ره تا حنا بتدد بپای
کرد خاک راه خویشم تا فرس تازد بمن

چون بغیر از عمر کان مفت ست هیچم مایه نیست
نبودم بیم زیان گر چرخ کج بازد بمن

بر منش دستی تواند بود زان بالاترم
دل نبازم شیر گردون، پنجه گربازد بمن

هر کرا گردون بلند آوازه تر خواهد بدهر
نوبت شاهی دهد وانگاه بنوازد بمن

بادشاهان را ثنا گفتن نه کار هر کس است
دیده و رشاهی که کار گفتن اندازد بمن

ورتو کوئی باشد را مایه نبود بیم نیست
خود بشاهان مایه بخشم گر بپردازد بمن

آن که چون در ملک هستی سکه شاهی زند
سکه شاهی بطغرائی ید الٰهی زند

نوبهار آمد که رقصد بر سر دیوار گل
سر کشد چون شعله شمع از درون خار گل

عاشقان با عندلیبان دشمن و من در شگفت
کز چه ماند گرچه خوش باشد بروی یار گل

هم بدشت از کوه تا بنگاه دهقان لاله زار
هم بشهر از باغ شه تا خانه خمار گل

قاتل ما چون سبکدست است ما هم سرخوشیم
سر ز دوش افتاده و نفتاده از دستار گل

او پر از لیلی نازک و غم جانگداز
بر سر آشفته مجنون مزن زنهار گل

بستر خارم نسازد رنجه زان ترسم که دوست
داندم در شب ببالین دیده خونبار گل

آسمان سرگشته بود آسودگی جستم ز خاک
باغبان بیگانه بود آوردم از بازار گل

جنبد از باد و من انگارم که چون جنبیده مهر
گشته از فریاد مرغان چمن بیدار گل

چون نازد شاخ گل بر خویش چون ببند که باد
از وی افشانند بپای حیدر کرار گل

آن که در معراج از ذوق رخ زیبای او
خواجه را در چشم حق بین بود خالی جای او

صبح سرمستانه پیر خانقه را در زدم
او سخن سر کرد از حق من دم از حیدر زدم

شیخ حیران ماند در کار من و غافل که من
بوسه ها از ذوق پای خواجه بر منبر زدم

کرد یادش در صف او باش دوشم شرمسار
خشت از خم کنده را بر شیشه و ساغر زدم

بزم شوقش را نوائین شمع و خوش پروانه ایست
بسکه بیتابانه خود را بردم خنجر زدم

یافتم خاکی ز راهش اشک شادی ریختم
خواست از من بادشاهش خنده بر افسر زدم

عذر از حق خواستم تا خواجه را گفتم چنا
رشته از جان تا قتم تا صفعه را مسطر زدم

محضری آورده قاصد از علی الهیان
پیش از آن کز خویش پرسم مهر بر محضر زدم

ذوق پابوسش جگر را تشنه تر دارد بوصل
در بهشت از گرمی دل غوطه در کوثر زدم

بر تپانم آرزوی چاره در دل خستگی
تکیه کردم بر علی تا تکیه بر بستر زدم

ناتوانی را که لطفش طرح نیرو افگند
فربهی هر زفسون سازان ز بازو افگند

در عدم پندار پیدای سلیمان زاستی
آه ازین عالم گرش در چشم موری جاستی

هستی ایزد را و عالم سیمای ایزدی ست
لا جرم هر ذره را آن فره در سیماستی

هر توانام دگر دارد ز فرق زیرو بم
ورنه خود یک زخمه و یک تار و یک اواستی

در تماشاگاه جمع الجمع بروفق نمود
قطره ها سرچشمه و سرچشمه ها دریاستی

گر صد گویند و ر حق کثرت اندر ذات نیست
ما علی گفتیم و آنهم اسمی از اسماستی

جنش هر شی به آئین است کان شی در وجود
هم بدان ساز است گر پنهان و گر پیداستی

نطق من گر صورت شاهد گرفتی فی المثل
جای گرد از ره گزارش بوی گل برخاستی

دین حق دارم معاذ الله نصیری نیستم
گر نداند عیب جو، باری خدا داناستی

با علی ویراست عهد حق پرستی بسته ام
وان به روزی بود کش روز ازل فرداستی

حرف حق از خواجه یادم بود تا گفتم بلی
نوق ایمان در نهادم بود تا گفتم بلی

خوش بود در یوزة فیض الہی از علیؑ
گرچہ از ہر در نصیب ہر طلبگاری رسد

کھنہ دانم گردہندم طلیسان مشتری
تازہ گردم از ردای خواجہ گرتاری رسد

عاشقم لیکن ندانی کز خرد بیگانہ ام
ہوشیارم با خدا و با علی دیوانہ ام

غالباً! حسن عقیدت برتتابم بیش ازین
ہم ز خود بر خویش منت برتتابم بیش ازین

نیست ز اسمای الہی بر زبانم جز علیؑ
بیخودم پاس محبت برتتابم بیش ازین

بستہ ام دل در ہوای ساقی کوثر بخلد
طعنہ از حوران جنت برتتابم بیش ازین

خاصہ از بہر نثار بادشہ خواہم می
آبروی دین و دولت برتتابم بیش ازین

خوش بود در یوزۀ فیض الهی از علیؑ
گرچه از هر در نصیب هر طلبگاری رسد

کهنه دانم گرددم طلیسان مشتری
تازه گردم از ردای خواجه گرتاری رسد

عاشقم لیکن ندانی کز خرد بیگانه ام
هوشیارم با خدا و با علی دیوانه ام

غالباً! حسن عقیدت برتتابم بیش ازین
هم ز خود بر خویش منت برتتابم بیش ازین

نیست ز اسمای الهی بر زبانم جز علیؑ
بیخودم پاس محبت برتتابم بیش ازین

بسته ام دل در هوای ساقی کوثر بنخل
طعنه از حوران جنت برتتابم بیش ازین

خاصه از بهر نثار پادشه خواهم همی
آبروی دین و دولت برتتابم بیش ازین

در نجف وقت نماز آرم بسوی کعبه روی
قید قانون شریعت برتتابم بیش ازین

باده در خلوت بعشق ساقی کوثر خورم
نازش ناموس نسبت برتتابم بیش ازین

عاشق شامم نه کافر، عشق شاهان کفر نیست
از غلط فهمان شماتت برتتابم بیش ازین

چون بخوابم روی ننماید نهم بر مرگ دل
جانگدازیهای حسرت برتتابم بیش ازین

بوده ام رنجور تا ذوق سلو کم روی داد
لا جرم رنج ریاضت برتتابم بیش ازین

از فنا فی الشیخ مشهودم فنا فی الله باد
محو گشتم در علی دیگر سخن کوتاه باد

مختصر

در مہد دستبرد بہ اژدر کند علیؑ
رفع نزاع باز و کبوتر کند علیؑ
از جور چرخ پرسش من گر کند علیؑ
زور آزمائی کہ بہ خیبر کند علیؑ
دادم همان بہ گنبد بی در کند علیؑ

رسمیست خسروانہ کہ شاہان بہ روز بار
گیرند کار خویش ز دستور و پیشکار
دستور شہ ، نبی و خداوند دستیار
می گویم و ہر آئینہ گویم ہزار بار
کار خدا بہ عرصہ محشر کند علیؑ

گر کار تست ہرزہ برو کو بکو بہ گرد
چون سوقیان بہ عربہ در چار سو بہ گرد
سلطان دین علیست 'بیا' گرد اور بہ گرد
جان رونما پذیر و درین جستجو بہ گرد
کز غرفہ خیال تو سر ، بر کند علیؑ

ایمان و بغض خواجه چراغیست و تند باد
یا رب! کسی اسیر هوا و هوس مباد!
باوی نیارم از ستم روزگار یاد
دین بر خورد ز دانش و دانش رسد به داد
تا کار دین بجای پیمبر کند علی

روی تکوی خواجه نه بینند گر بخواب
اصحاب کعبه را نبود زینهار تاب
شد کام بخش هر که ز شاهست کامیاب
دریوزہ فروغ کند از وی آفتاب
گر ماه را به مایه توانگر کند علی

یزدان که مست کرد روان را ببوی او
آویخت هشت خلد بیک تار موی او
چشم مباد گر نگرم جز به سوی او
جرم هزار رند به بخشم به روی او
گر خود مرا به محکمہ داور کند علی

گفتم، بود فروغ جمالش نظر فروز
گفتم، بود نگاه عتابش نظاره سوز
گویم که نطق تشنه گفتن بود هنوز
پیش وی آفتاب نماید چراغ روز
در چاشتگه چراغ اگر بر کند علی

اینک شیوع فتنه روز قیامتست
پیدا ز هر نورد هزاران علامتست
اسلام را دگر چه امید سلامتست
بر دست آن که خاتم قوس امامتست
آرایش جهان مگر از سر کند علی

هر چند چرخ قاعده گردان عالمست
بعد از نبی امام نگهبان عالمست
اندر کف امام، رگ جان عالمست
دل داغ رو نوردی سلطان عالمست
بازش بجای خویش مقرر کند علی

گفتم، بود فروغ جمالش نظر فروز
گفتم، بود نگاه عتابش نظاره سوز
گویم که نطق تشنه گفتن بود هنوز
پیش وی آفتاب نماید چراغ روز
در چاشتگه چراغ اگر بر کند علی

اینک شیوع فتنه روز قیامتست
پیدا ز هر نورد هزاران علامتست
اسلام را دگر چه امید سلامتست
بر دست آن که خاتم قوس امامتست
آرایش جهان مگر از سر کند علی

هر چند چرخ قاعده گردان عالمست
بعد از نبی امام نگهبان عالمست
اندر کف امام، رگ جان عالمست
دل داغ رو نوردی سلطان عالمست
بازش بجای خویش مقرر کند علی

منقبت

ہزار آفریں بر من و دین من
کہ منعم پرستیست آئین من

چراغے کہ روشن کند خانہ ام
تو گوئی منش نیز پروانہ ام

حریفے کہ نوشم می از ساغر ش
بهر جرعه گردم بگرد سرش

برانم کہ دادار یکتا ست
فروغ حقائق ز اسماست

بهر گوشہ از عرصۂ این طلسم
دہد روشنائی جدا گانہ اسم

ہر ان شی کہ هستی ضرورش بود
باسمے ز اسماء ظہورش بود

مجھ پر اور میرے دین پر ہزار آفریں
کہ اپنے منعم کی پرستش میرا دین ہے

وہ چراغ جو میرے گھر میں اجالا کرتا ہے
گویا میں خود بھی اس کا پروانہ ہوں

وہ ہمد جن کے ساغر پیتا ہوں
ہر ایک گھونٹ پر اُن کے قربان جاتا ہوں

میرا ایمان یہ ہے کہ دنیا کا حاکم ایک ہے
اور اس کے ناموں سے حقیقتوں کی جلوہ گری ہے

دنیا کے طلسم میں جتنے گوشے ہیں،
سب کو علیحدہ اسم (خدا) سے روشنی پہنچ رہی ہے

جس چیز کو بھی عالم وجود میں لاتا ہے
خدا اپنے ایک اسم سے اسے پیدا کر دیتا ہے

کز آن اسم روشن شود نام او
بدان باشد آغاز و انجام او

بود هر چه بینی بسودائی دوست
پرستار اسمی ز اسمائی دوست

هر آئینه در کار گاه خیال
کز انجاست انگیزش حال و قال

لبم در شمار ولی الهیست
دلّم راز دار عالی الهیست

چو مربوب این اسم سامیستم
نشانمند این نام نامیستم

بلندم بدانش نه پستم هم
بدین نام یزدان پرتسم هم

نیاساید اندیشه جز با علی
ز اسمانه اندیشم الاعلی

اور اسی اسم سے اس چیز کا نام وابستہ ہو جاتا ہے
اس کی ابتدا اور انتہا وہی اسم ہوتا ہے

جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے وہ سب اسی سے لو لگائے ہوئے ہے اور
کسی ایک اسم کے آگے سجدہ کئے جاتا ہے

یقیناً خیال کے اس کارخانے میں
جس سے حال اور قال پیدا ہوتا ہے

میرے لبوں پر ہر دم ”ولی اللہ“ ہے (کہ یہ قال ہے) اور میرے دل
میں علی الہی کا راز ہے (کہ یہ حال ہے)

چونکہ میں اس بلند مرتبہ اسم کا پروردہ ہوں اسی لئے
اسی نام کا نشان مجھ پر ہے

میں عقل میں بلند ہوں پست نہیں ہوں
اس لئے اس نام سے خدا پرستی کرتا ہوں

خیال کو راحت اسی کے دم سے ہے اور
کوئی اسم میرے تصور پر حاوی ہے تو یہی علی کا نام ہے

ببزم طرب هم نوايم عليست
به گنج غم انده رباييم عليست

به تنهائيم راز گوئي باوست
به هنگامه ام پايه جوئي باوست

در آئينه خاطرم رودهد
به اندیشه پيوسته نيرودهد

مرا ماه و مهر و شب و روز اوست
دل و دیده را محفل افروز اوست

به صحرا به دريا براتم ازوست
به دريا ز طوفان نجاتم از اوست

خدا گوهری را که جان خوانمش
ازان داد تا بروی افشانمش

مرا مایه گردل و گرجان بود
ازو دانم از خود زیزدان بود

خوشی کی محفل ہو تو علی میرے رفیق جاں اور
غم کا گوشہ ہو تو غم ہلکا کرنے والے علی ہیں

تنہائی میں دل کی بات انھیں سے کہتا ہوں اور
جب معرکہ آرائی ہو تو انھیں سے بلندی مرتبہ چاہتا ہوں

میرے دل کے آئینے میں انھیں کا جلوہ نظر آتا ہے اور
فکر کو ہمیشہ انھیں سے قوت ملتی ہے

میرے لئے چاند سورج ، دن رات ، سب کچھ علی ہیں
دل و نگاہ کی رونق انھیں کے دم سے ہے

خستگی اور تری دونوں جگہ نجات کی راہ دکھانے والے وہی ہیں۔
دریا میں طوفان آجائے تو وہی چھٹکارا دلاتے ہیں

خدا نے یہ جوہر جسے جان کہتے ہیں
اسی لئے مجھ کو عطا کیا کہ علی پر قربان کردوں

دل و جاں کا جو سرمایہ مجھ کو ملا ہے،
چاہے وہ خدا کی طرف سے ملا ہو، لیکن میں اسے علی کی طرف
سے شمار کرتا ہوں۔

کنم از نبیِ رویِ در بُوتِ راب
بِمه بنگرم جلوهُ آفتاب

زیزدان نشاطم به حیدر بُود
ز قلزم بجو آب خوشتر بُود

نبیِ را پزیرم به پیمان او
خدا را پرسم به ایمان او

خدایش روانیست هر چند گفت
علی را توانم خداوند گفت

پس از شاه کس غیر دستور نیست
خداوند من از خدا دور نیست

نبی را اگر سایه صورت نداشت
تردد ندارد ضرورت نداشت

دو پیکر دو جادر نمود آمده
اثرها بیگ جافرود آمده

نئی کی طرف منہ کر کے میں علی کو دیکھتا ہوں اور
اس چاند میں سورج کا نور دیکھتا ہوں

خدا کی طرف سے جو نشاطِ روح میسر آتا ہے وہ مجھے حیدر (علی سے ملتا ہے)
جس طرح سمندر کے پانی سے نہر کا پانی زیادہ خوشگوار ہوتا ہے

علی کا عہدِ نبیؐ سے ہے اور میرا عہدِ علیؑ سے، اس لئے نبیؐ سے میرا عہد ہوا
میں تو خدا کو بھی یوں مانتا ہوں کہ علیؑ اسے مانتے ہیں

اگرچہ علیؑ کو خدا کہنا جائز نہیں،
تاہم انھیں خداوند (مالک) کہہ سکتا ہوں، (اور کہتا ہوں)

بادشاہ کے بعد کسی کا مقام آتا ہے تو وزیر کا،
میرے خداوند (اس کے وزیر ہیں اس لئے) خدا سے دور نہیں

نئیؐ کا سایہ نہیں پڑتا تھا تو کیا تعجب،
اس کی ضرورت ہی کیا تھی

دو جسم تھے جو الگ الگ ظاہر ہوئے
اور اُن کے اثرات ایک ہی جگہ ظاہر ہوتے تھے (اس لئے سایہ ایک ہی نظر آیا)

دو فرخنده یار گرانمایہ ہیں
دو قالب زیک نور ویک سایہ ہیں

بدان اتحادی کہ صافی بود
دو تن رایکے سایہ کافی بود

ازاں سایہ یک جا گرایش کند
کہ احمدؑ ز حیدرؑ نمایش کند

بہر سایہ کافتد ز بالائے او
بود از نبیؑ سایہ ہمپائے او

زہے قبلۃ اہل ایمان علیؑ
بہ تن گشتہ ہمسایۃ جان علیؑ

پدیدار در خانہ نبیؑ
بہ گیتی دراز وے نشان نبیؑ

بیک سلک روشن دہ ویک گھر
نبیؑ را جگر پارہ او را جگر

یہ دونوں مبارک اور صاحب مرتبہ دوست تھے ، ایک ہی نور
اُن دونوں جسموں میں تھا تو ایک جسم کا سایہ پڑا

جو اتحاد اس قدر لطیف ہو وہاں
دو جسموں کے لئے ایک ہی سایہ کافی ہے

دونوں کا سایہ اس لئے ایک جگہ پڑتا ہے کہ
حیدرؑ کی ذات سے احمدؑ ظاہر ہوں

اس لئے علیؑ کے قد سے جہاں بھی سایہ پڑتا ہے
نبیؑ کا سایہ اسی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور ایک ہو جاتا ہے

اہل ایمان کے قبلہ و کعبہ علیؑ کا کیا کہنا کہ،
اپنے جسم سے جان نبیؑ کے ہمسایہ ہو گئے ہیں
(دونوں کا سایہ ایک ساتھ ظہور کرتا ہے)

نبیؑ کے خاندان میں وہ بہت نمایاں ہیں
اور دُنیا میں نبیؑ کا نشان اُن سے قائم ہے

نور کی ایک مالا ہے جس میں گیارہ موتی ہیں (علیؑ کے بعد گیارہ امام اور ہیں)
جو نبیؑ کے جگر کے ٹکڑے ہیں اور علیؑ کے جگر ہیں۔

جگر پاره ها چون برابر نهند
به گفتن جگر نام آن بر نهند

علیٰ راست بعد از نبیٰ جائے او
همان حکم کل دارد اجزائے او

همانا پس از خاتم المرسلین
بود تا به مهدیٰ علیٰ جانیش

نژاد علیٰ با محمد یکسیت
محمد همان تا محمد یکسیت

در احمد الف نام ایزد بود
زمیم آشکارا محمد بود

الف میم را چون شوی خواستار
نماید ز احمد بجز هشت و چار

ازیس نغمه کاینگ ره هوش زد
بدل ذوق مدح علیٰ جوش زد

جگر کے ٹکڑوں کو اگر ایک جگہ برابر ملا کر رکھ دیا جائے تو
اُن کو جگر ہی کہا جائے گا

نبیؐ کے بعد علیؑ کو اُن کی مسند پہنچتی ہے
اور اُن کے ٹکڑے بھی، 'مُل' کی حیثیت رکھتے ہیں

چنانچہ آخری رسولؐ کے بعد (بارہویں امام)
مہدیؑ تک علیؑ کی ہی جانشینی (خلافت) چلتی رہتی ہے

علیؑ کی نسل محمدؐ ہے،
اور اسی طرح محمدؐ رسول اللہ سے لے کر (بارہویں امام) محمد تک ایک ہی ہیں۔

احمدؑ کے نام میں الف ایزد (خدا) کا ہے، اور
میم کا حرف محمدؐ کے نام سے آیا ہے۔

الف اور میم کا گر تو طلب گار ہو (لے لے) تو احمدؑ میں سے صرف
'حد' رہ جاتا ہے جس کے عدد بارہ ہی ہوتے ہیں (اور امام بارہ ہیں)

یہ نغمہ جب ذہن میں آیا تو
دل میں علیؑ کی مدح کا جوش اٹھا۔

ز کویش به گلشن سخن می کنم
ستم برگل و نسترن می کنم

ز نطقش به گفتار خوان می نهم
سخن را شکر در دهان می نهم

ز لطفش به هستی خبر می دهم
بریک روان دجله سرمی دهم

علیّ آن زدوش نبیّ را فرش
علیّ آن یدالله را کف کفش

خدارا گزین بنده رازدار
خدا بندگان را خداوندگار

به تن بینش افروز آفاقیان
بدم دانش آموز اشراقیان

به کثرت ز توحید پیوند بخش
به بے برگ نخل برومند بخش

اب میں گلشن میں اُن کے کوچہ کا ذکر چھیڑتا ہوں اور
گلاب اور سیوتی کو شرما کر اُن پر ستم کرتا ہوں

اُن کے کلام سے عالمِ سخن میں ایک خوان رکھتا ہوں اور
سخن کے دہن میں شکر دیتا ہوں

موجودات کو اُن کے کرم کی خبر دیتا ہوں گویا
ریگ و رواں پر دجلہ بہاتا ہوں

علی وہ ہیں کہ نبیؐ کا کاندھا اُن کی سواری بنا
علی وہ ہیں کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے

وہ خدا کے منتخب رازدار بندے ہیں اور
خدا کے بندوں کے لئے آقا و مالک کا درجہ رکھتے ہیں

اپنے جسمانی وجود سے وہ اہل دنیا کی بصیرت بڑھاتے ہیں اور
اپنے کلام سے اشراقی فلسفیوں کو علم عطا کرتے ہیں

کثرت کو وحدت وجود سے ربط دیتے ہیں اور
محتاج کو (جس کو پتہ بھی میسر نہیں) پھل دینے والا درخت
عطا کرتے ہیں۔

بہ سائل ز خواہش فزون تر سپار
بہ لب تشنہ جرعه کوثر سپار

نوید ظفر گردے از لشکرش
حساب نظر فردے از دفترش

گداز غمش کیمیائے سرشت
غبار رهش سیمیائے بہشت

نگہہ کوثر آشامد از روئے او
روان تازہ رو گردد از بوئے او

نیاز رده گوشش ز آواز وحی

ضمیرش سرا پردہ راز وحی

براه حق اندر نشاۃا ازو
بہر نکتہ در داستانہا ازو

بہ پیوند او ربط ہر سلسلہ
خود او را رہے خضر ہر مرحلہ

مانگنے والے کو وہ اس کی طلب سے بھی زیادہ دیتے ہیں
اگر آدمی ایک گھونٹ کا پیاسا ہو تو اُسے حوضِ کوثر عطا کرتے ہیں

اُن کے لشکر سے اٹھا ہوا گرد و غبار فتح کی بشارت ہے اور
فکر و نظر کا پورا حساب ان کے دفتر کی ایک بیاض کے برابر ہے

اُن کے غم (الفت) سے جو رقتِ قلب پیدا ہوتی ہے وہ فطرت کے
لئے کیسا ہے اور ان کی راہ میں جو غبار اٹھے وہ جنت کی آرائش ہے

نگاہ اُن کے چہرے پر پڑتی ہے تو گویا حوضِ کوثر پیتی ہے اور
اُن کی مہک آجائے تو جان میں تازگی آجاتی ہے

علیٰ کے کانوں کو وحی سننے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی،
وحی کا راز اُن کے دل پر آپ سے آپ ظاہر تھا

حق کی راہ میں ان سے نشاناتِ راہ موجود ہیں اور
اُن کے ہر نکتہ میں (جو وہ بیان کریں) داستانیں پوشیدہ ہیں

اُن کے علاقہ سے صوفیا کا ہر سلسلہ قائم ہے
خضر جو (جو بھٹکنے والوں کو راہ بتاتے ہیں) ہر مرحلے کے رہنما
ہیں، ان کے بندے ہیں (یعنی پیروی کرتے ہیں)۔

گذشته به معشوقے از ہمسرے
بدوش نبیٰ پایش از برترے

زمین فلک در گزر گاہ او
غبارِ سرخیز آہ او

اگر پارہ گشتہ پستے گرا
ہو دیارہ همچنان برہوا

بیاد حق از خواہشِ نفسِ دُور
ز شادی ملول و بہ اندہ صبور

بپشمی کہ گرید بہ بزم اندرون
دل آسودہ خسپد برزم اندرون

بدرویشش فرشاہنشاہی
زہے خاکساری و ظل اللہی

ہوا و ہوس گشتہ فرمان پذیر
بہ فرمانِ روائیِ حصیرش سریر

نبی کے شانے پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے تو برتری مل گئی اور
دلبری میں ہم سری کی حد سے گذر گئے

اُن کی گذرگاہ میں فلک کا فرش،
اُن کی صبح کی آہ سے (جو عشق الہی میں بلند کرتے ہیں) غبار ہو جاتا ہے

اس غبار کا ایک ٹکڑا نیچے کی طرف مائل ہو کر (زمین بن گیا) تو،
دوسرا ہوا کے اوپر قائم رہا

خدا کی یاد میں وہ ایسے محو ہوتے ہیں کہ نفس کی خواہش
پاس نہیں آتی، خوشی سے کچھ خوش نہیں ہوتے اور غم میں صبر سے کام لیتے ہیں

علی کی وہ آنکھیں جو محفل میں آنسو بہاتی ہیں،
جنگی ہنگامے کے وقت سکھ کی نیند لیتی ہیں

فقیری میں وہ شاہانہ دبدبہ رکھتے ہیں، اُنکی خاکساری کے کیا
کہنے، خدا کا سایہ ہونے کی صفت ہے اُن میں

دنیاوی خواہش اُن کی فرماں بردار ہیں اور
فرماں روائی میں اُن کا (درویشانہ) بوریہ ہی تخت ہے۔

خرد زلہ خوارش بہ فرزانیگی
قضا پیشکارش بہ مردانگی

نہانش بیاد آوری دلکشاست
عیانش بری نام مشکل کشاست

براهیم کوئے سلیمان فرے
مسیح آدمی مصطفیٰ گوہرے

لباس وفاراز طراز علم
جہان کرم را صاحب ازل

نہادش بہ خلق خدا مہر خیز
جبینش بدگاہ حق سجدہ ریز

نوید نجات اسیران غم
نظر گاہ احرامیان حرم

ز شش سو بسویش نگاہ ہمہ
ولادت گہش قبلہ گاہ ہمہ

اُن کی دانائی اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ عقل اُن سے غذا پاتی ہے اور اُن کی مروت کی پیشکار قضاۃ الہی ہے (یعنی جو کچھ خلق پر آثارِ رحمت ہیں، وہ اُن کے کرم کے سبب ہیں)

دل ہی دل میں خاموشی سے اُن کی یادِ راجت بخش ہے اور اگر زبان پر لاؤ تو اُن کا نام مشکل کشا ہے

پیغمبرِ ابراہیم کی عادتیں اور پیغمبرِ سلیمان کی سی شان انھوں نے پائی ہے مسیحا کا (مردوں کو زندہ کرنے والا) نفس (پھونک ، سانس) اور محمدؐ مصطفیٰ کا اصل جوہر اُن کو ملا ہے

اُن کے لباسِ وفا کے لئے ان کا عمل آرائش ہے اور کرم کی دنیا کے لئے وہ ازل کی صبح ہیں (کرم کا نقطہ آغاز ہیں)

طبیعت ایسی پائی ہے کہ مخلوق اُن سے محبت کرنے لگے اور پیشانی ایسی کی خدا کے سجدہ میں مشغول

غم کے ماروں کو نجات کی خوش خبری اُن کی ذات سے ہے، اور کعبے کا طواف کرنے والوں کی نظر اُن کی طرف رہتی ہے

چھیوں (۶) سمتوں سے سب کی نگاہیں اُن کی جانب اٹھتی ہیں اور اُن کی جائے پیدائش (کعبہ) سب کی قبلہ گاہ ہے۔

رواں و خُرد گردے از راه او
نہ ایزد ولے کعبہ در گاہ او

حدوثش نمود حدوث جہاں

بگردند گے در گہش آسماں

اگر خاک بازان دشت نجف
بہ خورشید سازی کشایند کف

چوانجم بشب مہر گیتی فروز
نیارند مردم شہ مردن بروز

نبی را جگر تشنہ روئے او
خدارا بخواہش نظر سوئے او

کسانی کہ اندازہ پیش آورند
سخنہا ز آئین و کیش آورند

بنادانے از شورِ گفتارِ من
سگالند زانگونه ہنجا رِ من

اُن کے غبارِ راہ سے جان اور عقل بنے ہیں
علیٰ خدا نہیں تام اُن کی درگاہ کعبہ کا سا مرکز بن گئی ہے

اُن کا پیدا ہونا جہاں کے پیدا ہونے کا نشان ہے (یعنی سبب وجود)
ان کی درگاہ کے گرد آسمان کی گردش ہے

دُشِ نَجف کی خاک میں ہاتھ ڈالنے والے (یعنی نیاریے)
اگر اس پر آمادہ ہو جائیں کہ سورج ڈھالیں تو (اُن کو یہ مرتبہ نصیب ہے کہ)

جس طرح رات کو تارے شمار کرنا مشکل ہے ،
اسی طرح لوگ دن کو سورجوں کی تعداد نہ گن سکیں گے

نئی کا دل ان کے دیدار کا منتظر رہا ہے، اور
خدا کا جی چاہتا ہے کہ اُن کی طرف دیکھا کرے

وہ لوگ جو ناپ تول کے عادی ہیں،
مذہب اور عقیدے کی بحث چھیڑ دیتے ہیں

میرے بیان کے جوش و خروش کو دیکھ کر
اپنی نا سمجھی کی وجہ سے میرے خیالات کے متعلق

کہ آرایش گفتگو کرده ام
بحیدر ستائی غلو کرده ام

مرا خود دل از غصہ بیتاب باد
ز شرم تنک مائیگی آب باد

چہ باشد ازین بیش شرمندگی
کہ خور را ستائم برخشدگی

بہ بحر از روانی سرائم سرود
بخلد از ریاحین فرستم درود

بہ گلشن برم برگے از نستر
بہ پیچاک سنبیل فروشم شکن

ستایم کسے را کہ درداستان
شوم با سخن آفریں همزبان

بہ رد قبول کسانم چہ کار
علیٰ بایدم با جهانم چہ کار

یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ ہو نہ ہو میں نے زیب داستاں سے
کام لیا ہے اور علی کی مدح میں مبالغے کی حد سے گذر گیا ہوں

خود میرا دل غم و غصہ کے مارے بے چین ہے اور
اس شرم سے کہ حوصلہ پورا نہیں ہوتا، پانی پانی ہو جائے

اس سے بڑھ کر شرم کی بات بھلا کیا ہوگی کہ
سورج کی تعریف کروں اور کہوں کہ واہ کیا چمک دک ہے

سمندر کی تعریف کروں کہ واہ کیا روانی ہے اور
جنت کو ریحان کا تحفہ سمجھوں

سیوتی کے بھول کی پتی باغ کے پاس لے جاؤں اور
سنبل کے گچھے کے ہاتھ ایک بیچ یا شکن بچوں

میں اور ایسی ذات کی مدح کروں کہ
ستائش میں خدا کی ہم زبانی ہو جائے!

مجھے لوگوں کی پسند اور نا پسند سے کیا مطلب ،
دنیا سے غرض نہیں ، مجھے غرض تو علی سے ہے

در اندیشه پنهان و پیدا علیست
سخن کز علی می کنم با علیست

دلم در سخن گفتن افسرده نیست
همانا خداوند من مرده نیست

چو خواهم حدیثی سرودن ازو
بود گفتن از من شنودن ازو

گراز بنده هائی خدا چون منی
که در خرمن ارزد به تیم ارزنی

علی را پرستد به کیش خیال
چه کم گردد از دستگاه جلال

گلستان که هر سو هزارش گلست
همه سبزه و لاله و سنبلست

اگر رفت برگ خزانى ازان
چمن را نباشد زیانى ازان

خیال میں ظاہر و باطن علی ہی علی ہیں
علیؑ کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں ، اس کے مخاطب بھی علی ہیں

میرا دل اظہار میں بجھا ہوا نہیں ہے۔
کیوں کہ میرے آقا اور مالک (زندہ ہیں) مردہ نہیں

جب میرا دل چاہتا ہے کہ اُن کی بات کروں ،
تو میں کہتا ہوں وہ سنتے ہیں

خداوند عالم کے بندوں میں سے اگر کوئی ایک آدھ مجھ جیسا ،
بیچ آدمی جس کی حیثیت ڈھیر میں آدمی رائی کے دانے برابر ہے

(خدا کے بجائے) علیؑ کی پوجا ہی کو اپنا ایمان بنالے تو
خدا کی شان کے خزانے میں کیا کمی آجائے گی (کچھ نہیں)

باغ کی مثال لو، اس میں ہر طرف ہزاروں پھول کھلے ہیں
جدھر دیکھوں ، سبزہ ، لالہ اور سنبل ہے

اگر اس باغ میں سے ایک خزاں مارا پٹا گیا بھی تو کیا گیا ،
چمن کا کوئی نقصان نہ ہوا۔

ندارد غم و غصه یزدان پاک
علی را اگر بنده باشم چه باک

تو غافل ز ذوق ثنا گوئیم
سزا گویم و ناسزا گوئیم

مرا ناسزا گفتن آئین مباد
لب من رگ ساز نفرین مباد

بود گرچه با هر کسم سینه صاف
من و ایزد البته نبود گزاف

که تا کینه از مهر بشناختم
بکس غیر حیدر نه پرداختم

جوانی بریں در بسر کرده ام
شبے در خیالش سحر کرده ام

کنونم که وقت گزشتن رسید
زمان بحق باز گشتن رسید

خدائے پاک غم و غصے کے جذبات سے پاک ہے،
اب اگر میں (اس کی بندگی کے بجائے)
علی کی بندگی کروں تو اس میں ہرج کیا ہے؟

تمہیں کیا معلوم کہ مجھے علی کی ستائش کا کتنا شوق ہے
میں ایک جائز بات کہتا ہوں تو تم مجھے بے جا الزام دیتے ہو

کسی کو برا کہنا (تہرا کرنا) میرا شیوہ نہ ہو
میرے ہونٹوں پر نفرت کی راگنی نہ آئے

اگرچہ ہر شخص کی طرف سے دل صاف ہے تو
خدا گواہ کہ یہ کہنا شیخی نہیں

کہ جس دن سے محبت اور کینے میں تمیز آئی ہے
تبھی سے علی کے سوا کسی اور کی محبت دل میں نہیں سمائی

علی کے آستانے پر میں نے اپنی جوانی گزاری اور
ان کے تصور میں (جوانی کی) رات کاٹ دی

اور اب جب کہ چلنے کا وقت آگیا اور
خدا کی طرف واپسی کا زمانہ قریب ہے

دما دم بجذبش درائے دلست
شدیدن رهین صدائے دلست

کہ برخیزو آہنگ رہ سازدہ
بہ جوازہ خفتہ آواز دہ

بہ شب گیرزیں تیرہ مسکن برآ
بجذبیاں درای و برفتن درآ

نجف کان نظر گاہ امیدتست
طرب خانہ عیش جاویدتست

نہ دورست چندان کہ فرسخ شمار
برنجاند اندر شمردن یسار

دلیرانہ راہی بریدن توان
بہ آرام گاہے رسیدن توان

برانتست دل بلکہ من نیزم
کہ چون جان خود آنجاست تن نیزم

دل کوچ کا گھنٹہ بار بار بجا رہا ہے
دل کی آواز سننے پر کان لگے ہوئے ہیں

دل کہتا ہے کہ اب اٹھ ، سامان سفر تیار کر
سوئی ہوئی اونٹنی کو آواز دے

رات ہی سے اس تاریک مسکن سے نکل،
سفر کا گھنٹہ بجا اور چل دے

تمہاری امید کی آخری منزل نجف ہے
وہیں پہنچ کر عیشِ جاوداں نصیب ہوگا

یہاں سے نجف کا فاصلہ اتنا بھی نہیں ہے کہ
کڑے کوس شمار کرنے والے کا بایاں ہاتھ گنتے گنتے دکھ جائیں

دلیری کے ساتھ یہ راہ طے ہو سکتی ہے اور
اپنی آرام گاہ پر پہنچ سکتے ہو

دل کیا، میں خود بھی یہ طے کئے بیٹھا ہوں کہ
جب میری جاں وہاں پڑی ہے تو جسم کو بھی پہنچا کر دم لوں گا

بود گرچه ثابت که چون جان دهم
علی گویم و جان بیزدان دهم

به هند و عراق و به گلزار و دشت
به سوئے علی باشدم باز گشت

ولیکن چون آن ناحیه دلکشست
اگر در نجف مرده باشم خوشست

خوشا عرفی و گوهر افشانندش
بانداز دعوی پر افشانندش

که ناگاه کار خود از پیش بُرد
بدشت نجف لاشه خویش بُرد

تن مُرده چون ره بمژگان رود
اگر زنده خواهد خود آسان رود

چو عرفی سرو برگِ نازم کجا
بدعوی زبانِ درازم کجا

اگرچہ یہ بات طے ہے کہ جب میں جان دوں گا تو
علی کا نام میری زبان پر ہوگا

ہندوستان ہو ، عراق ہو ، باغ ہو یا جنگل
چاہے جہاں زندگی تمام ہو ، میری روح علی کی طرف ہی جائے گی

لیکن (نجف میں مرنے اور کہیں اور مر رہنے میں فرق یہ ہے کہ)
وہ مقام عمدہ ہے اور وہیں جان دینا لہجہ ہے۔

شاعر عرقی اور اس کی گوہر نشانی کے کیا کہنے کہ
جو دحوا کیا تھا ، اس کے مطابق پرواز کر کے دکھادی

اتفاق کی بات کہ اس نے اپنا کام چلا لیا اور،
نجف کی خاک تک اپنی لاش پہنچوا کر دم لیا

جب مُردہ اپنی پلکوں سے راہ طے کر کے جا سکتا ہے تو ،
زندہ تو آسانی سے جا سکتا ہے (اشارہ عرقی کے اس شعر کی طرف:
ز کاوش مرہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تار)

عرقی (جو مر کر بھی نجف گیا) اس کی تقدیر کہاں سے لاؤں
اس کا سا دلیرانہ دحوی کیسے کردوں

چو عرفی بدرگاہم آن روئے کو
چنان داد رس جذبہ زان سوئے کو

نگویم غلط با خودم خشم نیست
زمژگانِ خویشم خود این چشم نیست

مزن طعنہ چوں پایۂ خاص هست
نباشد اگر جذبہ اخلاص هست

چو اینست و از خواجہ آن بایدم
زغم چشم قلم نشان بایدم

زدل گریہ اندوہ رشکم برد
نہ مژگان مگر سیل اشکم برد

من این کار بر خود گرفتم بچشم
بمژگان گرا و رفت رفتم بچشم

بہ گریم زغم بو کہ شادم کنند
گھر سنج گنج مُرادم کنند

عرتی کی دعا کو جو قبولیت نصیب ہوئی وہ قبولیت حاصل کرنے
کا میرا منہ کہاں ہے
ادھر سے فریاد سننے والے کا جذبہ مجھ کو کہاں ملنے والا۔

غلط عرض نہیں کر رہا ہوں کچھ اپنے آپ سے ناراض نہیں ہوں،
اپنی پلکوں سے البتہ اتنی امید نہیں

جب خاص مقام حاصل ہے تو طعنہ مت دو،
اگر جذبہ نہیں ہے، نہ ہو، خلوص کا رشتہ تو قائم ہے

جب صورت حال یہ ہے اور آقا سے مجھے وہ مطلوب ہے تو
غم سے ایسی آنکھیں چاہتا ہوں جو دریا بہا دیں

آنسو دل سے وہ غم بہا لے جائیں گے جو (عرتی کے انجام بخیر پر)
مجھے رشک کے مارے ہوتا ہے،
مجھے پلکیں تو (نجف تک) نہ پہنچائیں گی البتہ آنسو پہنچا دیں گے

میں نے خوشی خوشی یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے
وہ اگر پلکوں سے وہاں تک گیا تو میں آنکھوں سے جاؤں گا

غم سے تڑپ کر روؤں گا اور امید ہے کہ مجھے شاد کیا جائے گا اور
میری تمنا کا خزانہ موتیوں سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

بگیریم کہ سیلم ز سربگزرد
نہ از سر ز دیوار و در بگزرد

سرشکے کہ از دیدہ من چکد
دگر بارہ از چشم روزن چکد

طالب پیشگان را بدعویٰ چہ کار
ز بخشندہ یزدانم اُمید وار

کہ جان بر در بوتراہم دہد
دران خاک فرمان خواہم دہد

چہ کاہد ز نیروی گردان سپہر
چہ کم گردد از خوبی ماہ و مہر

کہ دل خستہ دہلوی مسکنے
ز خاک نجف باشدش مدفنے

خدایا بدیں آرزویم رسان
ز اشک من آبے بجویم رسان

اتنا روؤں گا کہ سیلاب اشک سر سے گذر جائے
سر کیا معنی در و دیوار سے گذر جائے

جو آنسو میری آنکھ سے ٹپکیں گے وہ
یوں رواں ہوں گے کہ روزن دیوار سے نکل جائیں گے

جن کا کام ہے سوال کرنا انہیں دعویٰ کرنے سے کیا مطلب
میں تو بخشے والے خدا سے اُمید وار ہوں کہ

وہ ابو تراب (علی) کے آستانے پر مجھے جان بخشے اور
وہاں پہنچا کر مجھے حکم ہو کہ آخری نیند سو جاؤں

گھومنے والے آسمان (تقدیر) کی قوت میں کیا کی آجائے گی
چاند سورج کے حُسن میں کیا فرق پڑ جائے گا

اگر یہ دہلی کا دل شکستہ باشندہ
نجف کی مٹی میں مل جائے

اے خدا میری یہ آرزو پوری کر دے،
یہ جو آنسو بہا رہا ہوں، اُن کی موج میری نہر میں رواں کر دے
(یعنی میری مراد بر لا)

نفس در کشم جائے گفتار نیست
تودانی وایں از تودشوار نیست

کزیں بعد در عرصۂ روزگار
بروے زمیں یا بکنج مزار

ز غالب نشان جز بران در مباد
چنیں باد فرجام و دیگر مباد

اب میں ضبط سے کام لیتا ہوں ، کچھ نہیں کہتا ، کہنے کی گنجائش
بھی نہیں رہی ، ٹو میری آرزو سے واقف ہے ، اور تیرے لئے اس کام
کا پورا کرنا مشکل بھی نہیں ہے

اس کے بعد دنیا میں جہاں بھی ہوں
زمین کے اوپر یا قبر کے اندر

غالب کا نشان علی کے آستانے پر ہی ہو ،
اس کے سوا کہیں نہ ہو ، غالب کا انجام اب یہی ہو ، اس کے
علاوہ کوئی اور انجام نہ ہو۔

قصیدہ حیدری

سازیک وزہ نہیں فیض چمن سے بیکار
سایہ لالہ بیدار سویدائے بہار

مستی باد صبا سے ہے بہ عرض سبزہ
ریزہ شیشہ نے جوہر تیغ کھسار

سبز ہے جام زمرد کی طرح دارغ پلنگ
تازہ ہے ریشہ نارنج صفت روے شرار

مستی ابر سے گلچیں طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموری شوق بلبل
راہ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار

سوئے ہے فیض ہوا صورت مرگان یتیم
سرنوشت دو جہاں ابر بیک سطر عمار

کاٹ کر مچھکیے ناخن تو بہ انداز ہلال
قوت نامیہ اُس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کف ہر خاک بگردوں شدہ ، ٹمّری پرواز
دام ہر کاغذِ آتش زدہ ، طاؤس شکار

میکدے میں ہو اگر آرزوے گل چینی
بھول جا یک قدحِ بادہ بھاتی گلزار

موجِ گل ڈھونڈھ بخلوت کدہ غنچہ باغ
گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار

بھینچے گرمائی اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

لعل سے کی ہے پے زمرہ مدحت شاہ
طوطی سبزہ کہسار نے پیدا مہکار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر سرا
چشمِ جبرئیل ہوئی قالبِ نشتِ دیوار

فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور
رشتہ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

سبزۂ مے چمن ویک خطِ پشتِ لب بام
رفعتِ ہمتِ صد عارف ویک اوجِ حصار

واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرکار
وہ رہے مردۂ بالِ پری سے ہزار

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفاء
چشمِ نقشِ قدمِ آئینہٗ بختِ بیدار

ذرہ اُس گرد کا ٹھنڈ کو آئینہٗ ناز
گود اُس دشت کی امید کو احرامِ بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستی ناز
عرضِ خمیازہٗ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

سنگ بہ کارگرِ ربطِ نزاکت ہے کہ ہے
خندۂ بیخودی کبک بدندانِ شرار

کشتہٗ افعی زلفِ سیرِ شیریں کو
یستوں سبزے سے ہے سنگِ زُمرّد کا مزار

حسرتِ جلوہ ساقی ہے کہ ہر پارہ ابر
سینہ بیتابی سے ملتا ہے بہ تیغِ کہسار

دشمنِ حسرت عاشق ہے رگِ ابر سیاہ
جس نے برباد کیا ریوڑِ چندیں شبِ تار

چشمِ بے چشم چُنے ہے تماشا مجنوں
ہر دو سو خانہ زنجیرِ نگہ کا بازار

خانہ تنگ ہجومِ دو جہاں کیفیت
جامِ جمشید ہے یاں قالبِ نشتِ دیوار

محرمِ دردِ گرفتاریِ مستی معلوم
ہوں نفس سے صفتِ نغمہ بہ بندِ رگِ تار

تھا سرِ سلسلہ جنابی صد عمرِ ابد
سازِ ہا مفتِ برِ شمشکدہ نالہ زار

لیکن اس روشنیِ تحریر میں سر تا سر فکر
ہوں بقدرِ عددِ حرفِ علیٰ سنجہ شمار

دوست اس سلسلہ ناز کے ، جوں سنبل و گل
ایر میخانہ کریں ساغرِ خورشید شکار

لنگرِ عیش بہ سرشارِ تماشاے دوام
کہ رہے خونِ خزاں سے بختا پائے بہار

زلفِ معشوق کشتِ سلسلہ وشتِ ناز
دلِ عاشق شکنِ آموزِ خمِ طرہ بار

مے تمثالِ پریِ نقتہِ مینا آزاد
دلِ آئینہ طربِ ساغرِ بختِ بیدا

سنبل و دامِ کیں خانہ خوابِ صیاد
زخمس و جامِ سیہ مستیِ چشمِ بیدار

طرزہ ہا ، بسکہ گرفتارِ صبا ہیں شانہ
زانوے آئینہ پر مارے ہے دستِ بیکار

بسکہ یک رنگ ہیں دل کرتی ہے ایجادِ نسیم
لالے کے داغ سے جوں نقطہ و خط ، سنبل زار

اے خوشا ! فیضِ ہوائے مجھنِ نشوونما
بادہ پُر زور و نفسِ مست و مسیحا بیمار

ہمتِ نشو و نما میں یہ بلندی ہے کہ سرو
مرد قمری سے کرے صیقلِ تیغِ کہسار

ہر کفِ خاک جگرِ تھنہ صد رنگِ ظہور
غنچے کے میکدے میں مستِ تامل ہے بہار

سُکس قدر عرضِ کروں ساغرِ شبنم یارب؟
موجہ سبزہ نوخیز ہے لبریزِ خمار

غنچہ لالہ سیہ مستِ جوانی ہے ہنوز
شبنم صبح ہوئی رعنہ اعطالے بہار

جوشِ بیدارِ تپش سے ہوئی عریاں آکر
شارخِ گلبن پہ صبا چھوڑ کے پیراھنِ خار

سازِ عریانی کیفیتِ دل ہے لیکن
یہ نئے تند نہیں موجِ خرامِ اظہار

موج ے پر ہے براتِ نگرانی امید
گلِ زرگس سے کفِ جام پہ ہے ، چشمِ بہار

گلشن و میکدہ سیلابی یک موجِ خیال
نقہ و جلوہ کہ بر سرِ ہم فتنہ غبار

پشتِ لبِ جہتِ خط کھینچے ہے بجا یعنی
سبز ہے موجِ تبسم بہ ہوائے گفتار

جائے حیرت ہے کہ گلابی اندیشہ شوق
اس زمیں میں نہ کرے سبز قلم کی رفتار

کسوٹِ تاک میں ہے نقشہٴ ایجادِ ازل
نہِ عرضِ دو عالم بکفِ آبلہ دار

بظہرِ گاہِ گلستانِ خیالِ ساقی
بیخودی دامِ رگِ گل سے ہے پیانہ شکار

بہ ہوائے مہمنِ جلوہ ہے طاؤس پرست
باندھے ہے چیرِ فلک موجِ شفق سے زنار

یک چمن جلوہ یوسف ہے پشیم یعقوب
لالہ ہا داغ براگندہ و گلبا بے خار

بیضہ قمری کے آئینے میں پنہاں صیقل
سرو بیدل سے عیاں عکس خیال قد یار

عکس موج گل و سرشاری اندازِ حباب
نغمہ آئینہ کیفیتِ دل سے ہے دو چار

کس قدر سازِ دو عالم کو ملی جرأتِ ناز
کہ ہوا ساغر بے حوصلہ دل سرشار

ورنہ وہ ناز ہے جس گلشنِ بیداد سے تھا
طور مشعل بکف از جلوہ تزیین بہار

سایہ تیغ کو دیکھ اُس کے ، بذوقِ یک زخم
سینہ سنگ پہ کھینچے ہے الف ، بالِ شرار

بتکدہ بھر پرستش گری قبلہ ناز
باندھے زناہِ رگ سنگ میانِ کھسار

سُہ گرداں ہے اُسی کی کفِ امید کا ابر
بیم سے جس کے صبا توڑے ہے صد جا زنا

رنگریز گل و جامِ دو جہاں ناز و نیاز
اولیں دورِ امامت طرف ایجادِ بہار

جوشِ طوفانِ کرم ساقی کوثر ساغر
نہ فلک آئینہ ایجادِ کفِ گوہر بار

پہنے پہنے ہے پیرِ کافدِ ابری نیساں
بہ جنگ مایہ ہے فریادی جوشِ ایثار

پر یہ دولت تھی نصیبِ گلے معنی ناز
کہ ہوا صورتِ آئینہ میں جوہرِ بیدار

اے خوشا! ملکِ شوق و بلدستانِ مراد
سبقِ ناز کی ہے عجز کو صد جا تکرار

معنی نقشِ قدم نسخہٴ آبِ حیاں
جادۂ دہشتِ نجفِ عمرِ خضر کا طومار

جلوہ تمثال ہے ہر ذرہ نیرنگ سواد
بزمِ آئینہ تصویر نما مشیتِ غبار

دو جہاں طالبِ دیدار تھا یارب کہ ہنوز
چشمِ ذرہ سے ہے گرم نگہ کا بازار

ہے نفسِ مایہ شوقِ دو جہاں ریگِ رواں
پائے رفار کم و حسرتِ جولاں بسیار

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبتانِ بہار
دلِ پروانہ چراغاں پر بلبِلِ گلزار

شکلِ طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
ذوقِ میں جلوہ کے تیرے بہ ہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں
سلکِ اختر میں مہِ نومرہ گوہر بار

دھبتِ الفت چمن و آبلہ مہماں پرور
دلِ جبرئیل کھ پا پہ ملے ہے رخسار

یاں تک انصاف نوازی کہ اگر ریزہ سنگ
بے خبر دے کبک پائے مسافر آزار

یک بیاباں تپشِ بالِ شر سے صحرا
مغر کہسار میں کرتا ہے فرو نشترِ خار

فرشِ اس دھبِ تمنا میں نہ ہوتا گر عدل
گری شعلہٗ رفتار سے جلتے خس و خار

ایرِ نیساں سے ملے موجِ گہر کا تاداں
خلوتِ آبلہ میں گم کرے گر تو رفتار

یک جہاں بسلِ اندازِ پرافشانی ہے
دام سے اس کے قضا کو ہے رہائی دشوار

موجِ طوفانِ غضبِ ہمیشہؔ چرخِ حباب
ذوالفقارِ شہِ مرداں خطِ قدرت آثار

موجِ ابروے قضا جس کے تصور سے دو نیم
بیم سے جس کے دلِ شمنہٗ تقدیر نگار

شعلہ تحریر سے اُس برق کی ہے کلکِ قضا
بالِ جبریل سے مسطر کشِ سطرِ زہار

موجِ طوفاں ہو اگر خونِ دو عالم ہستی
ہے حنا کو سرِ ناخن سے گزرنا دشوار

دشتِ تنخیر ہو گر گردِ خرامِ دلِ دل
نعلِ درِ آتشِ ہر ذرہ ہے تیغِ کہسار

بالِ رعنائیِ زمِ وجہِ گلینہِ قبا
گردِ کاسہِ سُمِ پشمِ پری آئینہ دار

گردِ رہِ اُس کی بھریں شیعہِ ساعت میں اگر
ہر نفسِ راہ میں ٹوٹے نفسِ لیل و نہار

نرم رفتار ہو جو کوہِ پہ وہ برقِ گداز
رفتنِ رنگِ حنا ہے تپشِ بالِ شرار

ہے سراسرِ رویِ عالمِ ایجادِ اُسے
جیبِ خلوتکدہِ غنچہ میں جولانِ بہار

جس کے حیرتکدہ نقشِ قدم میں مانی
خونِ صد برق سے باندھے ہکفِ دست نگار

ذوقِ تسلیم تمنا سے بگلزارِ حضور
عرضِ تسخیر تماشا سے بدامِ اظہار

مطہحِ تازہ ہوا موجِ کیفیتِ دل
جامِ سرشارِ ے د غنچہ لبریزِ بہار

گردِ جولاں سے ہے تیری بگریبانِ خرام
جلوہِ طور نمکِ سودہ زخمِ تکرار

جس چمن میں ہو ترا جلوہ محرومِ نواز
مہِ طاؤس کرے گرم نگہ کا بازار

جس ادبگاہ میں تو آئے شوخی ہو
جلوہ ہے ساقیِ مخموری تابِ دیوار

تو وہ ساقی ہے کہ ہر موجِ محیطِ تنزیہ
کھینچے خمیازے میں تیرے لبِ ساغر کا خمار

گردباد آئینہ فتراک دماغ دلہا
 تیرا صحرائے طلب محفل پیانہ شکار
 ذوق بیتابی دیدار سے تیرے ہے ہنوز
 جوش جوہر سے دل آئینہ گلہستہ خار
 تیرا پیانہ نے نسخہ ادویہ ظہور
 تیرا نقش قدم آئینہ شان اظہار
 آیت رحمت بسمۃ مصحف ناز
 مسطر موجہ دیباچہ درس اسرار
 قبلہ نور نظر کعبہ اعجاز مسج
 مودہ دیدہ نچیر سے فیض بیمار
 جہمت بخودی کفر نہ کھینچے یارب
 کمی ربط نیاز و حظ نازِ بسیار
 ناز پروردہ صد رنگ تمنا ہوں ولے
 پرورش پائی ہے چوں غنچہ بخون اظہار

تھکی حوصلہ گرداب دو عالم آداب
دید یک غنچہ سے ہوں بسمل نقصان بہار

رہک نظارہ تھی یک برقی جلی کہ ہنوز
تھنہ خون دو عالم ہوں بعرض تکرار

وحشت فرصت یک جیب کشش نے کھویا
صورت رنگ حنا ہاتھ سے دامان بہار

شعلہ آغاز ولے حیرت داغ انجام
موج مے لیک ز سر تا قدم آغوش خمار

ہے اسیر ستم کشمکش دام وفا
دل وارسہ ہفتاد و دو ملت بیزار

بروہ خواب سے کرتا ہوں ، بآسائش درد
بخچہ زخم دل چاک بیکدستہ شرار

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلہ سے استفسار

مدح میں تیری نہاں زمزمہ نعت نبی
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار
جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
یک طرف نازش مرگان و دگر سو غم خار
مردم سے ہو عزا خانہ اقبال نگاہ
خاک در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار
دشمن آل نبی کو یہ طرب خانہ دہر
عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوار
دیدہ تا دل اسد آئینہ یک پرتو شوق
فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

غالب کہ اُردو قصیدہ کی تشریح (عبد الباقی آسی)

(۱) باغ کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے چنانچہ لالہ بیدار کا سایہ سویدائے دل بہار بنا ہوا ہے۔ بیدار سے مراد یہ ہے کہ بہار کا وہ جوش ہے کہ لالہ میں بھی داغ نہیں ہے کیونکہ داغ میں اثر سوختگی ہے۔

(۲) اس قدر مست ہے کہ وہ سبزہ بالائے کوہ کو بھی شیشہ سے کے ریزے ظاہر کرتی ہے شیشہ سے کی کرچوں کو بوجہ سبزی کے سبزہ سے مشابہت دی ہے تیغ کوہ پہاڑ کی بلندی اور چوٹی کو کہتے ہیں۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ باد صبا کی مستی سے سبزہ ظاہر ہوا ہے اور وہی سبزہ شیشہ سے مشابہ ہے اس لئے کہ صبا نے اس کو ظاہر کیا ہے اور یہ اس کی مستی ہی کا اس پر اثر ہے کہ وہ ریزہ ریزہ شیشہ سے معلوم ہوتا ہے یہی ریزہ بوجہ اپنی تیزی کے تیغ کہسار کا جوہر بن گیا ہے۔ یعنی جیسے جوہر تیغ کے لئے باعث عمدگی ہے ایسے ہی سبزہ پہاڑ کی چوٹی کے لئے۔

(۳) بہار کے اثر سے داغ سیاہ پلنگ سبز ہو گئے

اور ریختہ نارنج کی طرح شرارے سرخ ہیں

(۴) ابراہیم مست ہو رہا ہے کہ تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے اور گویا دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے میری حسرت کو افسوس آتا ہے کہ ایک یہ ہے جس نے دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے بوجہ طرب انگیزی ابر کے حسرت کے ساتھ کلجی اور طرب کا ذکر کیا ہے اور ایک میں ہوں یا اس لئے کہ دونوں عالم کے فشار کے ساتھ میرے غم کا فشار ہونا بھی ممکن ہے۔

(۵) تمام کوہ و صحرا بلبلوں کے شوق سے آباد ہے جو لوگ راہ میں سو گئے تھے وہ خندہ گل سے بیدار ہو گئے ہیں یا یہ کہ سوئی ہوئی راہ یعنی ویران راستے خندہ گل سے جاگ اٹھے یعنی آباد معلوم ہوتے ہیں۔

(۶) ہوا کے فیض نے ایک غبار کو جو بخظ غبار لکھی ہے دونوں جہاں ابر کی یعنی بہت ابر کی تاثیر بخش دی ہے جیسے کہ مرغان خاک آلودہ یتیم ایک سطر آلودہ معلوم ہوتی ہے اور اس سے ہمیشہ آنسو ٹپکتے ہیں۔ اس طرح اب سطر غبار کو جو غالباً ابر کے چھوٹے ٹکڑے سے مراد ہے دو جہاں ابر کی خاصیت سوئپ دی ہے یا یہ کہ ہوا اتنی مرطوب ہے کہ غبار جس کا مزاج خشک ہے اس کو بھی مرطوب بنا دیا ہے یعنی آسمان پر ذرا سا غبار نظر آتا بھی سامان بارش ہے۔

(۷) قوت نامیہ وہ قوت جو سبزہ وغیرہ کو بڑھاتی اور بالیدگی بخشتی ہے اس کا یہ زور ہے کہ ایک ناخن تراش کر پھینک دیجئے تو اس کو بھی ہلال سے بدر بنادے گی۔

(۸) ایک مٹھی خاک جواڑتی ہے وہ قمری معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہوانے ہر شے میں جان ڈال دی ہے اور کسی شے کا اثر نادلیل جاندار ہونے کی ہے۔ قمری کی تشبیہ کف خاک سے دیتے ہیں اس واسطے کف خاک پرندہ کو قمری کہا گیا۔ دوسرے مصرعہ میں کہتا ہے کہ اگر کاغذ کو جلا دیجئے تو اس میں جو نقطہ پڑتے ہیں اس سے دام کی تصویر بن جاتی ہے جس میں سینکڑوں طاؤس نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں تمثیلیں بھی بے مثل ہیں۔ یعنی بوجہ رنگ کے قمری کو کف خاک ستر اور بوجہ مشک ہونے کے کاغذ آتش زدہ کو دام طاؤس کہا ہے۔

(۹) اگر تو چاہئے کہ میکدہ میں پھول بھی چنے تو ایک شراب کا پیالہ طاق گلزار میں رکھ کر بھول جایا یہ کہ قوت نامیہ اس پیالہ کے ہزاروں پیالے بنادے گی اور میکدہ بن جائے گا تو اس صورت میں تو شراب خانہ میں بیٹھ کر پھول بھی چن سکے گا۔

(۱۰) اگر تو اپنی پگڑی گوشہ میخانہ میں بھول جائے تو وہ اس کو بصورت موج گل بنادے گی اور اسی وجہ سے پھر تجھ کو وہ گوشہ میخانہ میں نہ ڈھونڈنا چاہئے بلکہ باغ میں خلوت خانہ غنچہ میں وہ تجھ کو بصورت موج گل ملے گی۔ ایک نازک تشبیہ اس میں یہ ہے کہ پگڑی جب تک بند ہی ہے بصورت غنچہ ہے اور جب کھل کر گر گئی تو گویا وہ گل ہو گئی۔

(۱۱) یہ جوش بہار ہے اگرانی اندیشہ چمن کی تصویر کھینچنے کا ارادہ کرے تو سبزہ نوخیزہ کی طرح خط پر کار سبز ہو جائے۔

(۱۲) چونکہ پہاڑ سے لعل بھی پیدا ہوتا ہے اور سبزہ بھی وہاں ہے تو گویا یہ دونوں مل کر طوطی مدحت سرائے شاہ ہوگا ہے۔ سبزہ طوطی لعل مستعار طوطی۔

(۱۳) اس طوطی کا ارادہ اس بادشاہ کی مدحت سرائی کا ہے جس کی تعمیر قصر کے لئے اینٹیں قالب چشم جبرئیل سے بنی ہیں۔

(۱۴) فلک العرش اس کی تعمیر قصر کے لئے ایک خم ہے جس میں مزدور پانی پھر کر لاتے ہیں سلسلہ فیض ازل بصورت اس رشتہ کے ہے کہ جس سے معمار اندازہ کجی درستی دیوار کا کرتے ہیں۔

(۱۵) ہفت آسمان کا سبزہ اور ایک خط پشت لب بام قصر مدوح اور سوعارفوں کی ہمت بلند اور ایک اوج حصار موصوف برابر ہیں۔ واؤ دونوں مصرعوں میں مساوات کے لئے ہے نظم صاحب نے لکھا ہے کہ اردو میں یہ واؤ مستعمل

نہیں ہے مگر کوئی پوچھے کہ یہ شعر ہی اردو کا کہاں ہے مصنف کا کمال بیان اور قادر الکلامی ہے کہ فارسی کا شعر اردو سے جدا نہیں معلوم ہوتا سبزہ نہ چمن سے سبزہ کی کثرت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

(۱۶) اگر وہاں سے کسی کو ایک مٹھی خار و خاشاک مل جائے تو پھر اس کو بازوے پری کے پنکھوں سے نفرت ہو جائے گی۔

(۱۷) صحرائے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہے جو ہر وہ جس سے دوسری شے قائم ہو اور اس کی ذات بذات خود قائم ہو۔ یعنی عارفانِ کامل کی سیر کا باعث اگر ہے تو خاک نجف ہے یعنی اس کی وجہ سے انہیں سیر کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور سیر میں جو نقش قدم اس خاک پر پڑتے ہیں وہ گویا آئینہ ہیں جس میں بخت بیدار کی تصویر نظر آتی ہے۔

(۱۸) ذرہ خورشید پر ناز کرتا ہے مگر برعکس اس کے وہاں کی خاک کا ہر ذرہ خورشید کے لئے مایہ ناز ہے اور وہاں کی گرد امید کے لئے جامہ احرام ہے جس سے کعبہ بہار کا طواف کرے گی دوسرے مصرعہ میں خلو ہے خاک کی پاکی میں کہ وہاں کی خاک جسم امید پر باعث شرف و مقبولیت سبب قرب بارگاہ ہے۔

(۱۹) بار بار پیدائش عالم وہاں سے فخر مستی ناز حاصل کرنا چاہتی ہے وہاں کی ہر موج غبار ایک انگڑائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انگڑائی شرابی کو نشہ کے اتار کے وقت آیا کرتی ہے گویا وہاں ہر موج غبار انگڑائی لیتی ہے وہ چاہتی ہے کہ شراب مستی ناز پھر حاصل کرے یعنی اس جگہ کی پیدائش کا پھر اظہار فخر کرے کہ مجھی سے یہ سرزمین مبارک بخت پیدا ہوئی۔

☆.....☆.....☆

منقبت

دہر جز جلوہ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود ہیں

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
یکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہرزہ ہے نعمت زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینہ فرق جنوں و تمکین

نقش معنی ہمہ خیاڑہ عرض صورت
نخن حق پیانہ ذوق تحسین

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
دُردیک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین

عشق بے ربطی شیرازہ اجزائے حواس
وصل زنگار رُخ آئینہ حسن یقین

کوہ کن گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب
بے ستوں آئینہ خواب گراں شیریں

کس نے دیکھا ہے نفس اہل وفا آتش خیز
کس نے پایا اثر نالہ دلہائے حزیں

سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن
نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفیس

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیازاً باللہ
یک قلم خارج آداب وقار و متمکین

نقش لاحول لکھ اے خانہ ہندیاں تحریر
یا علی عرض کر اے فطرت وسواس قرین

مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل ﷺ
قبلہ آل نبی کعبہ ایجاد و یقین

ہو وہ سرمایہ ایجاد اگر گرم خرم
ہر کف خاک ہے واں گردہ تصویر زمیں

جلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا
وہ کف خاک ہے ناموسِ دو عالم کی زمیں

نسبت نام سے اس کے ہے یہ رُتبہ کہ رہے
ابدأ پشت فلک خم شدہ نازِ زمیں

فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

برشِ تیغ کا اُس کے ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سرِ رشتہ ایجاد کہیں

کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بختانہ چیں

جاں پناہ ! دل و جاں فیضِ رسانا ! شاہا !
وصی ختمِ رسل تو ہے بہ فتوائے یقین

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیہر ﷺ منبر
نامِ نامی کو ترے ناصیہ عرشِ تکلیس

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب
شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

آستان پر ہے ترے جوہر آئینہ سنگ
رقم بندگی حضرت جبریل امیں

تیری مدحت کے لئے ہیں دل و جاں کام و زباں
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین

کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا
کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب
ہے ترے حوصلہ فضل پہ از بسکہ یقین

دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آئیں

غمِ شہید سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

طبع کو الفت دلدل میں یہ گری شوق
کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھے سے جبین

دلِ الفت نسب و سینہ توحید فضا
ناگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعداد اثر شعلہ دودِ دوزخ
وقف احباب گل و سنبل فردوسِ بریں

مطلع ثانی

توڑے ہے عجزِ تنک حوصلہ بر روئے زمیں
سجدہ تمثال وہ آئینہ ، کہیں جس کو جبین

توڑے ہے نالہ سرِ روئے پاسِ انہاس
سر کرے ہے دلِ حیرت زدہ ، شعلِ تسکین

یاس تمثال بہار آئینہ استغنا
وہم آئینہ پیدائی تمثال یقین

خوں ہوا جوشِ تمنا سے دو عالم کا دماغ
بزمِ یاس آنسوے پیدائی و اخفا رنگیں

خانہ ویرانی امید و پریشانی بیم
جوشِ دوزخ ہے خزانِ چمنِ خلدِ بریں

بادِ افسانہ بیمار ہے عیسیٰ کا نفس
استخوانِ ریزہٴ موراں ہے سلیمان کا تنگیں

معنی لفظِ کرم بسملہٴ نوحہٴ حسن
قبلہٴ اہلِ نظر کعبہٴ اربابِ یقین

جلوہ رفقاں سرِ جادۂ شرعِ تسلیم
نقشِ پا جس کا ہے توحید کو معراجِ جبین

کوہ کو ، بیم سے اُس کے ہے جگر ہاتھی
نہ کرے پذیرِ صدا ورنہ متاعِ تمکین

وصفِ ذلِ دل ، ہے مرے مطلعِ غانی کی بہار
جنتِ نقشِ قدم سے ہوں میں اُس کی گلچیں

مطلع ثالث

گردِ رہ سرمہ کش دیدہ ارباب یقین
نقشِ ہر گام دو عالم صغہاں زیرِ نگین

برگِ گل کا ہو جو طوفانِ ہوا میں عالم
اُس کے جولاں میں نظر آئے ہے یوں دامنِ زیں

اُس کی شوخی سے بحیرتِ کدہ نقشِ خیال
فکر کو حوصلہٴ فرصتِ ادراک نہیں

جلوۂ برق سے ہو جائے نگہ عکسِ پذیر
اگر آئینہ بنے حیرتِ صورتِ چیں

ذوقِ گلچینی نقشِ کفِ پا سے تیرے
عرشِ چاہے ہے کہ ہو در پہ ترے خاکِ نشیں

تجھ میں اور غیر میں نسبت ہے و لیکن ہضاد
وصیِ ختمِ رسلؐ تو ہے باثباتِ یقین

دادِ دیوانگی دل کہ ترا مدحتِ گر
ذرے سے باندھے ہے خرشیدِ فلک پر آئیں

موجِ خمیازہ یک نشہ چہ اسلام و چہ کفر
کجی یک خطِ مہرچہ توہم چہ یقین

قبلہ و ابروے بُت یک رو خوابیدہ شوق
کعبہ و بتکدہ یک محملِ خوابِ سنگیں

عیشِ بسل کدہ عیدِ حریفان معلوم
خوں ہو آئینہ کہ ہو جامہٴ طفلان رنگیں

نزعِ مخمور ہوں اُس دید کی دھن میں کہ مجھے
رہنے سازِ ازل ہے نگہ باز پسین

حیرتِ آفتِ ذدہٴ عرضِ دو عالم نیرنگ
مومِ آئینہ ایجاد ہے مغرِ تمکین

دشتِ دل سے پریشاں ہے چراغانِ خیال
باندھوں ہوں آئینے پر چشمِ پری سے آنکیں

کوچہ دیتا ہے پریشاں نظری پر صحرا
رم آہو کو ہے ہر ذرے کی چشمک میں کہیں

چشمِ امید سے گرتے ہیں ، دو عالم ، جوں اٹک
یاس پیمانہ کشِ گردۂ مستانہ نہیں

کس قدر فکر کو ہے نالی قلم موے دماغ
کہ ہوا خوں کلمہ شوق میں نقشِ تمکس

عذر لنگ آفتِ جولانِ ہوس ہے یارب
جل اٹھے گرمیِ رفتار سے پائے چوبیس

نہ تمنا ، نہ تماشا ، نہ تحیر ، نہ نگاہ
گردِ جوہر میں ہے آئینہ دل پردہ نشیں

کھینچوں ہوں آئینے پر خندۂ گل سے مسطر
نامہ عنوانِ بیانِ دلی آزرده نہیں

رنجِ تعظیمِ مسجا نہیں اٹھتا مجھ سے
درد ہوتا ہے مرے دل میں جو توڑوں بالیں

بسکہ گستاخیِ اربابِ جہاں سے ہون ملول
مرد پروانہ مری بزم میں ہے خنجر کیس

اے عبارت تجھے کس خط سے ہے درِ نیرنگ؟
اے نگہ تجھ کو ہے کس نقطے میں مشقِ تسکین؟

جلوۂ ریگِ رواں دیکھ کہ گردوں ہر صبح
خاک پر توڑے ہے آئینہ نازِ پرویں

شورِ ادھام سے مت ہو شبِ خونِ انصاف
گفتگو بے مزہ و زخمِ تمنا تمکین

ختم کر ایک اشارت میں عبارتِ نیاز
جوں مہِ نو ہے نہاں گوشہٴ ابرو میں جبیں

غالب کے اُردو قصیدہ کی تشریح

عبد الباقی آسی

(۱) اے کاشانہ بہار کی شمع نورانی تیرا فیض سب کو پہنچتا ہے دل پروانہ میں چراغان کی اور بلبل کے پر میں گلزار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے یعنی تیرے سبب سے سب کی مراد حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تیرا فیض سب کو پہنچا ہے دل پروانہ میں تیری محبت کے سوز گداز سے جو داغ پڑے وہ چراغان کا عالم پیش نظر کرتے ہیں اور وہی پرواز کا مقصود ہے اور پر بلبل پر تیری محبت کے نقش نے گلزار بنا دیا ہے اور وہ اس کا عین مطلب ہے مگر ان رعایتوں کے باوجود معنی اولیٰ زیادہ صاف ہیں۔

(۲) آئینہ خانہ تیرے جلوے کے شوق میں پرواز کرتا ہے۔ آئینہ خانہ کی مور سے تشبیہ نہایت عمدہ ہے۔

(۳) تیری اولاد کے غم میں ہلال ایک مڑا شکلبار ہے یعنی جو آنسو نکلتے ہیں وہ موتی ہیں اختر کو مڑا شکلبار اور اختر کو گوہر قرار دیا۔

(۴) تیرا نقش قدم سجدہ گاہ عبادت ہے تیرے ہی حوصلہ سے عبادت کو قوت پہنچتی ہے۔

(۵) تیری مدح سرائی کرنا عین رسول مقبول کی مدح سرائی ہے تیرا جام محبت جو پیتا ہے وہ بادہ اسرار سے سرشار ہو جاتا ہے۔

(۶) دست دعا آئینہ ہے جس کا جوہر تاثیر ہے وہ ایک طرف مڑگان اشک نشان کے لئے مایہ ناز ہے تو دوسری طرف حسرت دل کے واسطے خار غم ہے کیونکہ دعا کرتے وقت مڑگان سے آنسو نکلتے ہیں جس سے دعا قبول ہوتی ہے اس سبب سے تو وہ جوہر آئینہ دست دعا یعنی تاثیر مڑگان ہے دوسری طرف چونکہ حسرت دل اس تاثیر کی وجہ سے مٹی جاتی ہے اس کے لئے خار غم ہے یا یہ کہ وہ جوہر آئینہ دونوں چیزوں کا سبب ہے یہ ایک طرف سے اس سے مڑگان کو ناز ہے دوسری طرف وہ کائناتی ہوئی ہے یعنی کانٹے سے مشابہ ہے

یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ سب جگر آئینہ میں جوہر ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔۔۔ دعا کا جوہر آئینہ سے مراد تاثیر ہے۔ آئینہ سے تاثیر کی تشبیہ اس لئے دی ہے کہ آئینہ کا حسن و قبح ناظر کو ظاہر کرتا ہے اور تاثیر بھی نتیجہ دعا کو ظاہر کرتی ہے اس لئے گویا یہ آئینہ تاثیر ہے جس نے نتیجہ یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک طرف مڑگان کو فخر ہے اور دوسری طرف غم خار ہے یعنی دست دعا کا جوہر آئینہ اور آئینہ تاثیر تو گویا تاثیر جوہر ہے اور اسی جوہر کے دواثر ہیں ایک

طرف نازش مرثگان اور دوسری طرف خار دل غم اس صورت میں جو ہر دست دعا آئینہ کی انوکھی ترکیب ہونے کا اعتراض بھی اٹھ گیا جو نظم صاحب نے اپنی شرح میں غالب پر کیا ہے۔

(۷) جو آنکھ تیرے خاک در کی تابع فرمان نہ ہو خدا کرے کہ وہ اقبال نگاہ کے لئے عزا خانہ بن جائے اور پتلی جو سیاہ پوش اور ماتمی لباس پہنے ہوئے ہے اس گھر کی عزا دار ہو یعنی وہ ہمیشہ اقبال کا سوگ کیا کرے اور کبھی اس کو کامرانی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔

(۸) دشمن آل نبی کو خدا کرے کہ دنیا کے طرب خانہ میں ہر طاق دیوار طرب خانہ منبع سیلاب طوفان حوادث ہو جائے۔ یہ شعر بھی دعائی ہے۔

(۹) اے اسدا آنکھ سے لے کر دل تک میں ایک پر تو شوق بنا ہوا ہوں اور اسی وجہ سے اس فیض سے میرا خط ساغر شوق شراب معنی سے لبالب ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

(۱) اس شعر میں کئی معانی پیدا ہوتے ہیں اول تو یہ کہ دنیا کا قیام محض یکتائی معشوق سے ہے۔ سوائے اپنے دوسرے کو دیکھنا پسند کرتا تو دنیا رہ نہ جاتی یعنی اگر تجلی انوار دنیا پر پڑتی یہ جل کر خاک ہو جاتی اور اس کا کہیں وجود نہ رہتا۔

دوسرے اگر حسن یکتائی کو پسند نہ کرتا یکتا نہ ہوتا۔ یعنی ذات باری تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ نہ ہوتی تو آسمانوں اور زمینوں میں فساد ہو جاتا اور یہ سبب بربادی کا ساتھ لو کان فیہما الہتہ الا اللہ لفسدنا تیسرے یہ کہ نکلون کائنات محض تماشا کے لئے ہیں یعنی حسن طرح طرح سے اپنے جلوے دیکھنا چاہتا ہے۔
یا یہ کہ حسن نے اپنے جلوہ یکتائی ہی سے کام کیا ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ معلوم ہم کہاں اور کس صورت کس حال میں ہوتے اشارہ مذہب صوفیاء قابل ہمہ ازوست و ہمہ اوست کی طرف۔

(۲) ہم تماشا کے دہر میں مصروف ضرور ہیں مگر نہایت بے دلی سے کہ جس سے نہ کوئی عبرت حاصل کرتے ہیں نہ کوئی ذوق ہماری تمنا بالکل بیکس ہے کہ نہ دنیا حاصل ہوتی ہے نہ دین حاصل ہوتا ہے یعنی اگر ہم تماشا کے نیرنگی عالم سے عبرت حاصل کریں تو دین کا فائدہ ہے اور اگر لطف پیدا ہو تو دنیا کا مزا ہے مگر یہاں تو بیدار کے ساتھ تماشا ہے جس سے کوئی تمنا پوری نہیں ہوتی۔

(۳) یعنی خیالات ہستی و عدم اور جنون و وقار میں فرق کرنا یہ سب لغو ہے سوائے وحدت وجود کے خیال کے ساری باتیں بیکار ہیں زیر و بم اور ہستی و عدم میں لف و نشر ہے زیر سے عدم اور بم سے ہستی کو مشابہ کیا ہے یعنی اور اشیا کا خیال و ذکر فضول ہے بے بس۔

(۴) آج کل نقش معنی سے یعنی اس کی دعوی داری سے اپنی ظاہر داری کی آراستگی اور ذکر حق سے ذوق تحسین کا کام لیا جاتا ہے باقی کچھ نہیں

(۵) دانشمندی کا ادعا اور شہنی بالکل فضول ہے اس سے گویا دین کی طرف سے غفلت کرنا ہے اور عبادت بامید نفع بالکل فضول ہے دین تو دین دنیا کو بھی اس کے ہاتھوں غارت کیا جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں امور حق پرستی و حق شناسی سے غافل کرنے والے ہیں۔

(۶) بابدست بیہودہ بے یہودگی۔ یعنی جیسے مضمون وفا بیہودہ اور فضول ہے اسی طرح تسلیم و رضا بیکار ہے یا اس کا نتیجہ پشیمانی و پریشانی ہے تمکین مثل نقش قدم کے خاک بسر اور پریشان ہے۔ مطلب یہ کہ تسلیم و رضا کا نہ کوئی

نتیجہ۔ نہ جھکین سے کوئی فائدہ۔

(۷) عشق کا نتیجہ یہ ہے کہ شیرازہ حواس درہم برہم ہو جائے اور وصل یقین کے آئینہ پر زنگ پیدا کرتا ہے یعنی وصل سے جدائی ثابت ہوتی ہے اور اس یقین کے آئینہ پر کہ ہم وہی ہیں زنگ لگتا ہے لہذا دونوں بے سود۔
(۸) فرہاد عاشق کیا ہے اپنے رقیب کے عشرت کدہ کا مزدور ہے اور بے ستون کیا ہے وہ شیریں کے خواب گراں کا آئینہ ہے جس سے فرہاد حیران و پریشان اور جان بلب ہے یعنی عاشق اس مصیبت میں ہے اور اسے خبر نہیں یہی مضمون غزل میں کہہ چکے ہیں۔

(۹) آج کل کے جواہل وفا ہیں اُن میں آتش خیزی نہیں ہے اور اسی لئے بے اثر و بے کار ہیں ایک جگہ کہتے ہیں
وفائے دلبران ہے اتفاقی ورنہ اے ہمد
اثر فریاد لہائے حزین کا کس نے دیکھا ہے
نالوں میں درد انگیزی اور آتش خیزی نہ فریاد میں اثر ریزی ہر شے بدل گئی ہے۔

(۱۰) لوگ جو کچھ زمزمہ سرائی کرتے ہیں انہیں سن لیتا ہوں مگر اس کی پروا نہیں ہے نہ ستائش کی تمنا اور نہ نفرین کا دماغ
(۱۱) معاذ اللہ میں بھی کتنا بیہودہ گو ہوں آداب و قار تمکین سے سراسر خارج ہوں یہی اس قصیدہ کا مخلص و گریز ہے۔

(۱۲) اے قلم تو وسواسات سے نزدیک ہے اور جو کچھ اب تک لکھا وہ سب بیہودہ بکا لہذا اب یا علی لکھ کر اس ہریان سرائی اور وسواس شیطانی سے نجات پالے۔

(۱۳) فیض خدا کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مظهر ہیں اور رسول خاتم النبیین ﷺ کے پیارے ہیں آل نبی کے قبلہ و کعبہ یقین کے موجد ہیں۔

(۱۴) اگر وہ سرمایہ ایجاد چلیں اور گرم رفتار ہوں تو ہر کف خاک اس زمین کی جس پر پاؤں کے نقش پڑیں تصویر ریع مسکون بن جائے کیونکہ وہ سرمایہ ایجاد اور باعث ایجاد عالم ہیں۔

(۱۵) جس جگہ اُن کا نقش قدم پڑے اتنی زمین تنگ و ناموس عالم کی زمین ہے یعنی سب عز و افتخار کو زمین وہی زمین ہے۔

(۱۶) یہ اسی کے نام کا شرف ہے کہ ہمیشہ زمین کے ناز اٹھانے کے لئے آسمان کی پشت جھکی رہتی ہے نسبت نام

اس وجہ سے کہا کہ حضرت علیؑ کی کنیت ابو تراب ہے اور تراب مٹی کو کہتے ہیں۔

(۱۷) یہ اُسی کے خلق کا فیض گل کو پہنچا ہے کہ وہ خوشبودار ہے اور بادِ صبا کو بھی وہ فیض پہنچاتا ہے

(۱۸) چونکہ اس کی تلوار کی کاٹ کا ذکر ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ سرِ رشتہ ایجادِ منقطع ہو جائے۔

(۱۹) اس کا جلوہ وہ کفر سوز ہے جس سے بتِ خانہ چین کی رونقِ عاشق کے رنگ کی طرح اڑ جائے یہ رنگِ فلکستن کا

ترجمہ ہے

(۲۰) اے تو میری جان پناہ اے میرے دل و جان اے فیضِ رساں اے بادشاہِ تورِ رسولِ مقبول کا یقینی وحی ہے۔

(مصنف اپنے جوشِ عقیدت میں اپنے مذہب کے موافق یہ لکھ گئے ہیں ورنہ یہی وہ مسئلہ ہے جس نے دنیائے اسلام

میں دو گروہ سنی و شیعہ بنا دیئے۔ حالانکہ نہ آج حضرت علیؑ ہیں نہ حضرت عمرؓ اور یہ سب جھگڑا اور اس کا اعادہ فضول

سے کم نہیں ہے۔ عبدالباری اُسی)

(۲۱) تو راکبِ دوشِ پیہر ہے اور تیرا نام نامی عرشِ اعظم پر نقش ہے۔

(۲۲) جیسے شعلہ ہی شمع کی زیست کر سکتا ہے ایسے ہی تیری تعریفِ خدا کے سوائے کوئی نہیں کر سکتا۔

(۲۳) انسانوں کو جو جان و دل اور دیں ملے ہیں تو گویا یہ خدا نے تیرے سنگِ آستان پر نثار کرنے کا سامان کر دیا

ہے۔

(۲۴) دل و جان کام و زبان سب تیری تعریف کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ لوح و قلم ہاتھ اور جبین کی طرح

تیرے سلام کرنے کے لئے بنے ہیں لوح کو جبین اور قلم کو ہاتھ سے بہ لحاظِ محل بے مثل تشبیہ ہے۔

(۲۵) ایسا کوئی نہیں ہے جو مدوحِ خدا کی مداحی کرے اور ایسا کوئی نہیں جو فردوس کو جو خود آراستہ ہے اور رونق دے

سکے۔

(۲۶) میں بازارِ معاصی کی ایک جنس ہوں اور مجھے کوئی سوائے تیرے قبول نہیں کر سکتا اور میں قطعاً ناکارہ ہوں۔

(۲۷) چونکہ اسد اللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تو کریم ہے اس واسطے اپنے مطالب کے عرض کرنے میں وہ نہایت شوخ اور

بے باک ہے اور گستاخی سے اپنی تمناؤں کے پورے ہونے کا متمنی ہے

(۲۸) تو میری دعا کو ایسا حسن و قبول کا رتبہ عطا کر کہ میں دعا مانگوں اور قبول ہر بار آمین کہے۔

(۲۹) غمِ حضرت شہیدؑ یہاں تک میرے سینہ میں بھر جائے کہ ہر وقت اس سے خون ٹپکے گویا دل و جگر سا غرلبریز

ہوں اور آنکھوں کی راہ سے چھلکتے رہیں۔

(۳۰) میری طبیعت کو دلدل کی محبت میں یہ سرگرمی ہو کہ وہ جہاں تک چلے میں وہاں تک سجدہ کروں۔

(۳۱) میرے دل میں نسب الفت بھرار ہے اور میرا سینہ تو حید کا میدان ہو یعنی اس میں تو حید ہی تو حید ہو میری نگاہ
مے جلوہ خیالی سے سرشار ہے اور میرے نفس میں صدق و صفا ہے پہلے مصرع کی دونوں ترکیبوں کو نظم صاحب
نے مہمل لکھ دیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ کیوں لکھا کیا لکھیں۔

(۳۲) دشمنوں کے لئے دود و وزخ صرف ہو اور دوستوں کو بہشت وقف ہو۔ دوزخ کے دھوئیں کے مقابلہ میں
سنبل لایا گیا ہے اور یہ مشابہت نہایت خوب ہے۔

☆.....☆.....☆

jabir.abbas@yahoo.com

منتقبت حضرت امام حسین علیه السلام

مگر مرادل کافر بود شب میلاد
که ظلمتش دهد از گور اهل عصیان باد

بطالعی ز عدم آمدم بباغ وجود
که رفته بود بدروازه ارم شداد

خروش مرگ که طوفان نا امیدهاست
غریویاس که مرگه به نو مبارکباد

طلوع نشئه بیم هلاک طالع وقت
هجوم عرض بلاهاے تازه عرض بلاد

جعیم ناظر و خشم خدای مستولی
سہیم دشمن و هیلاج دیدہ حساد

قضا نگارش اسرار شکل زائچہ را
کند ز دود دل دردمند اخذ مداد

مگوی زائچہ کاین نسخہ ایست از اسقام
مگوی زائچہ کاین جامعیت از اضداد

خود اصل طالع من جزوی از کمانستی
کزوست ناوک غم را هزار گونه کشاد

خرام زهره بطالع اگرچه داده نشان
هم از لطافت طبع و هم از صفای نهاد

دلی از آنکه غریب ست زهره اندر قوس
نشسته بر رخ نقد قبول گرد کساد

تو گوئی از اثر انتقام هاروت ست
که مر بطالع من چرخ زهره را جاداد

به صفر جدی ذنب را اشاره باشد
بخاک و حلقه دام و کمینگه صیاد

چه دام ۹ روح و روان گذارش پروبال
چه صفر ۹ رنج و الم را فزایش اعداد

ز مهر و پیکر تیر آشکار گشته بجدی
فروغ اخگر رخشنده و کفی زرماد

بحوت در شده هم مشتری و هم مریخ
یکی کفیل صلاح و یکی دلیل فساد

یکی بهیأت پیری که ناگه از غوغا
بکنج صومعه وامانده باشد از اوراد

یکی بصورت ترکی که از پئی یغما
ستیزه جوی درآید بخانه زهاد

قمر به ثور که کاشانه ششم باشد
چو نور خویش کند دستگاه خصم زیاد

سیاه گشته دو پیکر ز سیلی کیوان
چنانکه از اثر خاک تیره گردد باد

بدین دو نحس نگر تا چه شکل مستقبل
کشیده اند تربیع خویش در اوتاد

بچارمین کده بهرام پنجمین پایه
به هفتمین زده کیوان بهفتمین بنیاد

کند چو ترک ستمگر به کشتن استعجال
کند چو هندو رهن ببردن استبداد

ز حوت هیبت طوفان نوح پرده کشا
عیان ز صورت جوزا نهیب صرصر عاد

تو و خدا که درین کشمکش که من باشم
چگونه چون دگران زیستن توان بهر اد

روان ز غصه سفالیست در گزر گه سنگ
خرد ز فتنه چراغیست بر دریچه باد

ز جوش خون جگر دیده کوزه صباغ
ز سوز داغ درون سینه کوره حداد

گزارش موسم نو بهار دروی ماه
گزارش نفسم آفتاب در مرداد

مرا چو سایه سیاهست روز و شب تاریک
مرا چو شعله معاش ست دود و داغ معاد

کبود پوشم و قرطاس پیرهن سازم
گهی بماتم دانش، گهی بحسرت داد

نفس بلرزه ز باد نهیب کلکته
نگاه خیره ز هنگامه اله آباد

توای ستاره ندانی که رنجم از آزار
توای سپهر نه سنجی که ترسم از بیداد

ترا غمیست بسرمایه گرانی کوه
مرادمیست به نیروی تیشه فرهاد

من و بلای تو نطع ادیم و تاب سهیل
من و جفای تو شاگرد و سیلی استاد

فغان و حوصله دل شراره و خارا
غبار و ناصیه بخت جوهر و فولاد

من و ستم دل رنجور و التفات طبیب
من و خطر رگ مجنون و نشتر فصاد

بگوش تاب طبیعت روم ، معاذ الله
ندیده ام که خود از کیست جمله بست و کشاد

ستاره را همه رفتار ز اقتضای قضاست
چنانکه جنبش نرد از انامل نراد

ز گردشی که به گردون می کنم ثابت
ستاره رفته بچشمک زنی که ها سمراد

فلک کجائی و طالع چه و ستاره کدام؟
کنم شکایت دشمن ز دوست شرم باد

غزل سرایم و در مهر پیچم از اندوه
ترانه سنجم و برخیزم از سرفریاد

ز رشک گویم و داند که نالم از بیداد
رسیده ام بنگاری که کس بدو مرساد

تو گفته ای که چو میری فدای من گردی؟
شوم فدای تو من برتتابم این میعاد

ز جور تویه تغافل ز خویش بگزشتیم
به پشت چشم نهادیم شکوه را بنیاد

هزار بار ز خوبان گرفته ام بفریب
هم از مشاهده کام و هم از معانقه داد

تو آن نه ای که بهنگامه با تو در گیرد
به بحث جلوه سخن راندن از گل و شمشاد

گزیده گوئی غالب نگر که از تف مغر
چه نغز شیوه در ابداع کرده است ایجاد

بیا! که شوق عنان سخن بگرداند
ز سنگلاخ شکایت بمرغزار و داد

بیا! که نیست ثباتی بدین نشاط و ملال
بیا! که نیست دوامی بدین بیاض و سواد

بیا! که زود سراید زمانه اندوه
شود روان گرامی ز بند تن آزاد

بیبا! کہ دادہ نوید نکوئی فرجام
حسین ابن علی آبروی دانش و داد

بدان اشارہ کہ چون در خدای گم گردید
نمود نزد خدا امت نیارایاد

دوئی نبود و سرش همچنان بسجده فرود
زہے امام و زہے استواری پاساد

عنایت ازلی گاموارہ جنبانش
بزرگوار جہان تا بآدم از اجداد

ہدایت ابدی پیشکار دیوانش
خدایگان امم تا بخاتم از اولاد

گزین امام ہمامی کہ در خدا طلبی
فزودہ پیش خداوند آبروی عباد

بہین شہید سعیدیکہ باج تشنہ لبی
گرفتہ حبل و ریدش ز خنجر جلاد

زہرے برتبہ ملقب بسید الشہداً
زہرے بہ نطفہ موشح بہ سید السجاء

ز نقش پای تو مہراب سازی اقطاب
ز گرد راہ تو، سجادہ بانہی اوتاد

چراغ بزم عزای تو دیدہ خونبار
نشان محو ولای، تو خاطر ناشاد

زند ز موجہ خود دیدہ در ہوا ی تو بال
بود ز لخت جگر نالہ را براہ تو زاد

ز عتبہ بوسی مہر تو رو سپید احرام
ز دلنوازی نطق تو کامیاب ارشاد

ز تاب داغِ غمت سرخروئی ارواح
ز فیض خاکِ درت سبز بختی اجساد

لوائے قدر تو بالای این فرازین کاخ
جہان جاہ تو آنسوی این فرودین لاد

اجل نهیب بمیدان رزم از تو عمود
قوی اساس در ایوان شرع از تو عماد

بیان ز حزم تو صورت کشای صلح و صلاح
نشان ز عزم تو معنی نمای جهد و جهاد

زدانشش تو ببال عطیه ایثار
ز بینشش توبه فیض افاضه امداد

کند مشاهده شاهد ز تربیت عاشق
نمود گریه ز دل همچو دجله در بغداد

بسان باده زمینا بدیده بینا
دهد نشان گل از خاک کور مادر زاد

توئی که یاد تو وقت نیایش یزدان
مبارک آمده همچون درود در اوراد

ولی ولای تو چون فیض مبد فیاض
رسیده است بهر کس بقدر استعداد

چو عین ثابته را اقتضای ذاتی هست
تفاوت نیر مهرت بفرق ابن زیاد

قضا که دیده درستی کجا روا دارد
که سرمه هدیه فرستد بکور مادر زاد

ستم رسیده اما ، بخون طپیده سرا!
که کربلا ز تو گردیده قبله گاه بلاد

چو خود بحوصله لطف تست استظهار
چو خود بجائزه جود تست استمداد

چرا ز شوخی ابرام بایدم رو ساخت
چرا بعربده خاموش بایدم استاد

زدل به لاف ولای تو جوش میزنم
روان فروز رقههای راستی بنیاد

بسر بزرگی و کوچک ولی ز من بپذیر
اگر دمد همه نقش آلف از آحاد

بدان خدای که از فرط مهربانی او
برند پیش وی از دست خویشتن فریاد

برهبری که گدایان کوئی غفلت را
ز نور شرع چراغی بره گزار نهاد

بدان سمی خداوند کز کمال شرف
خدای راست ولی و رسول را داماد

بدان کریم که در جنب ریزه الماس
جواهر جگر پاره پاره بیرون داد

برسم و راه تو کاورده رنگ و بوی وفاق
بخاک پای تو کافزوده آبروی و داد

به نه گهر که تو آن را سحاب نیسانی
نفوس قدسیه یعنی ائمه امجاد

به رهروی که گراید بسایه شمشیر
به تشنه که ستیزد بدشنة فولاد

بشدتی، که رود در طریق استعجل
بحیرتی که بود در مقام استبعاد

بتازه روئی بستانیان مهر و وفاق
بزشت خوئی زندانیان بغض و عناد

بدشتبانی ترکان ایبک و قبیچاق
به میرزائی خوبان خلخ و نوشاد

به دور گرد غزالان دامن صحرا
به خوشخرام تدروان سایه شمشاد

به خواری اثر نغمه در نهاد اصم
به هیچی رقم نامه پیش کور سواد

به آتشی که بود ویژه بهر ساز نبرد
به مصلحت که بود خاصه از برای فساد

به نسبت هوس صید گور با بهرام
به شهرت رم برق درفش با کشواد

به نوجواني سهراب و غفلت رستم
به لغزش قدم رخس و چاهسار شغاد

به انتشار شمیم و به اتعاش مشام
به اهتزاز نبات و بانقباض جماد

به استواری دانش به سست عهدی وهم
بسرفرازی شاهین به خاکساری خاد

به بیدماغی بیمار و اختلاط طیب
به پیگناهی اطفال و شدت استاد

به موکشای یلدا و مرگ آذر ماه
به هرزه تازی باحور و رخصت خرداد

به صبر من که بود همچو آب در غربال
به عیش من که بود همچو عید در اشناد

به یاس شب بسر آوردگان بزم وصال
به داغ روز فرو رفتگان باغ مراد

به شادمانی بزمی که باشد اندروی
شراب خم خم و رندان حریص و ساقی راد

بخاطری که ز سودای رشک نکبت زلف
بسان زلف بخود پیچد از وزیدن باد

به سازگاری وادی که خامه در تحریر
دهد به لیلی و مجنون ز خسرو و فرهاد

به شکوه که سرایند محرمان عروس
به مصلحت ز زبان عروس با داماد

به ساده که به بی پردگی دهد الزام
اگر به پرده گه نازش از گل آری یاد

به کلبه که نشیند ب خاک پیش از خویش
به سایه که فتد در مغاک بعد از لاد

به حسرتی که بجوشد ز کاشکی یارب
به جرأتی که تراود ز هرچه بادا باد

به نغوتی که عدورا بود بجال و منال
به نازشی که مرا میرسد بخوی و نژاد

به آتشی که ز تری چکیده از لب من
به پیچشی که ز کژی فتاده در حساد

که ذره ذره خاکم ز تست نقش پزیر
نه نقش بند ازل نی زمانی و بهزاد

غمّت اگر همه مرگست من بدان زنده
ولایت اگر همه در دست من بدان دلشاد

ز تو که زبدم البته رنگ رنگ سوال
ز تو که بخشیم البته گونه گونه مراد

امید را بدعای می دهم تسکین
خرابه را بهوای می کنم آباد

که چون بحشر غلامان خویش بشماری
کجاست غالب آواره؟ بر زیانت باد

منتقبت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء

ابراشکبار و ماخجل از ناگریستن
دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

فواره و اراشک ز فرقم جهد به هجر
گم کرده راه چشم به شبها گریستن

از ضبط گریه حالی من شد که مجملاً
رنجیست سخت حوصله فرسا گریستن

مردم گرم ز نور شناسند دور نیست
دارد چوسیل در دلم آوا گریستن

از رشک شمع سوختم اندازه دان کسیست
خوش جمع کرده سوختنی با گریستن

پنهان دهند وایه بیاران تنگدست
دارم نهفته بر لب دریا گریستن

نگزشت آب تا ز سر اینم هراس بود
کار دچه فتنه بر سرم آیا گریستن

خوش در گرفته صحبت من با گداختن
خوش صاف گشته الفت من با گریستن

گوئی در اهتمام دل و دیده من ست
پنهان بخون تپیدن و پیدا گریستن

گوئیم و گفته را بتو خاطر نشان کنیم
باقیست بعد مرگ بسیبا گریستن

ما را بمساک اثر خامه قضا
در سرنوشت بود مهیا گریستن

ناگه از آن شتاب که اندر بذات اوست
کرد آن اساس راته و بالا گریستن

سرزد جوش گریه چنین ورته خود در اصل
امشب نبود مردن و فردا گریستن

نشگفت گربقاعده مستوفیان کار
از ما طلب کنند پس از ما گریستن

خواهم بغواندن غزل عاشقانه
بر ره گزار دوست بغوغا گریستن

دارم بذوق جلوۂ حسن برشته
نقشی کشیدن و به تمنا گریستن

خون در دلم فگند غمت گر نه وام بود
خواهد چرا ز من به تقاضا گریستن

در مغز دانشم شررا ندا گذاختن
در تار دامنم، گهر آما گریستن

بود آتشی بدل ز فغان تیز کردمش
تا در ضمیر نگزرد الا گریستن

در گریه در گرفتن زان روی تابناک
پروین فشاندنست و ثریا گریستن

تا با دلم چه کردمی گریم و خوشم
کز من نمی کند بدلت جا گریستن

اینست گرسرایت ز هر عتاب تو
خواهد فلک بمرگ مسیحا گریستن

هر قطره اشکم آئینه رونای تست
بتخانه من ست همانا گریستن

ناچار صبح میرد اگر شب بسر برد
باشمع فخر چیست بدعوا گریستن

از دل غبار شکوه به شستن نمی رود
گفتن مکرست و مضافا گریستن

حاشا که بر زیان منش گریه رود
نادان ز من ریوده به یغما گریستن

گویند در طلوع سهیل ست قطع سیل
مارا فزود زان رخ زیبا گریستن

بے گریه هیچگاه نه ای غالب چه خوست
خود بیتو هیچگاه مبادا گریستن

هان مطلعی دگر که بر آهنگ این غزل
کردم بچشم خویش تماشا گریستن

گردد مگر بحیلہ دوبالا گریستن
خواهد دلم بطالع جوزا گریستن

جنس شفاعتی بسلم میتوان خرید
امروز باید از پی فردا گریستن

معذوری از ز حادثه رنجی از آنکه نیست
از نازکی به طبع گوارا گریستن

مسکین ندیده ز مغان شیوه بانوان
در خوابگاه بهمن و دارا گریستن

دیوانگیست عربده کوتاه کنم سخن
فرخ بود گریستن اما گریستن

کفرست کفر در پی روزی شتافتن
ننگست ننگ در غم دنیا گریستن

گاہے بداغ شاہد و ساقی گداختن
گاہے بمرگ مامک و بابا گریستن

باید بدرد ہرزہ گریستن دگر گریستن
بیجا گریستیم و دریغا گریستن

چون موجہ سرشک ہما شہری نکرد
گوباش ہم نشیمن عنقا گریستن

رشک آیدم بہ ابر کہ در ہد و سع اوست
بر خاک کر بلاے معلیٰ گریستن

رفت آنچه رفت ، بایدم اکنون نگاہداشت
از بہر نور دیدہ زہرا گریستن

آن خضر تشنہ لب کہ چو از وی سخن رود
در راہ بر خورد ز تپش با گریستن

گویند چشم روشنی دیدہ ماہ و مہر
نازد بماتم شہ والا گریستن

باران رحمتی که بانداز شست و شو
دارد برو سیاهی اعدا گریستن

پاس ادب نخواست ز اعجاز دم زند
بر مرگ شاه داشت مسیحا گریستن

وقت شهادتش بصف قدسیان فتاد
از اضطراب آدم و حوا گریستن

خود را ندید زان لب نوشین بکام خویش
زیبد بشور بختی دریا گریستن

مزد شفاعت و صلۀ صبر و خون بها
چیزی ز کس نخواست الا گریستن

ای آنکه در حرم حجر الاسود از غمت
دارد بخود نهان چو سویدا گریستن

سیمای ماتم تو ستایم که زین شرف
شد روشناس دیده حورا گریستن

رضوان به آبیاری گلشن نمیرود
وامانده در گریستن و وا گریستن

با خاکیان بجنگم و ز افلاکیان بر شک
خواهم بر آستان توتنها گریستن

طرفی نه بست با همه شور از عزای تو
گرید به پیش ایزد دانا گریستن

چون رزق غیب درد ترا عام کرده اند
سر میزند ز مومن و ترسا گریستن

چون شحنة غم تو برسم خراج خواست
از ساکنان خطه غبرا گریستن

هر کس بچشم بسکه پذیرفت این برات
قسمت نیافت بر همه اعضا گریستن

غالب منم که چون بطراز ثنای شاه
سنجم ز غصه در دم انشا گریستن

گویند قدسیان که ورق را نگا هدار
از تو گهر فشاندن و از ما گریستن

من خود خجل که حق ستایش ادا نشد
اینست چون ثنا چه بود تا گریستن

شه فارغ از ثنا و عزا و انگهی بدمر
صد جا سخن سرودن و صد جا گریستن

در مدح دلپذیر بود تا نفس زدن
در نوحه ناگزیر بود تا گریستن

جز در ثنای شاه مبادا نفس زدن
جز در عزای شاه مبادا گریستن

قصیدہ ضریحیہ

بیادر کربلا تا آن ستمکش کاروان بینی
کہ دروی آدم آل عبا را ساربان بینی

نباشد کاروان را بعد غارت رخت و کالای
ز بار غم بود گر ناقه را محمل گران بینی

نہ بینی هیچ بر سر خاندان گنج عصمت را
مگر در خار و بن ها تار و پود طلیسان بینی

همانا سیل آتش برده بنگاہ غریبان را
کہ ہر جا پارہ از رخت و موجی از دخان بینی

بہ بینی چشمہ از آب و چون جوئی کنارش را
ز خون تشنہ کامان چشمہ دیگر روان بینی

ز تاب مہر گیتی سوز خط جادہ رہ را
بسان ماہی افتادہ بر ساحل تپان بینی

زمینی کش چو فرسائی قدم بر آسمان سائی
زمینی کش چو گردی پا بفرق فرق دان بینی

بهر گامی که سنجی حوریان را مویه گر سنجی
بهر سوئی که بینی قدسیان را توحه خوان بینی

ببینی سرخوش خواب عدم عباس غازی را
نه مشکش در خم بازو نه تیرش در کمان بینی

علم بنگر ب خاک ره گزار افتاده گر خواهی
که بر روی زمین پیدا نشان کهکشان بینی

هجوم خستگان و سوز و ساز نو گرفتاران
نو آئین بزم طوی قاسم ناشادمان بینی

نه می بینی که چون جان داد از بیداد بدخواهان
علی اکبر که همچون بخت بدخواهش جوان بینی

گرفتم کاین همه بینی دلی داری و چشی هم
بخون آغشته نازک پیکر اصغر چسان بینی

چه دندان در جگر افشرده باشی کاندران وادی
حسین ابن علی را در شمار کشتگان بینی

نیاری گردان کوشی که پایش در رکاب آری
نه بینی گر خود آن خواهی که دستش بر عنان بینی

تنی را کش رگ گل خار بودی بر زمین یابی
سری را کش ز افسر عار بودی بر سنان بینی

نگه را زان دو ابرو رو برو در خون تپان دانی
هوا را زان دو گیسو سو بسو عنبر فشان بینی

سنان با نیزه پیوندد همی زین رو عجب نبود
که نی را از گره پیوسته در بند فغان بینی

گراز آهن بود گو باش غم بگدازد آهن را
سنان را هم ز بیتابی چو مژگان خونچکان بینی

شهادت خود ضمانت نیست لیک از روی آگاهی
پی آمرزش خلق این شهادت را ضمان بینی

همین فرد است تا توقیع آمرزش روان گردد
مرنج از ناروائی گرد رنگی در میان بینی

و گرتاب شکیبائی نداری دیده در ره نه
که هم امروز از بخشایش فردانشان بینی

بود تا تکیه گاه ناز آمرزش پژوهان را
ضریعی سوی هند از خاک آن مشهد روان بینی

تعالی الله ضریح فرخ فرخنده فرجامی
که فرتاب فروغ فرخی از وی عیان بینی

به هنگامی که حملان نهند از دوش در راهش
دمی بنشین که گردش گردش هفت آسمان بینی

ضیای زان زیارت گاه بر روی زمین بارد
که خاک لکهنورا مردم چشم جهان بینی

بر انگیزد قیامت مردگان را این قیامت بین
که از فیض ورودش در تن هر ذره جان بینی

جز آن بیدست و پا کز خاک نتواند که برخیزد
باستقبال تازان اهل شهر از هر کران بینی

نفس در سینه داغ از تابش تابنده خور دانی
محل بر خلق تنگ از مرکب شهزادگان بینی

سواران همچو مهر آسمان زرین سلب یابی
هیونان چون ثریا گوهرین بر گستوان بینی

بره رفتن هجوم گوهر آگین طلایسانان بین
که بر روی زمین چرخ ثوابت را روان بینی

هجوم خاکیان دیدی سپس گردیده بر بندی
سروش‌شان را با نازنا شیواییان بینی

بوالا پایه نام آور سروشان در ثنا خوانی
سمی رحمة للعالمین را هم زبان بینی

محیط داد و دین سید محمد کز فره مندی
مرا و را در جهان آگهی صاحبقران بینی

نژاد خسرو الفتر فخری گوی را نازم
کز استغنا بدرویشی درش سلطان نشان بینی

زهر جزو ضریح اقدس و دست همایونش
کف رضوان و مفتاح در باغ جنان بینی

چویابی خواجه را در ره چه نیکو راهبر یابی
چوبینی هدیه را بر کف چه فرخ نورهان بینی

سفالی بینی از ریحان فردوس برین کاینک
بباغ جم چشم واجد عیالشاهش مکان بینی

مگر در خواب دادند آگهی سلطان عالم را
که سوی شاه از پیش شهنشاه ارمغان بینی

طریق پیشوایان وحی و الهامست و خاصانرا
بود خوابی که تعبیرش به بیداری همان بینی

حجابی در میان بنده و حق نیست پندارم
درانجا آشکارست آنچه اینجا در نهان بینی

روانی تشنه گفتار من دارد شنیدن را
قلم را بعد ازین در مدح خاقان تر زیان بینی

نهفته دانی شاه آشکارا شد روا باشد
دلش را گریدین آهنگ بر من مهربان بینی

نشاط اندوزی سلطان دانا دل عجب نبود
زرقصی کاندینجا خامه ام را در بختان بینی

رسد پیش از رسیدن نظم غالب در نظر گاهش
لبش را در سخن همچون کفش گوهر فشان بینی

نه بیند عرض لشکر ورنه صف در صف سپاهش را
زمیدان اود تا بیشه مازندران بینی

بیابان را نه لشکر بلکه طوفان در ره انگاری
دلیران را نه توسن بلکه سرصر زیران بینی

بدان قانع نخواهی بود از گنجینه سلطان
که دروی گنج باد آورد و گنج شایگان بینی

چه پرسش دلی از خازن که خود بر طاق نسیانش
دو صد جا حاصل صد ساله دریا و کان بینی

جهاندارا بکاخی کان طلسم فیض جا دارد
نشان سجده من نیز هم بر آستان بینی

ور آن قدسی زیارت گاه بام کعبه را ماند
ز چشم دجله ریز من درانجا ناودان بینی

چه گویم چون همی دانم که میدانی و نپسندی
که سعیم در سرانجام ستایش رایگان بینی

کمالش را طراز نازش عین العیقین بخشی
سخنور را گراز خود التفاتی در گمان بینی

خدایاتا بهاری و خزانی هست گیتی را
بهار دولت خود را به گیتی بیخزان بینی

ز بخششهای یزدان آنچه باید یافت آن یابی
ز تابشهای اختر آنچه شاید دید آن بینی

جهانسوزیست آئین مهر را در کشور آرائی
تو ماه چارده باشی و دشمن را کتان بینی

گراز روی غضب ناچرخ بسوی دشمن اندازی
سنان را همچو منقار هما بر استخوان بینی

چرا گویم که تا در روزیابی مهر تابان را
چرا گویم که تا در تیره شب ز انجم نشان بینی

سخن کوتاه ز صبح و شام و مهر و مه چه اندیشم
تو باشی جاودان و دیدنیها جاودان بینی

و گر خواهی که بینی چشمه حیوان بتاریکی
سواد نظم و نثر غالب معجز بیان بینی

منقبت خاتم ائمه اثنی عشر امام

مهدی هادی علیه السلام

هست از تمیز گربه هما استخوان دهد
آئین دهر نیست که کس را زیان دهد

مردست مرد، هرچه کند بینظر کند
راد ست راد هرچه دهد رائيگان دهد

گلزار را اگر نه ثمر گل بهم نهد
درویش را اگر نه سحر شام نان دهد

گنج سخن نهد به نهانخانه ضمیر
وانگه کلید گنج بدست زیان دهد

تا روز خاک تیره نگردد ز رشک چرخ
رخشانی ستاره بریگ روان دهد

تا آدمی ملال نگیرد ز یک هوا
سرما و نوبهار و تموز و خزان دهد

هم در بهار گل شگفاند چمن چمن
تا راحت مشام و نشاط روان دهد

هم در تموز میوه فشاند طبق طبق
تا آرزوی کام و مراد دهان دهد

نظاره متاع اثر بردگان نهد
اندیشه را شمار گهر در نهان دهد

آترا که بخت دسترس بذل مال نیست
طبع سخن رس و خرد خرده دان دهد

آترا که طالع کف گنجینه پاش نیست
نعم البدل ز خامة پروین فشان دهد

سنجم ترانه غزلی کاین نوا می شوق
دل را نوید زندگی جاودان دهد

گفتی لبم به بوسه دم وصل جان دهد
آری، اگر به هجر تو مرگم امان دهد

درد دلم که پیش تو افسانه پیش نیست
چشم ستاره را مژده خون چکان دهد

رنجد ز سیر باغ مگر در خیال دوست
از جوش لاله خاک ز خونم نشان دهد

چون دلستان ربود به یغما دلی که بود
کام دلی که نیست ندانم چسان دهد

چون خود ز ناز کی رقم صنع بر نتافت
سعی نظر چگونه خبر زان میان دهد

خوشنودم از سپهر ندانم مگر کسی
کودل چو من بدایر نامهربان دهد

آتش چکد ز هر بن مویم اگر بفرض
ذوقم بخود قرار گل و گلستان دهد

دانم که آسمان بزمین پیشکار کیست
عکس چه جلوه روشنی روشن دهد

چون جنبش سپهر بفرمان داور ست
بیداد نبود آنچه بما آسمان دهد

رنگ از گل ست و سایه ز نخل و نواز مرغ
هر جا بهار هر چه بود درخور آن دهد

در نشر نفعه قرعه بنام هوازند
در نشو و سبزه حکم بآب روان دهد

هر صبح باد صبح بمرغان شاخسار
سر مستی شمیم و نشاط فغان دهد

مستیز با نسیم، اگر بلبل بباغ
جان در نورد خار و خس آشیان دهد

داروز بهر زندگی آمد نه بهر مرگ
جرم پزشکی چیست اگر خسته جان دهد

پرویز دیر یاب شهی بود ورنه بخت
آواره را براه ز شیریں نشان دهد

فرهاد زود میر کسی بود ورنه دهر
کام دل غریب پس از امتحان دهد

دارم ز روزگار نویدی که آن نوید
در پیریم بشارت بخت جوان دهد

از داور زمانه باندیشه درست
شادم که مزد بند گیم ناگهان دهد

هر گه بسرنوشت سراپد شمار غم
راهم بهار گاه شه انس و جان دهد

کام دلم که پرسشی از شه نبود بیش
گر مرزبان نداد امام زمان دهد

سلطان دین محمد مهدی که رای او
منشور روشنی بشه خاوران دهد

گردد اگر سپهر خلاف رضای او
عذر آورد قضا و قدر ترجیح دهد

اوباش را بیزم شهنشاه بار نیست
گردون چه هرزه درد سر پاسبان دهد

گوئی دھان لب بهم آورده کسی ست
هر کوکبی که روی بشب درجهان دهد

زان رو بود چنین که ز روم ادب شهر
صد جاز دور بوسه بر آن آستان دهد

ناگفته ماند مدح ز افراط ذوق مدح
تا این کشاکش چه سخن بر زبان دهد

چشم پرد ز شوق و خسی کش نهم بران
هم در نهاد من اثر زعفران دهد

زود آ که فیض مقدم همنام مصطفی
آفاق را طراوت باغ جنان دهد

زود آ که شمسوار نظر گاه لافتی
پردازش رکاب و طراز عنان دهد

توسن زند بخون دلیران دم از شنا
چندانکه نم گرانی بر گستان دهد

دشمن نهد ز برق سنان روم در گریز
چندان که جان بجستن تیر از کمان دهد

در رهروی چراغ شبانان راغ را
روغن ز پیه گرده شیرژیان دهد

در شعلگی گزاف نوایان کفر را
پاسخ بقریبانی نوک سنان دهد

طرف کلاه خاک نشینان در گهش
از تاب رشک مالش تاج کیان دهد

در موکبش پیاده گدایان راه را
دخل هزار ساله دریا و کان دهد

کالا فروش را خود اگر انجم آورد
کالا بپای مزد و بها ارمغان دهد

هر کس ز همزمان وی آید سوی وطن
همسایه را حیات ابد نورمان دهد

فرضاً اگر به نعت و مناجات دل نهد
در شعر داد غالب شیوا بیان دهد

نامم برد بدان لب شیریں وزیں ادا
شکر بخورد طوطی هندوستان دهد

بازم ز مطالعی که بود روشناس فیض
دستان شوق جان به تن داستان دهد

مطلع ثانی

مهدی که در روش ز محمد نشان دهد
سروش رواست سایه اگر تو آمان دهد

از سایه خاک را رقم توتیا کشد
وز پویه جاده را نمط کهکشان دهد

اندازه کشایش دین خدا نهد
آوازه نماییش راز نهان دهد

از لای نفی دشمنه بشرک خفی زند
وز بهر دیده دیده ز عین عیان دهد

منت بفرق گیرز گرز گران نهد
تا زود مردنش ز اسیری امان دهد

تا بنگرد که عاقبت کار کفر چیست
در چشم خصم سرمه به میل سنان دهد

ای آنکه از خجستگی فال بهر خویش
اندیشه پرسشی ز توام در گمان دهد

کلک مرا ز نازش مدح تو در سرست
بادی که جنبش علم کاویان دهد

ایزد نیافرید چنانم به فن شعر
کانرا کسی نظیر درین خاکدان دهد

چون من بمدح جاه تو بندم به یکدگر
آن گونه گون گهر که قلم در بنان دهد

چیند ز گرد و پیش گهر روزه ها ظهیر
کارایش سریر قزل ارسلان دهد

هر کس که سوی صفة شرم نظر کند
مشکل که دل بطرۀ عنبر فشان دهد

هم نغمه سنج عشقم و هم نکته دان علم
ناهید ساز و مشتریم طلیسان دهد

با این همه ز غصه بجای رسیده کار
کاواژ من بزمزمه رنگ فغان دهد

دودش دمد ز فرق بیچد همان بفرق
گر خامه شرح سوز دل ناتوان دهد

کم گویم و بس ست که دانا نهاد نخل
داند ز یک ثمر که بوی باغبان دهد

در چار سوچنین بود آئین که هر کسی
از یک دو جنس عرض قماش دکان دهد

آری اگر بره قدری پیشتر رود
یک تن ز کاروان خبر از کاروان دهد

این اعتذار نیز درینجا نه درخورست
گفتن چه زحمت شه ناگفته دان دهد

شادم بدین سطور مگر بخت کارساز
از پستیم عروج بدین نردبان دهد

بندم گران و ذوق رهائی سبک خرام
بندی چنین شگفت که ذوقی چنان دهد

باید ز التفات تو یک جذبه قوی
کان جذبه ام نجات ز بتد گران دهد

بعد از سوال رسم نباشد که گدیه گر
فصلی دگر ز بهر دعا در میان دهد

بادا نسیم باغ ولای تو عطر بیز
تا نوبهار تازگی بوستان دهد

بادا گلیم بخت عدوی تو شعله خیز
تا در زمانه دود ز آتش نشان دهد

منتقبت حضرت عباس ابن علی علیه السلام

آواره غربت تقوان دید منم را
خواهم که دگر بتکده سازند حرام را

نازم به سخنخانه که شاهان جهان جوی
هم بر در آن خانه گزارند حشم را

چون فاش شد آخر که هم از خلق گرفتند
بی فائده از خلق نهفتد ارم را

سهلست که عشاق ز بیداد نبالند
زین قوم محبت طلبد ذوق ستم را

لرزد دلم از گریه بحال فلک، آری
در بادیه از سیل خطر هاست خیم را

در راه وفا بسکه بود پویه بسر شرط
چشم از دل و از دیده فگندیم قدم را

گر بر خود ازین فخر ببالم که غم از کیست
بر هم نفسان تنگ کدم خلوت غم را

تا خسته دل از قحط می و فرقت یارم
زنگ ست ز خوناب جگر بر مژه نم را

کوباده سیال که فیضش ز روانی
از لون بصر را رسد از رائحه شم را

کویار هنرور که بخلوت کده انس
از هوش بدزدی به برد شیوه رم را

حاشا که ز غم نالم اگر غم عشق ست
پیوند نشاط ست بدین زمزمه دم را

غم کاسه سم بود فگندند دران خاک
وان خاک تبه کرد گوارائی سم را

این چرخ ستمگر که چو من غرقه خون باد
بایکدگر آمیخت دو صد گونه الم را

گوید که با دست تهی عشق و بالاست
افتاده برین قاعده اجماع امم را

خون میخورم از ذوق و تودانی که بدین خورد
بر مائده سیری نتوان داد شکم را

در چشم شب و روز ندانم ز چه زشت ست
خوش کردم اگر طره و رخسار صدم را

بر شعله مریخ ندانم ز چه تلخ ست
دل دادم اگر مطربه زهره نغم را

بالجمله دگر با خودم از خویش حدیثی ست
کز صدق و صفا مایه دهد صبح دوم را

نازم بکمال خود و بر خود نفزایم
آثار در وبام صنادید عجم را

گوهر نه بکان، کان بگهر روی شناس ست
بر فرخی ذات دلیلم اب و عم را

آبای مرا تیغ و مرا کلک بسازست
دستیست جدا گانه بهر کار هم را

دریاب کز الماس بود جوهر تیغ
هر چند بهم برزده بینی دم و خام را

آنکس که شناسائی آهن بودش خرم
جوهر نگرد تیغ فرو ریخته دم را

کو بابل شیراز و کجا طوطی آمل
تا پاییه بسنجیم نواسنجی هم را

لا بلکه اگر خواهم ازین هر دو سغور
تحسین روش کلک دل آشوب رقم را

خاص از پی کسب شرف مدح طرازی
از هم بر بایند بپر خاش قلم را

فرمان ده اقلیم کمال نکم جمع
لعل و در و فیل و فرس و کوس و علم را

آزاده روی در نظرم خوار و زیون کرد
توقیع جهان بخش شاهان عجم را

سیم و رز و نعل و گهر آن به که ازین چار
اوتاد بود طالع توفیق کرم را

بهی وعده بدرویش بده وایه و گرنه
سیمای سرابست درین راه نعم را

همت نکشد ننگ نکونامی احسان
برخیز و ببازیچه فرو ریز درم را

رو همت از آن تشنه جگر جوی که از مهر
بر تشنگی شاه فدا ساخته دم را

عباس علمدار که فرجام شکوهش
بازیچه طفلان شمرد شوکت جم را

آن شیر قوی پنجه که گردیده ز بیمش
دائر تب دیگر تب شیران اجم را

آن راد که رد ساخته بر خاک نشینان
آوردۀ کان را و برون دادۀ یم را

حاجت بقسم نیز نمائندست و گرنه
هر دم به عطایش خورد انصاف قسم را

از بسکه بنام آوری شیوه انصاف
پرداخته از نام ستم حرف ورقم را

هر شب فلک از دور به انجم بنماید
کاین خوابگاه آن خانه پرانداز ستم را

خوابش بشبستان حسین ابن علی بین
دریاب به پهلوی هم آرامش هم را

این هر دو گهر را ز دو سویک گهر آمد
چون نیست جدائی ز صدف گوهر ویم را

نسب نیارد که کنم منع ز عباس
فرزند شاهنشاه بطحی و حرم را

ای هم گهر ختم رسل گرد تو گردهم
چندانکه کنم چلقدن ظل علم را

حاشا کہ لب از مدح تو خاموش پسندم
نسیان زده رہ روی سیه باد ہرم را

شد تازہ دم بند گیم جلوہ گریہا ست
عنوان نمایش ز حدوث ست قدم را

از کود کیم درس ولای تو روانست
دانی خود ازین بیش کہ گفتم بتو کم را

در صومعہ مدح تو بہر طلب فیض
محراب دعا ساختہ ام وجہ اتم را

فرزانیہ حکیم من و مدحت گر شاہم
در شعر ز من جوے براہین حکم را

اندر نظرم صورت یک معنی خاص ست
مضمون دعاے تو و مفہوم اہم را

تا رسم نباشد بہوا بیضہ نہادن
کبکان خرامندہ و زاغان دژم را

بادا علمت کبک خرامندہ و گردون
چون بیضہ ز پرچم تہ پر باد علم را

اُردو منقبتی اشعار (غزلوں سے)

مانع بادہ کشی نادان ہے لیکن اسد
بے ولایت ساقی کوثر کشیدن منع ہے

ہے دو عالم صید اندازِ شہ دلدل سوار
یاں خط پرکار ہستی حلقہ فتراک ہے

کثرت اندوہ سے حیراں و مضطر ہے اسد
یا علی وقت عنایات و دم تائید است

ہے سوادِ خط پریشاں مولیٰ اہلِ عزا
خامہ میرا شمع قبر کشمکش کا دودھ ہے

جو عزادارِ شہیدانِ نفس در دیدہ ہو
نوحہ ماتمِ باوازِ علقا کرے

ناتوانی سے نہیں سر در گریانی اسد
ہوں سراپا یک خمِ تسلیم جو مولّا کرے

جس جگہ ہو مند آرا جانشینِ مصطفیٰ
اس جگہ تختِ سلیمان نقشِ پائے مور ہے

خرابات جنوں میں ہے اسد وقت قدح نوشی
ہشوق ساقی کوثر بہار بادہ پیمائی

اسد گر نام والائے علی تعویذ بازو ہو
غریق بحر خوں تمثال در آئینہ رہنا ہے

کیا غم ہے اس کو جس کا علی سا امام ہے
اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بدحواس ہے

امام ظاہر و باطن امیر صورت و معنی
علی ولی اسد اللہ جانشین نبی ہے

لغزش پا کو ہے بلند نغمہ یا علی مدد
ٹوٹے گر آئینہ اسد سیمہ کو خوں بہا سمجھ

کب تلک پھیرے اسد لبھائے تفتہ پر زباں
تاب عرض تفتگی اے ساقی کوثر نہیں

شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں غالب کی طرح
بے محل اے مجلس آرائے نجف جلتا ہوں میں

غالب ہے رتبہ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی کہ علیؑ کو خدا کہوں

دھوئیں سے آگ کے اک لہر دریا بار ہو پیدا
اسد حیدر پرستوں سے اگر ہووے دو چار آتش

اسد قدرت سے حیدر کی ہوئی ہر گہر و ترسا کو
شرار سنگ بت بہرے بنائے اعتقاد آتش

ہزار آفت و یک جان بے نوائے اسد
خدا کے واسطے اے شاہ بے کساں فریاد

خدا کے بعد نبیؐ اور نبیؐ کے بعد امام
یہی ہے مذہب حق والسلام والا کرام

میں قائل خدا و نبیؐ و امام ہوں
بندہ خدا کا اور علیؑ کا غلام ہوں

اے اسد مایوس مت ہو از در شاہ نجف
صاحب دلہا وکیل حضرت اللہ ہے

خیال شربت عیسیٰ گداز تر جہیں ہے
اسد ہوں مست دریا بخشی ساقی کوثر کا

غالب ندیم دوست سے آتی ہے یوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

☆☆☆

منتخبی اشعار فارسی غزلوں سے

بزم ترا شمع و گل خستگئی بو تراب
ساز ترا زیر و بم واقعه کربلا

خلد به غالب سپار زانکہ بدان روضه در
نیک بود عندلیب خاصه نو آئین نوا

برامت تو دوزخ جاوید حرامست
حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگان را

آہے بعشق فاتح خیبر کنیم طرح
در گنبد سپہر مگر در کنیم طرح

بخون تپیدن گلہا نشان یگرنگیست
چمن عزای شہیدان کربلا دارد

تونالی از خلۂ خار و ننگری کہ سپہر
سر حسین علی بر سنان بگرداند

یزید را بہ بساط خلیفہ بنشانند
کلیم را بہ لباس شبان بگرداند

ورد من بود غالب یا علی بو طالب
نیست بخل یا طالب اسم اعظم از من پرس

مذاق مشرب فقر محمدی داری
می مشاهده حق ینوش و دم درکش

منصور فرقه علی الهیان منم
آوازه ای انا اسد الله در افگنم

ار زنده گوهری چون من اندر زمانه نیست
خود را بخاک ره گزر حیدر افگنم

غالب به طرح منقبت عاشقانه ای
رفتم که کهنگی ز تماشا بر افگنم

غالب نام آورم نام و نشانم می پرس
هم اسد الهیم و هم اسد الهیم

گفتمش باز گو طریق نجات
گفت غالب بکریلا رفتن

بر لبِ یا علی سرای باده روانه کرده ایم
مشرَبِ حق گزیده ام عیشِ مغانه کرده ایم

عالمِ توفیق را غالبِ سوادِ اعظم
مهرِ حیدرِ بیشه دارم حیدرِ آبادِ خودم

علیِ عالیِ اعلیٰ که در طوافِ درش
خرامِ بر فلک و پایِ بر زمین دارم

ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود
گر آفتابِ سویِ خاوران بگردانیم

غالبِ ز هندوستان بگریز فرصتِ مفتِ تست
در نجفِ مردنِ خوشست و در صفاهان زیستن

غالبِ به چنین کشاکشِ اندر
یا حضرتِ بو ترابِ تا کی

☆☆☆

منتخبی رباعیات رباعی

شرطیست کہ بہر ضبط آداب و رسوم
خیزد بعد از نبیؐ امامؑ معصوم
ز اجماع چگوئی بہ علیؑ باز گرای
مہ جای نشین مہر باشد نہ نجوم

رباعی

بردل از دیدہ فتح بابست این خواب
باران امید را سحابست این خواب
زنہار گمان مبر کہ خوابست این خواب
تعبیر ولای ہوترابست این خواب

قطعه

فکرِ تاریخ سال میں مجھ کو
 ایک صورت نئی نظر آئی
 ہند سے پہلے سات سات کے دو
 دیے ناگاہ مجھ کو دکھائی
 اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا
 ہزاراں ہزار زیبائی
 سالِ ہجری تو ہو گیا معلوم
 بے غمول عبارتِ آرائی
 مگر اب ذوقِ بذلہ سنجی کو
 ہے جداگانہ کارِ فرمائی
 سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
 بامید سعادت افزائی
 غرض اس سے ہیں چارہ معصوم
 جن سے ہے چشمِ جاں کو بینائی

اور جن سے بارہ امام ہیں بارہ
جن سے ایماں کو ہے توانائی
اُن کو غالب یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی

ترکیب بند

جناب سید العلماء مولانا سید حسین بن سید ولد ادعلیٰ غفرانہاب کا مرثیہ موصوف نے ۱۸ صفر ۱۲۷۳ھ لکھنؤ میں انتقال کیا اور اپنے والد کے امام باڑے میں قبر پائی (دیکھئے ”ورثہ الانبیاء“ تذکرہ بے بہا) یہ ترکیب بند دیوان طبع دہلی میں نہیں ہے۔ ہم کلیات طبع نول کشور سے نقل کر رہے ہیں۔

اس مرثیہ میں امام رضا علیہ السلام کا تذکرہ اور حضرت خجّت مہدی علیہ السلام کا ذکر ہے۔

زین خرابی کہ در جہان افتاد
بگزر از خاک، کاسمان افتاد

چشم و دل غرق خون یکد گراست
زین کشاکش کہ در میان افتاد

می کشد بی سنان و دشنہ و تیر
غم بر احباب مہربان افتاد

شعلہ در چرخ نا گرفت، گرفت
لرزه بر عرش نا گھان افتاد

جست از سدرہ طائر قدسی
کش از ان نخل آشیان افتاد

زین قیامت که نی بهنگام است
در حرم شورالامان افتاد

آنچنان جوش خورد از تف غم
کاب زمزم ز ناودان افتاد

از فراز فلک گزار مسیح
سوی این پست خاکدان افتاد

مردن خواجه چون به کعبه شنید
مرده آساز نردبان افتاد

خون ز غم در دل کلیم افسرد
لا جرم عقده بر زبان افتاد

گرفرو افتد آسمان بزمین
باقضا در نمیتوان افتاد

گشت داغ غم حسین علی
تازه در ماتم "حسین علی"

از زبانها، بمعرض آثار
خون فرومی چکد، دم گفتار

عالمی راست در نهان و عیان
دل غم اندوز و دیده دریا بار

درد این سوفشورده پا در دل
اشک آن سودویده بر رخسار

ماجرای از خرد پشرومش رفت
گفت می بین و دم مزین زنهار!

دیده باشی که خواجه چو می زیست
لختی آن فرو فرخی یاد آر

رگ برگی ازونیافت گزند
دل موری ازوننه دید آزار

داد تن چون بن خواب باز پسین
بآدل شاد و دیده بیدار

بَرْدُ اللّٰه ، گرد مَضْجِعِ او
نقش بستند بر در و دیوار

می نه سوزد ز تاب شعله شمع
بال پروانه چراغ مزار

مرگ سید حسین آسان نیست
دهر آرد چنین کسی دشوار

از صفر روز رفت چون ده و هفت
شب شنبه بزاد روز شمار

ماه و تاریخ کز امام رضا است
ماه و تاریخ "سید العلماست"

آن امام هم امام یزدان دان
قهرمان قلمرو ایمان

آنکه گر نطق او نشان ندهد
نرسد کس بمعنی قرآن

آنکه گردون بدین توانائی
باشدش گوی در خم چو گان

آنکه باوی بهشت و دوزخ را
چاره نبود ز بردن فرمان

صفت ذات وی بشرط وجوب
در نگنجد به حیزامکان

جوهرش را عرض بود اسلام
این نپاید، اگر نباشد آن

از "اولی الامر" ثامن و ضامن
که نجات نفوس راست ضمان

حسب دعوت بمامن مامون
گشت مهر سپهر دین مهمان

آن ستم پیشه را همی بایست
که کند خدمت از بن دندان

بریا و نفاق و خدعه و زرق
کرد لطف و مروت و احسان

به ولی عهدیش فریفت مگر
می ندانست پایه سلطان

خیره سربین که در حمایت عهد
پادشاه را دهد ولایت عهد

گفت مامون شبی بچند غلام
که میدون درین شباهنگام

پای از سر کنید و بشتابید
سوی بنگاه قبله گاه انام

گر بود در فراز، زود ازو
باید آمد فرود از ره بام

پس بدان پای، کش صدا نبود
جانب خوابگاه کنید خرام

یکسره بر سرش فرود آرید
تیغهای برآمده ز نیام

اهرمین گوهران تیره درون
خانه زاد سواد ظلمت شام

شاه را یافتند تا جستند
صحن و ایوان آن خجسته مقام

بود آن دم درون حجره خاص
بر نهالی، برخت خواب، امام

اوصیا راست از نهایت قرب
جامه خواب جامه احرام

تیغها بر سرش فرود آمد
هم چنان کز خدا درود و سلام

همه باز آمدند و دانستند
کار ماه تمام گشت تمام

بستر از خون پاک نم نگرفت
بر تنش هیچ موی خم نگرفت

پیکر خواجه بود چشمه نور
چشم بد باد از نکویان دور

نور دیدی، شود بتیغ دو نیم؟
خون شنیدی، چکد زرخشان هور؟

تو و یزدان بود چنین پیکر
درخور زخم دشمنه ساطور؟

نه پیمبر گزاشت در گیتی
اهل بیت و کلام رب غفور

پایه اهل بیت، تادانی
هست توأم به ایزدی منشور

گر نه خفاش تیره روزستی
روزماندی ازو چرا مستور

کی فروزد ظهور نور، دلش
آنکه دزد نگه ز نور ظهور

دیده باشی که نور در سرسام
برتابد طبیعت رنجور

حاسدان را ازین مشاهده شد
سینه هاریش و ریشها ناسور

ورخلاف خلافت از ره کین
بود چون کشتن امام ضرور

عاقبت میزبان مهمان کش
شاه را زهر داد در انگور

زائران را کنون به مشهد طوس
آسمان آید از پی پابوس

قصه سینه سوز و زهره گداز
گفته آمد بشیوه ایجاز

نـاز پـرورده نیازی هست
عـجز مـن در گـزارش اعـجاز

مـن بـدان سوختن نساخته ام
کـه تـوانم شـناخت سوز از ساز

ز آسمانم شکایت است عظیم
بـرزبانم حکایت است دراز

ایـنت آشوب دل ز خون پر کن
ایـنت رنج تن از روان پرداز

مـرد سید حسین و برد غمش
از دلم تمام و از لبم آواز

تا چه با رسول بودش روی
تا چه با خدای بودش راز

خاست در حاملان عرش عظیم
شورش یون ز شه پر پرواز

پایه عرش هشته اند ز دست
تا گزارند بر جنازه نماز

در جهان مثال دارندش
میهمان بر سماع نعمت و ناز

به راحیای رسم جهد و جهاد
خواجه همپای مهدی آید باز

آفرین بر روان پاکش باد
مهر از ذره های خاکش باد

دگر ای دل! بغمون شناور باش
آشنا روی دیده تر باش

کمتر از شمع در شمار نه ای
پای بر جا در آب و آذر باش

کوشتن را فگن در آتش تیز
گر نه پروانی ای سمندر باش

تائیائی ز لاغری بنظر
تاری از تارهای بستر باش

گر گریبان ز تست چاکش کن
وررگ جان ز تست ، نشتر باش

وا حسیناً! بگوی و در گفتن
بفغان آی و شور محشر باش

دیده را گرد و خار و پیکان شو
سینه را تیغ و تیر و خنجر باش

غم میراجل ، غم دین ست
غالب از غصه خاک بر سر باش

گفته باشی که زار و غم زده ام
لختی از خویشتن فزون تر باش

خیز و گرد مزار خواجه بگرد
با سپهر برین برابر باش

بیٹی از خود بسینہ می خلد
می کنم مویہ گو مکرر باش

گشت داغ غم حسین علی
تازه در ماتم حسین علی

اقتباس مقدمہ دعا صبح

کالی داس گپتارضا

دعائے صبح (دعاء الصبح) حضرت علیؑ سے منسوب مجموعہ موسومہ ”صحیفہ علویہ“ کی ایک مشہور و مقبول دعا ہے جسے شیعی حضرات عموماً صبح کے وقت بعد نماز پڑھتے ہیں مگر اصل ماخذ میں ہے کہ نافعہ کے بعد پڑھی جائے۔ اس دعا کے خواص اور فضائل سے متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اسے جس حاجت کے لئے پڑھے گا اُس کی دعا مستجاب ہوگی۔ اس کا پڑھنے والا تمام بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔ لوگوں کی نگاہ میں معزز اور بزرگ ہوگا اور دشمن اُس پر غلبہ نہ پاسکے گا۔

دعا عربی میں ہے اور قرآنی اسلوب بیان کے مطابق ہے بلکہ اصل عربی میں بہت حد تک قرآنی آیات استعمال ہوئی ہیں۔ دعا کا پیرایہ بالکل وہی ہے جو اسلامی دعاؤں کا ہوا کرتا ہے۔ یعنی اپنے عجز کا اظہار اور گناہوں سے بچنے کی خواہش۔

یوں تو ”دعا الصبح“ کی فارسی شرحیں اور ترجمے صدیوں سے ہوتے آئے ہیں۔ مگر ہمارا موضوع فارسی منظوم ترجمہ ہے جو مرزا غالبؒ نے کیا اور ان کی زندگی میں ان کے بھانجے مرزا عباس بیگ کے ایما پر نولکھور سے طبع ہوا۔ جس سے اگر مصنفین و مؤلفین میں نہیں تو کم از کم غالبؒ کی ایک تصنیف کے منظر عام پر لانے والے کی حیثیت سے ان کا نام ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ وہ تصنیف ہے دعائے صبح کا غالبؒ کا کیا ہوا تذکرہ بالا فارسی منظوم ترجمہ۔ اس کے اولین ایڈیشن کا آج تک صرف ایک ہی نسخہ معلوم ہے اور خوش قسمتی سے یہ میرے ہی غالبؒ کلکشن میں شامل ہے۔ اس پر لکھا ہے کہ رسالہ ”حسب الایمان مرزا عباس بیگ صاحب اکشرانشٹ کمشنر لکھنؤ“۔ رضا لاہوری رام پور میں بھی ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ باوجودیکہ مدت تک یہ منظوم ترجمہ عوام تک نہ پہنچ سکا تاہم تقریباً ۱۸۶۶ء سے ۱۹۰۶ء تک اس کی کم از کم تین اشاعتیں منظر عام پر آچکی تھیں اور اس کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں یہ چھپتا ہی رہا۔ اشاعت اول مطبوعہ نولکھور کے سرورق کی عبارت ”مع ترجمہ نثر و نیز ترجمہ منظوم از اسد اللہ خاں غالبؒ“ کے لفظ ”نیز“ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف منظوم ترجمہ غالبؒ کا ہے۔ نثری ترجمہ کسی اور صاحب نے کیا ہے۔ غالبؒ علمی اور عملی پہلو سے نہ سبھی مگر جذباتی طور پر کٹر شیعہ تھے۔ لہذا یقینی ہے کہ وہ اس دعا کے معانی و مطالب سے کلی طور پر بہرہ ور رہے ہوں گے۔ اُن کے منظوم ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فارسی نثر کو

جوں کا توں فارسی نظم میں نہیں لکھا بلکہ اس سے مطلب اخذ کر لیا اور جہاں عربی عبارت نظم میں قافیہ اور ردیف کے لئے سازگار تھی، اسے استعمال کیا۔ علاوہ ازیں اس مثنوی کے معانی کو واضح کرنے کے لئے غالب نے اپنی طرف سے بھی بہت سے اشعار بڑھائے ہیں۔ اُن کا مثنوی ترجمے سے لفظی طور پر کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ غالب دعاء الصباح کے مطالب سے کلیتاً اور براہ راست واقفیت رکھتے تھے۔ مطبوعہ مثنوی میں بطریق قدیم کئی مقامات پر یائے مجہول کو یائے معروف اور یائے معروف کو یائے مجہول لکھا ہے۔ اسی طرح ”گ“ کو ”ک“ تک محدود رکھنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ یہ مثنوی غالب کے عہد جوانی سے بھی کچھ پہلے کی کہی ہوئی ہے جو ان کے فارسی دیوان مرتبہ ۱۸۳۵ء میں شامل ہے جب کہ اُن کی عمر چالیس برس سے بھی کم تھی۔ بظاہر کہیں سے پڑانا مسودہ مرزا عباس بیگ کے ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے اسے مطبع نولکھنؤ سے جہاں وہ ایک بڑے سرکاری عہدے پر مشغول تھے اپنے ایماء سے (غالب کے ایماء سے نہیں) ثواب کے لئے چھپوا دیا ہوگا۔ رسالے کے سرورق کی عبارت بھی یہی ہے۔

”حسب الایمان مرزا عباس بیگ صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر لکھنؤ مطبعہ منشی نولکھنؤ روٹی طبع یافت“

ترجمہ مثنوی دعائے صباح

ای خدا! ای داورا! کو برکشاد
از درخشیدن زیان بامداد

بارهای تارشب را آفرید
پرده های تارظلمت درکشید

کرد صنع چرخ گردان استوار
در مقادیر تزیین آشکار

ای خداوندی! که تاب آفتاب
کرد یکجا با فروغ التهاب

چهره مهر درخشان برفروخت
با همه تابش در آتش رخت سوخت

در جهان هستیش هم جنس کیست؟
هیچ مخلوقی بدو هم جنس نیست؟

ای که ذاتش را به ذاتش رهبری
گشت از هم جنسی عالم بری

برتر از کیفیت آمد گوهرش
کیفیتها نیستی گیرد برش

ایکه نزدیکی بخطر است ظنون
دور تر هستی ز دیدار عیون

یعنی از دیده شدن ذاتش بری ست
هر کرانه از جهات پیکری ست

گوهر او از پس و پیش ست بیش
کرد هستی را محاط علم خویش

هر چه در عالم به هستی رونمود
پیش از هستی بعالم او کشود

ای که در گهواره امن و امان
خواب را در چشم من کردی نهان

باز چشم من به بیداری کشاد
سوی احسان و عطای کو بداد

دست او برست دست هر زیان
قدرت او از بدی دادم امان

بر فرست ای داور هستی درود
بر کسی کوسوی تو راهم نمود

در شب تاریک تر شد ره نما
سوی درگاه تو ای گیتی خدا!

از سبب های تو ای رب الامین!
از شرف گیرنده حبل الوتین

آن فروزان گوهری نیره نژاد
آنکه بردوش بلندی پانهاد

آنکه آمد در نخستین روزگار
پای او بر جای لغزان استوار

نیز بر آتش که از بس طاهراند
پاک دین و برگزیده ظاهراند

نیک کرداران و یزدان برگزین
برگزیده گوهران پاک دین

ای خدا! بکشا مصاریع الصباح
از برای ما بفتح الفلاح

یعنی ای دادار گیتی، دادگر
برکشا بر ما تو درهای سحر

از کلید لطف درها باز کن
بهر ما سامان رحمت ساز کن

بهترین پیرایه رشد و سداد
در برم پوشان تو ای رب العباد

بر نشان در من ینابیع الخشوع
از روانم کن روان عین الخضوع

پیشگاه عظمتت ای بی نیاز
کن روان از چشم من آب نیاز

دایم از پیم خودت، ای کردگارا
اشکها از گوشه چشم بیار

سبکی نادانیم تادیب کن
از شکیبای مرا تهذیب کن

گر نباشد از تو آغاز کرم
ورنه توفیق تو باشد رهبرم

کس نیارد بردن من سوی تو
در کشاده ترره‌ی در کوی تو

گر مرا حلم تو بسپارد به آرز
بر کشد زنجیره حرصم دراز

کس نیامرزد گناهم، ای خدا
سرنگون افتادن من در هوا

نصرت تو گر مرا ناید معین
گاه جنگ نفس و شیطان لعین

آن چنین خذلان بحرمانم کشد
در همه رنج و تعب جانم کشد

خود ترا می بینم ای هستی خدا
کامدم سویت با امید و رجاء

دست پیوستم با طراف الحبال
چون گنه افگند دورم از وصال

چون بدوری در شدم از بارگاه
زانکه چیره شد بمن دست گناه

زشت مر کویی که نفس من بران
از هوا و حرص شد دایم روان

واه از تسویل نفس ذوق نون
کان بود از آرزوهای وظنون

آه، زان خواهش کز و برخاسته
آرزوها آردش آراسته

هر زمان گامی بهر سویش برد
فرش خواهش ها بهر سو گسترد

بر درازیه ها کشد طول امل
تا به دوری افتد از حسن عمل

نیست ندادن نفس فرمان ناپذیر
کو بود پیش خداوندش دلیر

جرات و گستاخی و عصیان کند
سرکشی از طاعت یزدان کند

ای خداوندا! من از دست رجا
کوفتم دروازه رحمت ترا

سوی تو بگریختم با اضطرار
از وفور خواهش نااستوار

در سن های تو ای گیتی خدا
باز پیوستم سرانگشت ولا

در گزار از من تو ای رب الوری
هرچه کردم از گناه و از خطا

لغزشی کز من بیاید آشکار
در گزار از من تو ای پروردگار

عفو کن، افتادن من در بلا
باز و از هرچه زاید زان عنا

زین که هستی سرور و معبود من
غایت هر خواهش و مقصود من

در زمان هر کجا گردیدم
نیز در هنگام آرامیدم

خود چسان میرانی ای پروردگار
بی نوائی، کامدت با اضطرار

یعنی آن مسکین که آوردست رو
با همه بدناش کیبی سوی تو

از گناه خود گریزان آمده
در خطای خود پشیمان آمده

ره پڑوهی را که خواهد راه تو
قصد او باشد همه درگاه تو

سوی درگاه تو باشد تیز گام
میکنی دورش چرا از راه کام

تشنه را باز می داری چرا؟
آنکه سوی حوض تو شد ره گرا

آب جویان آمده بر چشمه سار
تالب خود تر کند زان آبشار

زینهار! این حوض تو از پر ملال
پر بود هنگام قحط و خشک سال

باب تو مفتوح باشد جاودان
بر رخ خواننده و ناخواندگان

طالبان و هم طفیلی آشکار
بر در بکشاده ات یابند یار

هر که میخوانیش می آید بزود
وانکه ناخوانیش نیز آید فرود

این درت بر روی کس بر بسته نیست
خوانده و ناخوانده بود اینجا یکیست

از کمال جود تست این فتح باب
تا همه گردند از تو بهره باب

بخشش خود را تو زنجیر دراز
بر کشیدی ای خدای بی نیاز

خود نمی بندی درت بر روی ، بس
جز به رحمت می نه بینی سوی کس

لطف تو عامست هرگز نیست خاص
دور تر رفته ازین در اختصاص

بسته نبود برخ کس باب تو
هر کسی رخشان بود از تاب تو

ابر تو ریزد بهر دامن گهر
هر کسی را فیض تو آید ز در

ممسکی و بخل در تو یافت نیست
آنکه در هستی بود، بیه بهره کیست

غایت مامول و مسئول توئی
آخر مقصود و مامول توئی

این زمام نفس خود رای خدا
کرده ام بر بسته بند رضا

مرکب نفسم که ازیس سرکش است
هر زمان سر بر فلک چون آتش است

بارضایت کرده ام فرمان پذیر
تا بود در مجلس فرمان اسیر

هرچه ریزندش همه گیرد بسر
سرنه تابد از قضا و از قدر

هرچه پیش آیدش گیرنده شود
هرچه بدهندش پذیرنده شود

گر همه تلخی پذیرندش بکام
در کشد بکسر چنان کز شهد جام

خواهش خود را نماید بی نشان
خواهش تو پیش گیرد جاودان

از گناهم بود بس بار گران
رافت و رحم تو کردش بے نشان

بے نشانش کردم از الطاف تو
ساختم معدومش از اعطاف تو

وین هوای نفس من گمراه کن
از طریق راستی بی راه کن

سوی لطف و رافتت بسپردمش
سوی غفاری و عفویت بردمش

ای خدا! بر من بیار این بامداد
با فروغ راستگاری و شاد

وین سحر را کن تو ای پروردگار
از برای دین و دنیا پاسدار

کن تو این شام مرا بر من سپر
از مکائد های اعدا پر شرر

ده نجاتم از هوای نفس بد
زانکه هستی قادری بر نیک و بد

هر چه خواهی می کنی تو هر زمان
ای توانا تر، خدای مهربان!

هر کرا خواهی تو ملکی میدمی
تاج شاهی بر سرش هم می نهی

می ستانی باز ملک و مال را
انچه خواهی میکنی اموال را

هر کرا خواهی تو عزت میدهی
هر کرا خواهی تو ذلت میدهی

ای خدا! از دست خیر خود توئی
قادی بر جمله اشیا بس توئی

روز را در شب تو پنهان میکنی
هم توئی شب را بروزی آوری

زنده از مرده هویدا میکنی
مرده را از زنده پیدا میکنی

هر کرا خواهی تو روزی میدهی
بیش از اندازه مقدارش دهی

هر چه خواهد عفو تو خود آن کند
چاره آن جرم وان عصیان کند

برزداید هرچه کردم از گناه
برکرانم آرد از کار تباه

لطف تو نگذاردم در بند آزار
تا نامم بسته بند نیاز

جز تو معبودی نشد هستی گرا
بهر تو آوریم تسبیح و ثنا

مر ترا دایم ستایش گستریم
در ستایش ما نیایش آوریم

کیست آن، کودکانست حکم و توان
بس نیابد بیم تو او را بجان

کیست آن، کو آنچه هستی دانند
پس ز تو نا ترسد و ناخوانند

از توان تست تالیف الفرق
باشد از رحم تو یفلق الفلق

فرقه های مختلف یکجا کنی
صبح را از تارشب پیدا کنی

تارشب را ساختی رخشنده رخت
آب را کردی روان از سنگ سخت

آب را کردی دوگونه آشکار
یک بود شور و دگر شیرین گوار

از فشارنده که آن باشد سحاب
خود فرود آورده ریزنده آب

ساختی خورشید و ماه را آشکار
در جهان مثل چراغ نوربار

بی ازان که احتمال رنج و درد
ماندگی آید ترا از کار کرد

ای یگانه با همه عز و بقا!
بندگان را پست کردی از فنا

ای خدای پاک و ای رب ودود!
از فرازین برفرود آوردود

بر محمد مصطفیٰ و آل او
آن گزیده گوهران پاک خو

بشنو آوازم، پزیرا کن دعا
دشمنانم را گزین بهر فنا

از کرم امید من کن استوار
ایکه خواندت پی کشف ضرار

ای بعسرویسر مامل همه
وی ز توانجاح مسئل همه

حاجت خود پیش تو آورده ام
ناگزیدی بر تو عرضه کرده ام

پس بنا کامی نگردانم ز جود
از گزیده بخشش خود ای ودود!

ای دهمشور! ای دهمشور! مهربان
مهربان تراز همه رحمت کنان

ترجمہ دعای امام زین العابدین جو حضرت

بعد اس دعا کے پڑھتے تھے

یا الہی ! قلب من محبوب و تنگ
عقل من مغلوب و نفس من بترنگ

حرص من بودست بر من چہرہ دست
کثرت عصیان و طاعت اندک ست

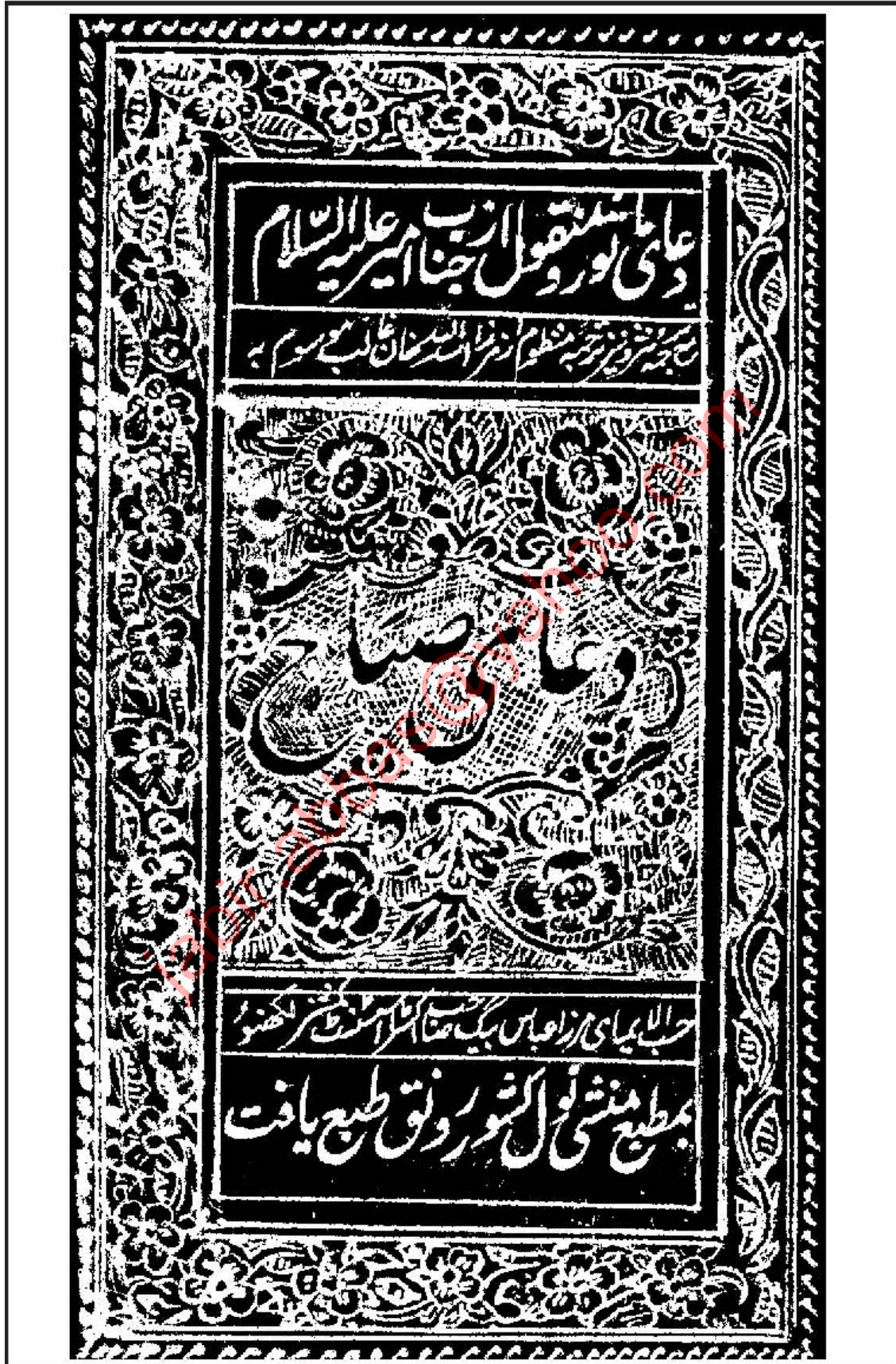
مترف آمد ز بانم در ذنوب
چست تدبیر من علام الغیوب

ای گنہ آمرز و ستار العیوب !
عفو کن از من بچھایم ذنوب

ای بہنگام عقوبت سخت گیر !
وی بحکم و مغفرت پوش پزیر

حاجت من بہر قرآن کن روا
وز برائے حضرت خیر الوری

ای خدا ! از آسمان آور فرود
بر نبی و آل اطہارش درودا



و آمیخت روشنی اخضر شید را القبر و غار زان کشیدن

چهره هر دو نشان بر فروخت

يَا مَنْ دَلَّ عَلَى ذَاتِهِ أَتَى تَتَرَعُّنَ عَنْ مُجَانَسَةِ خَلْقٍ قَاتِلٍ

در جهان بپیش هم حسن کیست
بپیش مخلوقی بدو هم حسن نیست

و برتر شد از مناسبت کیفیات خویش

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَالظُّلُمُوتُ نَارٌ وَلَعَنَ عَنْ

ایمانی که نزدیک شد از خطرات کمان باور دور شد از

[illegible]

مُلاحِظَةُ الْعُیُونِ	
دیدن	چشمان
بزرگی بخاطرِ ظنون	دورستی زویدارِ عیون
از دیدنِ آتشِ بریت	برگزانه از جہاتِ پیکرِ لیت
اور پس پیشِ است پیش	کردستی را محاطِ علمِ خویش
لَمْ يَمَّا كَانَ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ يَا مَنْ أَسْرَقَ قَدْرَهُ	
نتِ بر چہ شد پیشِ ازان کہ شود ای آنکہ خواہا منیدے مرا	
فِي مَهَادِ أَمْنِهِ وَأَمَانِهِ	
در گہوارہ ہائے امن و امانِ خویش	
پر عالمِ بہستی روم نمود	پیشِ از ہستی بعلمِ او کشود
کہ در گہوارہٴ امنِ امان	خوابِ در چشمِ من کردی نہان
نَظَنِي إِلَى مَا مَخَّيْتَنِي بِهِ مِنْ مِثْلِهِ أَصَافُهُ	
اگر دی مرا سوی آنچه بخشد مرا از دیش با و بخششِ ہای خودش	

خجیم من به بیداری کشاد	سوی احسان عطائی کو بداد
كَفَّ أَكْفَ السُّوءِ عَنِّي بَيْدًا وَسَلْطَانًا	
بیت دست بائے بدی را از من بدست خود و قدرت خودش	
تو بدست دست برزیاں	قدرت او از بدی دادم امان
سَلِّ اللَّهُ عَلَى الدَّلِيلِ إِلَيْكَ فِي الدَّلِيلِ لَا إِلَهَ	
رو دفترست ای خدا بر رہنمای سوی تو در شب تاریک تر	
برست ای داد و هستی درود	بر کسی کو سوی تو را ہم نمود
تو یک تر شد رہنما	سوی درگاه تو ای گیتی خدا
سَأَلُكَ مِنْ أَسْبَابِكَ بِحُجَّتِ الشَّرَفِ الْأَطْوَلِ	
زنده از سبب های تو بر سن بزرگی دراز تر	
بیا ای تو ای اب الاین	از شرف گیرنده حبل الوطن
تَأْصِيعَ الْحَسْبِ ذِمَّةَ الْكَاهِلِ الْأَعْلَى	
اص نصیبات در بلندی دوش سطر و کلان	
خروان گوهری منیره نژاد	آنکه بروش بلندی با نهاد

تَثَابِتِ الْقَدَمِ عَلَى نَحَائِيفِهَا فِي الرَّهْمِ الْأَوَّلِ

پای قدم بر نغزش گاه پای در روزگار اول

پای دیر جای نغز استوار	لله در خستین روزگار
------------------------	---------------------

لِي إِلَهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ لَا تَزَارِ الْمُصْطَفِينَ الْخِيَارَ

آن او که پاک و طاهر نیکوکاران برگزیده گان بهترانند

پاک دین و برگزیده طاهرانند	پیش که از نسل طاهرانند
----------------------------	------------------------

برگزیده گوهران پاک دین	پس آن ویزدان برگزین
------------------------	---------------------

بُحِّحَ اللَّهُمَّ لَنَا مَصَالِحَ الصَّبَاحِ بِمُفَاتِحِ السَّحَرِ وَالْفَلَاحِ

شای خدا بزر دروازه پای بامداد بکلید های رحمت و نیکوی

از برای بمفتاح الفلاح	خدا بکشامصالح الصبح
-----------------------	---------------------

برکشایم تا دورهای سحر	ای دادار گیتی دادگر
-----------------------	---------------------

پیر و سامان رحمت ساز کن	بید لطف و با باز کن
-------------------------	---------------------

يَسْتَبْنِي اللَّهُمَّ مِنْ أَفْضَلِ خَلْقِ الْهَدَايَةِ وَالصَّلَاحِ

پوشان مرا ای خدا از بهترین خلقت های هدایت و نیکی

در یرم پوشان مرا ای رب العباد	برین پیرایه رشد و سداد
-------------------------------	------------------------

عِزِّكَ اللَّهُمَّ لِعَظَمَتِكَ فِي شَرِّ جَنَانِي يُنَابِعُ الْخُشُوعِ

شان اسی خدا ب عظمت خود در انوار و ان من چشمه های نیاز

از روانم کن وانی عین الخشوع	شان برین نیابیع الخشوع
-----------------------------	------------------------

کن روان از چشم من آب نیاز	بگاه عظمت اسی بی نیاز
---------------------------	-----------------------

جِزَالِ اللَّهُمَّ بِهَيْبَتِكَ مِنْ أَمَانِي ذُرْفَاتِ الدُّمُوعِ

این گریه ای خدا از بیم خودت از گوشه چشم من ریزان اشک

از اشک های از گوشه چشمم بار	از بیم خودت اسی کردگار
-----------------------------	------------------------

وَبِاللَّهِمَّ تَرَقَّ الْحُوقِ مِنْنِي بِأَرْسَالِكَ تَالْقُنُوعِ

دیب کن ای خدا سبکی نادانی را از من بزامهای خشکیابی

از خشکیابی مرا تهذیب کن	بکی ناوانیم تادیب کن
-------------------------	----------------------

إِنْ لَمْ تَتَّخِذْ الرَّحْمَةَ مِنْكَ يَكُنِ التَّوْفِيقُ فَمَنْ

هوا اگر آغاز نگیری رحمت را از خودت به نیکو تو توفیق پس کیست

سَالِكُ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي أَوْضَحِ الطَّرِيقِ

راه را بسوی تو در کشاده ترین راه

باشد از تو آغاز کرم	در نه توفیق تو باشد بهرم
---------------------	--------------------------

همیار درون من سوی تو	در کشاده تر ره می در گوی تو
----------------------	-----------------------------

بِنَاسِئَتِي أَنَا ذِكْرُ لِقَائِكَ لَا مَكِيلَ وَالْمُنَا

بسیار در احلم تو برای من کشنده امید و آرزو را

بِالْمُقْبِلِ عَشْرَ أَتَى مِنْ كِبَابَاتِ الْهَوَى

با کیمیت آمدن ده لغزیز نهایی مرا از اشتادان هوس

در احلم تو بسیار دلب آرز	بر کشد بخیره حرص ام در آرز
--------------------------	----------------------------

و نیامد نو گناهم ای خدا	سرگون افتادان من در هوا
-------------------------	-------------------------

إِنْ حَدَّثَنِي نَصْرُكَ عِنْدَ حَارِبَةِ النَّفْسِ الشَّيْطَانِ

اگر بگزارد مرا یاری تو هنگام جنگ نفس و شیطان

لَقَدْ وَكَلَنِي خِذْلًا لَّأَنكَ إِلَى حَيْثُ النَّصَبِ وَالْحَرَمَانِ

مهر آئند بسیار در گذشتن تو سوی مکان رنج و ناکامی

تو گر مرا سیاه معین	گاه جنگ نفقش شیطان لعین
---------------------	-------------------------

پیش خذلان بجرانم کشد	در بزم رنج و تعب جانم کشد
----------------------	---------------------------

لَقَدْ أَتَرَانِي مَا أَتَيْتُكَ الْأَمْسَ حَيْثُ الْأَمَالِ

خدا آید به منی مرا که شام ترا گریه امید

وَعَلَقْتُ بِأَطْرَافِ حَبَالِكَ الْأَحْيَنَ بَاعِدَتْنِي

پیوستم بسوی سنی های تو گریه گامی که دور کرد مرا

ذَنُوبِي عَنْ دَارِ الْوَصَالِ

گناهان من از خانه وصال

ترا می بینی ای هستی خدا	کادم سویت با امید ورجا
-------------------------	------------------------

پیوستم باطراف الحبال	چون گناه گندم از وصال
----------------------	-----------------------

نابودی در شدم از بارگاه	ز آنکه چیره شد بدم است گناه
-------------------------	-----------------------------

مُسَّ الْمَطِيعَةِ الَّتِي امْطَعَتْ نَفْسِي مِنْ هَوَاهَا

مید مرکوبی که بسواری اش برگزید نفس من از حرص آن

ت مرکوبی که نفس من آن از هوا و حرص شد دایم روان

يَا هَالِمَا سَوَّيْتُ لَهَا ظَنُّهُ نَفْسًا وَمِنَا هَا

ا ای بهر آن نفس ز بهر آنچه ارستی نمود از بهر و گمان بای آرزوهای آن

از تسویای نفس زد و ظنون کان بود از آرزوهای و ظنون

این خواهش کز و بر خاسته آرزوهای آردش آراسته

ن کامی بهر پوشش برد نزش خواهش با بهر سو گسترده

رازی با کشد طول امل تا بدوری افتد از حسن عمل

يَا أَيُّهَا جَنَّ أَتَقَا عَلَى سَيِّدِهَا وَمَوْلَاهَا

ای ای بهر او سبب جرات او بر سر و ر خود و مالک خود ش

ناتان نفس فرمان ناپذیر گو بود پیش خند از بدش دیر

فَيْسَلُ الْمَصِيئَةَ الَّتِي أَمَّصَتْ لَفْسِي مِنْ هَوَاهَا	
پس بد مرکوبی کہ بسواری اش برگزید نفس من از حرص آن	
زشت مرکوبی کہ نفس من آن	از هواد حرص شد اتم روان
فَوَاهَا لَهَا سَوَكْتُ لَهَا ظُنُّهُ فَمَا وَمِنَا هَا	
پس او از بهر آن نفس از بهر آنچه ارستی نمود از بهر و گمان بای آرزوهای آن	
و او از سوی نفس و دمنون	کان بود از آرزوهای و ظنون
بآه زان خواهش کز و غراست	آرزوهای آردش آراسته
هر مان کامی بهر سوش برود	فرش خواهش با بهر سو گسترود
برد رازی با کشد طول امل	تا بدوری افتد از حسن عمل
وَبِأَلْهَا جَبْرًا أَيْ عَلَى سَيِّدَاتِهَا وَمَوْلَاهَا	
و بدستی از بهر او سبب جرات او بر سر و خود مالک خودش	
نیست و آن نفس فرمان ناپذیر	گو بود پیش خد از بدش دلیر

تو گناهی و عصیان کنده | کشتی از طاعت نیروان کنده

هَمَّيْ قَرَعْتُ بِأَبْ حَمَتِكَ بِيَدِ رَجَائِي

ما خدا کو منت من در رحمت ترا بدست امید خودم

ا خداوند من از دست رجاء | گو فتم در وازه رسم ترا

هَمَّيْتُ إِلَيْكَ لَأَجِئًا مِنْ فَرْطِ أَهْوَائِي

بر ختم بسوئے تو مضطر از سنو فی خواہش های خودم

یئی تو بگر ختم با اضطرار | از وفور خواہش نا استوار

عَلَّقْتُ بِأَطْرَافِ حَبَالِكَ أَنَا مَلِكٌ وَلَا بِي

پیوستم بسوهای رسن های تو عمر انگشتان دلائی خود

سن های تو ای گیتی خدا | باز پیوستم سر انگشت دلا

صَلِّحِ اللَّهُمَّ عَمَّا كَانَ أَجْرَهُ مِنْ ذُنُوبِي وَخَطَايِي

ما سر و گردان ای خدا از آنچه گناه کردمش از نذرش من خطای من

ا خدا از من ای رب الهوا | هر چه کردم از گناه و از خطا

وَأَعْلِنِي اللَّهُمَّ مِنْ صَوْعَةٍ رَدَّاعِي فَإِنَّكَ سَيِّدِي

وہمان دارم ای خدا از افتادن ہلاکی من پس ہر آنکہ توئی سردار من

وَمَوْلَايَ وَمُعْتَدِي وَرَجَائِي وَغَايَةِ مَنَائِي فِي

و مالک من و محل استواری من و امید من و پایان آرزوہای من و

مُشَقَّلِي وَمَشْوَايَ

مکھوکن و افتادن من و در بلای من و غایت ہر خواہش و مقصود من

و در زمان ہر کجی اگر دیدم

و در گذار از من توای پروردگار

و باز در ہر چہ زاید زان عنای

و غایت ہر خواہش و مقصود من

و نیز در نہنگام آرا میدنم

إِلَهِي كَيْفَ نَظَرْتُ مُسَكِّتِكَ التَّجَا إِلَيْكَ

ایہ خدای من چگونه میرانے ناداری را کہ التجا آمد سوی تو

مِنَ الذُّنُوبِ هَاسِرًا

از گناہان گریزان

خوچه سان میرنی ای پر درگاه	بنیوای کامرت با اضطرار
یعنی آن مسکین که آورد دست و	با همه صعدنا شکبسی سوی تو
از گناه خود گریزان آمده	وز خطای خود پشیمان آمده
اَمْ كَيْفَ تَحْتَاطُ مُسْتَرْشِدًا اقْصِدْ اِلَىٰ اِنْجَارِكَ سَاعِيًا	
آیا چگونه نقصا میرانی طالب نهائی سا که قصد کرد سوی درگاه تو سعی نموده	
ره پرده پی که خواهد راه تو	قصد او باشد همه درگاه تو
سوی درگاه تو باشد نیز گام	میکنی درش چرا از راه گام
اَمْ كَيْفَ تَرُدُّ ظُلُمًا وَّ رَحِيًّا ضَلَّ سَابِغًا	
چه سان باز گردانی تشنه را که دارد شد سوی حوض های تو نوشده	
تشنه را باز نمیداری چرا	آنکه سوی حوض تو شده گرا
آب جوین آمده بر چشمه سار	مالبغی دتر کنندان آبشار

۱۳

كَلَّا وَحَاضِلٌ مُتَرَعِّدٌ فِي ضَلَالِ الْحَوْلِ

چنین نیست در ص های تو پیراند در تنگی قحط سال

زینهار این قحط تو پیر از زلال
پیرود منگام قحط و خشک سال

وَبَابُكَ مَفْتُوحٌ لِلطَّلَبِ الْوَعْدِ

دور تو گشاده بود از بهر طالبان و دعوت ناخواندگان

باب تو مفتوح باشد جادوان
بر رخ خواهند و ناخواندگان

طالبان هم طفیلی آشکار
بر در گشاده ات پابند بار

هرگز اینچنانش می آید بزود
و آنکه ناخواشش نیز آید فرود

این رت بروی کس بر بسته نیست
خوانده و ناخوانده جود اینجائی است

از کمال جودتست این فتح یاب
تا همه گردد از تو بهره یاب

بخشش خود اتوزنجیر دراز
هر کشیدی ای خدای بی نیاز

خودنی بندی اوت بروی کس	بزرگت می نه منی سوی کس
لطف تو عامست برگزینیت خاص	دورتر رفته ازین درختصاص
لبته بود برخ کس باب تو	بهری نشان بود از تاب تو
ابر تو یزد پیرد امی گسر	بهری امیض تو آید ز در
ممکی بخیل تو یافت نیست	آنکه درستی بود بی بهر کلیت

وَأَنْتَ غَايَةُ الْمَسْئُولِ وَلِهَآيَةِ الْمَأْمُولِ

و توئی پایان خواسته و انجام آرزوینده

غایت مامول و مومل توئی	آخر مقصود و مامول توئی
------------------------	------------------------

إِلَهِي هَٰذَا أَمْرٌ نَفْسِي عَقَلْتُهَا بِحَقِّكَ أَشِيَّتُكَ

ای خدای من این زمام های نفس خود را بر بتمش به بند خواش تو

این مام نفس خود را ای خدا	کرده ام بر بسته بند رضا
---------------------------	-------------------------

هر نفسم که از بس سرکش است	هر زمان سر ز فلک آن آتش است
بار صایت که دهام فرمان پذیر	تا بود در محسن فرمان اسیر
هر چه در بندش بود گیر و بسر	سر تا بد از قضا و از قدر
هر چه پیش آیدش گیرنده شود	هر چه بد بندش پذیرنده شود
گر همه تلخی پذیردش بکام	در کشد بحیر چنان که شهید بام
خواهش خود را نماید بی نشان	خواهش تو پیش گیر جاودان

وَهَذِهِ أَعْيَاءُ ذُنُوبِي دَرَأْتُهَا بَرَأْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ

داین بار گناهان من دور کردم بر بار باری تو و رحمت تو

از گناهانم بود بس بار گران	رافت رحم تو کردش بی نشان
بی نشانش کردم از الطاف تو	ختم معدوش از اعطاف تو

وَهَذَا أَهْوَاؤِي الْمُضَلَّةُ وَكَلَّمْتُهَا إِلَى جَنَابِ لُطْفِكَ

و این خواهر من را به سوی گمراه کن من سیر و مش سوی بارگاه لطف تو

وَسَرَّافَتِكَ وَعَفْوِكَ

درافت تبه و عفو تو

و این بهوای نفس من گمراه کن

سوی لطف و رافت و عفو تو

سوی غفاری و عفو تو

فَاجْعَلِ اللَّهُمَّ صَبَاحِي هَذَا نَازِلًا عَلَيَّ بِضِيَاءِ

الْهُدَى وَسَلَامَةٍ فِي الدِّينِ وَالْدُّنْيَا

راستی و سلامتی در دین و دنیا

ای خدا بر من بیا این بامداد

بافروغ و استغاری و رخداد

و این سحر را کن ای پروردگار

وَمَسَائِي جُتَّةً مِنْ كَيْدِ الْأَعْدَاءِ وَقَايَةً

وَكُنْ أَيْنَ شَامٍ مِرَاسِیْرٍ مِنْ غَرِيبِ الدُّشْمَانِ وَبِاسْمِ

<p>مِنْ مَّزْدِيَّاتِ الْهَوَىٰ از مہلکاتِ خواہشِ نفسانی</p>	
<p>شاد گاہم را بکن بہر کم سپہ</p>	<p>از فریبِ شمنانِ کینہ و در</p>
<p>نیز آن شام مرا کن پاسدار</p>	<p>از عہودِ مہلکاتِ روزگار</p>
<p>إِنَّكَ قَادِرٌ عَلَىٰ مَا تَشَاءُ تَوْعِدُنِي الْمَلِكُ مَنْ تَشَاءُ</p>	
<p>ہر آئندہ تو قادرستی بر ہرچہ میخواہی میدہی ملک از ہر کہ را می خواہی</p>	
<p>باشد بر ہرچہ میخواہی تو آن</p>	<p>ہر کہ را خواہی دہی ملک جہاں</p>
<p>وَتَنْزِعُ الْمَلِكُ مِنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَ</p>	
<p>دہی ستانی ملک از ہر کہ میخواہی و عزت میدہی ہر کہ را میخواہی و</p>	
<p>تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ</p>	
<p>ذلت میدہی ہر کہ را می خواہی</p>	
<p>ملک خود را باز بستائے ہمیں</p>	<p>از کسی اش خواہش کن و چون چنین</p>
<p>ہر کہ را خواہی تو عزت میدہی</p>	<p>ہر کہ را خواہی تو ذلت میدہی</p>

بَيِّنْكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ		
در دست است خوبی هر آنکه توانی بر هر چیز توانا		
نیکی و خوبی همه در دست است	هر چه باشد سستی اش پابست	
بر همه سستی توانائی تر است	دیگری را این توانائی کجاست	
تَوَلَّجَ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّجَ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ		
داخل میکنی شب را در روز و داخل میکنی روز را در شب		
شب و روز می آری بهمین	باز روز آری زون شب چنین	
وَتَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتَخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ		
و می آری زنده را از مرده و اخراج می نمائی مرده را از زنده		
تو بر آری زنده را از مرده تن	می بر آری مرده از زنده بدن	
خون زخم و جسم از آب خون	از توان خود سبی آری برون	
برینده از مرغ و مرغ از بیضا	می بر آری تا شوی سستی گرا	

یاز ناد الی خدا را ناشناس	عالی نیردان ستاؤ با بیاس
---------------------------	--------------------------

باز از ناداناتو نادان آوری	کو بدر دری اقتدار دانشوری
----------------------------	---------------------------

وَسِّرْ شَرْقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

در روزی دہی ہر کرامی خواہے بدون شمار

ہر کرامی تو روزی میدہی	بیش از انداز و مقدارش میدہی
------------------------	-----------------------------

ہر چہ خواہد عفو تو خود آن کند	چاہد آن حرم و آن عصیان کند
-------------------------------	----------------------------

ہرزداید ہر چہ کردم از گناہ	ہر کرامم آرد از کار تباه
----------------------------	--------------------------

لطف تو نگذارم در بنداز	تا نام بستہ بند نیاز
------------------------	----------------------

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ

خداے نباشد جز تو بیستیم کنیم ترا بخند و تحمید میکنم بحد تو

جز تو محبوبی نشدستی گرام	ہر تو آریم تسبیح و ثنا
--------------------------	------------------------

مترادواکم تائیش گستریم	در تائیش با این تائیش اوریم
------------------------	-----------------------------

مَنْ ذَا الْعِلْمِ قَدْ رَزَقَكَ فَلَا يُخَافُكَ وَمَنْ ذَا الْعِلْمِ

کینیت آنکه داند قدرت ترا پس نه ترسد ترا و کیت آنکه داند

مَا أَذَتْ فَلَا يُحَاجُّكَ

آنچه هستی پس نه ترسد از تو

کیت آن که داندت حکم و توان	پس نیاید بیم تو او را بجان
----------------------------	----------------------------

کیت آن که آنچه هستی داندت	پس تو نا ترسد نا خواندت
---------------------------	-------------------------

أَلَمْ تَرَ بِقُدْرَتِكَ الْفَرْقَ وَفَلَقْتَ بِحُكْمِكَ الْفَلَقَ

متفق کردی بقدرت خودت فرقه را و شکافتی بحکم خودت سیّد سحر را

از توان هستت تالیف الفرق	باشد از حرم تو لیلیق افلق
--------------------------	---------------------------

فرقه های مختلف یک جا کنی	صبح از تار شب پیدا کنی
--------------------------	------------------------

وَنَوَّذْتَ بِكِسْمِكَ دِيَا حَيَّ الْفَسَقَ وَأَفْهَمْتَ

دور نشانیدی بکرم خودت تاریکیهای شب را و روان کردی

الْمِيَاهُ مِنَ الصَّيْحَانِ عَذْبًا وَّاجْبًا

آبیار از سنگ سخت	و شیرین و شور
تا وقت سستی رفته است	آب اگر دمی روان از سنگ سخت
آب اگر دمی دو کونده آشکار	یک بود شور و دیگر شیرین گوار

وَأَنْزَلَتْ مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا

دفعه دوم آورده از فشارنده	آب میزندگان
از فشارنده که آن باشد سحاب	خود فرو آورده می ریزد آب

وَجَعَلَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لِلْبَرِيَّةِ سِرَاجًا وَهَاجًا

و ساقی خورشید و ماه را از بهر خلق چراغ	و خشناب
ساقی خورشید را آشکار	در جهان مثل چراغ نور بار

مِنْ غَيْرِ أَنْ تَمُوتَ فَمَا ابْتَدَأَتْ بِهَا بَأْسًا وَلَا عِلَاجًا

بی آنکه درستی و پیشگی و در سه در نیجه آغاز کردی نرا در نیجه در نیجه کشیدن	
بی ازان که احتمال بخورد	ماندگی آید از کار کرد

۲۳

تَبَا مِنْ تَوَحَّدَ بِالْعَزِّ وَالْبَقَاءِ وَتَهَرَّ عِبَادُ بِالْمَوْتِ الْفَنَاءِ	
ای آنکه یگانه شدی بجزت دوم و قهرز دست کردی بندگان خود را بمرگ و سستی	
ای یگانه با هر عجز و بقا	بندگان ایست کردی از فنا
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَالْأَقْبِيَاءِ	
درود بفرست بر محمد و آل او نه بر هیچ کس را	
ای خدای پاک ای رب دوم	از خواندن بر فرو و آورد درود
وَاسْتَجِبْ عَائِي وَاسْمِعْ نِدَائِي وَاهْلِكْ أَعْدَائِي	
و پذیرا کن دعای مرا و بشنود آواز مرا و بکش دشمنان مرا	
بشنو آواز من پذیرا کن دعا	دشمنانم را بکشد بهر فنا
وَحَقِّقْ بِفَضْلِكَ أَمَلِي وَرَحِّبْ لِي يَا خَيْرَ مَنْ دُعِيَ	
در است کن به فضل خودت امید مرا و توقع مرا ای بهترین آنکه خوانده شد	
إِلَيْهِ لِكَشْفِ الضَّرِّ	
از بهر دفع ضرر	
از کرم امید من کن استوار	ای خوانندت بی کشف ضرر

بسم الله الرحمن الرحيم

وَالْمَأْمُولِ لِكُلِّ عُسْرٍ يُسِّرُ بِكَ أَنْزَلْتُ حَاجَتَهُ	
وامیدوارستہ ہر شے کے لیے ہر تنواری و آسانی بتوفیق آوردم حاجت خود	
فَلَا تُرَدُّنِي يَا سَيِّدِي مِنْ سَيِّئِ مَوَاهِبِكَ خَائِبًا	
پس مگردان مرا سے سردار من از گزیده بخشش های خودت نا کام	
يَا كَرِيمُ يَا كَرِيمُ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ	
اے دہشورای دہشور برحمت خودای مہربان ترین مہربانان	
ای العسر لیسر ما مئول ہمہ	وی ز تو انجناح مسئول ہمہ
حاجت خود پیش تو آورده ام	ناگزیری بر تو عرضہ کردہ ام
پس نا کامی نگرد انم ز جود	از گزیدہ بخشش خودای و دود
ای دہشورای دہشور مہربان	مہربان تر از ہمہ رحمت کنان
اَوْ جَنَابِ اِمَامِ زَيْنِ الْعَابِدِينَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ	
روایت ہے کہ بعد پڑھنی اس کے سجدے میں یہ دعا پڑھے	

إِلٰهِي قَلْبِي مُجْرِبٌ وَعَقْلِي مَغْلُوبٌ وَنَفْسِي مَعْيُوبٌ

ای خدا ای من دل من در محالبت و خرد من در مانده و نفس من عیب ناک

یا ایلٰهٰی قلب من مجرب تنگ | عقل من مغلوب و نفس من تنگ

وَهَوَائِي غَالِبٌ وَطَاعَتِي قَلِيلٌ وَمَعْصِيَتِي كَثِيرٌ

و خواہش من غالب است و عبادت من اندک و گناه من بسیار

حرص من بود ابر من چیر دست | کثرت عصیا و طاعت اندک است

وَلِسَانِي مُقَرَّرٌ بِالذُّنُوبِ فَكَيْفَ حَلَّتْ بِيَاعْلَامُ الْغُيُوبِ

و زبان من اقرار کننده بگناهان پس چگونه است بر من ای بسیار دانگنها

مستغرق آمد ز یانم در ذنوب | چیست تدبیر من علام الغیوب

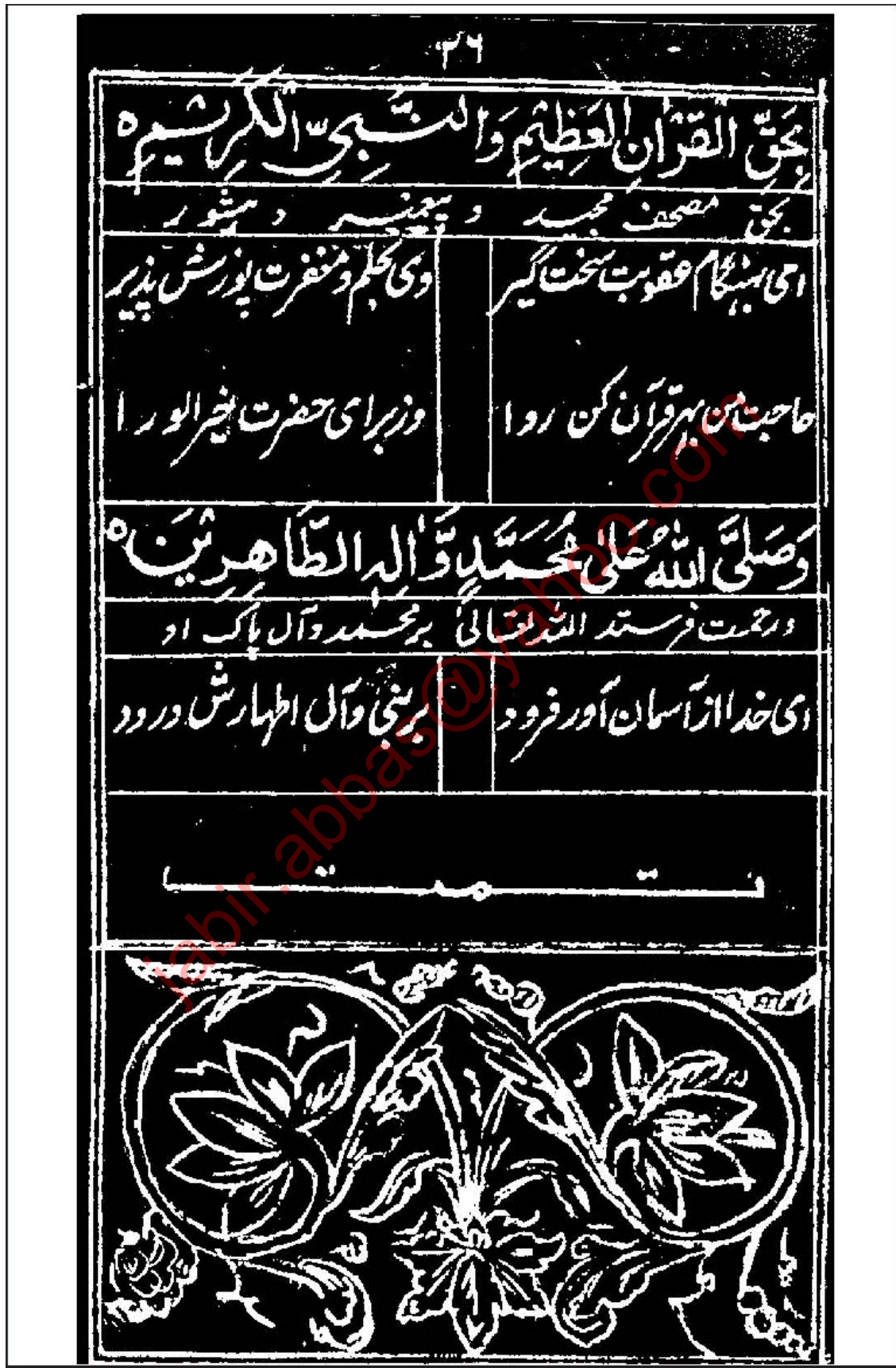
فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي يَا غَفَّارَ الذُّنُوبِ يَا سِتَارَ الْغُيُوبِ

پس بیا مرا ز این گناهان من ای بسیار آمرزنده گناهان و ای بسیار پوشنده عیب ها

ای گداز آمرز و ستار الغیوب | عفو کن از من بخشایم ذنوب

يَا شَدِيدَ الْعِقَابِ يَا غَفُورَ يَا حَلِيمٌ أَقْصِ حَاجَتِي

ای سخت عذاب ای بخشنده ای بردبار روا کن حاجت من



مرزا غالب کا سلام اور مرثیہ

نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ اسد اللہ خان غالب کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ ندرت خیال کے مرکز رنگینی بیان کے محور اور غزل کے غالب کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد نے سچ ہی کہا تھا کہ میرا نہیں کے مرثی اور غالب کی غزلیات، اردو ادب کی جانب سے دنیائے ادب کو تحفہ تصور کی جائیں۔ جس طرح مرثیہ گوئی کے آفتاب میرا نہیں کی ہمارے پاس صرف تین غزلیں موجود ہیں، اسی طرح غزل کے شہنشاہ غالب کا صرف ایک تین بند کا مرثیہ اور ایک سلام ہمارے اردو رٹائی ادب کا جزو ہے۔ جس سے بہت سے لوگ بے خبر ہیں۔ اگرچہ غالب کے فارسی اور اردو دیوان میں مشققتی اشعار، اہل بیت اکرام اور اماموں کی شان میں موجود ہیں اور ان کے فارسی اور اردو دواوین میں شامل ہیں جو ان کی زندگی میں شائع ہوئے ہیں۔

مولانا حالی نے ”یادگار غالب“ میں لکھا ہے کہ ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مرحوم و مغفور نے مرزا سے اس بات کی خواہش کی کہ اردو میں جناب سید الشہداء کا مرثیہ لکھیں چونکہ مرزا ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ان کے سوال کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے، ان کے حکم کی تعمیل کے لئے مرثیہ لکھنے بیٹھے۔ چونکہ اس کوچے میں کبھی قدم نہ رکھا تھا اور فرمائش ایسی چیز کی ہوئی تھی جس کو اور لوگ حد کمال تک پہنچا چکے تھے اور قویٰ میں انحطاط شروع ہو گیا تھا۔ مشکل سے مسدس کے تین بند لکھے اور یہ کہہ کر رک گئے کہ یہ مرزا دبیر کا میدان ہے، ہم سے تو اس میں چلا نہ گیا، بس تین بند ہی کہہ سکے۔

(نوٹ: حالی نے اس مرثیہ کو غالب کے بڑھاپے کی تصنیف بتایا ہے جبکہ کلکتہ کے سفر کے دوران لکھنؤ میں غالب نے یہ چند بند میرا نہیں اور مرزا دبیر کو سنائے اور اُس وقت غالب کی عمر مشکل سے تیس (30) سال تھی)۔
مرزا غالب کا یہ واحد اردو مرثیہ، جو مسدس ہیئت میں لکھا گیا ہے، صرف تین بند، یعنی ۹ اشعار پر مشتمل ہے، جو شوکت القاف، ندرت خیال اور آہنگ غم و اندوہ کا ترجمان ہے۔

مطلع مرثیہ = ہاں! اے نفس با وسوسہ! شعلہ فشاں ہو

مطلع سلام = سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اُس کو

فروغ اردو کے غالب نمبر نومبر 1968 میں لکھا ہے کہ ”غالب کی انیس سے ملاقات ہوئی اور غالب نے اُن سے کسی غزل کی فرمائش کی تو انھوں نے غزل کے بجائے ایک سلام سنایا اور کہا کہ آپ جو بابا اپنا کوئی مرثیہ

سُناے۔ غالب نے اپنے کہے ہوئے مرثیہ۔ع۔ ہاں! اے نفسِ بادیہ شعلہ فشاں ہو کے تین بندائیس کو سُنا کر یہ بھی کہہ دیا کہ ”مرثیہ کہنا تو آپ ہی کا حق ہے“۔ تذکرہ جلوہ خضر جلد اول میں ایک روایت کے بموجب مرزا غالب لکھنؤ میں مرزا دبیر سے بھی ملے تھے۔ غالب نے دبیر کی فرمائش پر اپنا کہا ہوا ایک مرثیہ سُنا یا تو ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ”ع۔ یہ مرثیہ ہے کا ہے کوہِ اسوخت ہو گیا۔ حضرت! یہ حق تو آپ کا ہی ہے۔ دوسرا اس کو چہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔“ محققین نے بتایا ہے کہ انیس اور غالب بخوبی ایک دوسرے کے کلام سے واقف تھے اور دونوں اپنے اپنے میدان کے شہسوار تھے، چنانچہ اسی لئے جب مرزا غالب کے انتقال کی اطلاع میر انیس کو پہنچی، تو آپ نے اپنے جذبات کی عکاسی ان اشعار میں کی :

گلزارِ	جہاں	سے	باغِ	جنت	میں	گئے
مرحوم	ہوئے	جوارِ	رحمت	میں	گئے	
مداح	علی	کا	مرتبہ	اعلیٰ	ہے	
غالب	اسد اللہ	کی	خدمت	میں	گئے	

یہ اشعار غالب کے عقائد کو سمجھنے کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کے چار عظیم شعرا: میر تقی میر، مرزا غالب، میر انیس اور علامہ اقبال عشقِ محمد عشقِ علی اور عشقِ اہلبیتِ اکرام میں سر مست تھے اور یہی احساسات اور جذبات ان کے اشعار کی مینا سے سہ تہ کی طرح ابل رہے تھے، اسی لئے مرزا غالب نے نوجوانی کے عالم میں کسی غزل میں فرمایا تھا :

غالب	اندیم	دوست	سے	آتی	ہے	بوسے	دوست
مشغول	حق	ہوں	بندگی	بوتراب	میں		

کسی اور موقع پر کہتے ہیں :

غم	شہر	سے	سینہ	ہو	یہاں	تک	لبریز
کہ	رہیں	خونِ	جگر	سے	مری	آنکھیں	رتھیں

اس گفتگو کے اختتام پر چند غالب کے اشعار، جو مشقِ ازخمن ہیں پیش کئے جا رہے ہیں :

مشکیں	لباس	کعبہ	علی	کے	قدم	سے	جاں
ناف	زمین	ہے	نہ	کہ	ناف	غزال	ہے

بہت سہی غم ، گیتی شراب کم کیا ہے
غلام ساقی کوثر ہوں ، مجھ کو غم کیا ہے

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں
کسی کتاب کی تاریخ میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
باامید سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چہارہ معصوم
جن سے ہے چشم و جاں کو زیبائی
اور بارہ امام ہیں بارہ
جن سے ایمان کو ہے توانائی
ان کو غالب یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی

خدا کرے کہ ہر سال تمام مسلمین جہان کے لئے اچھا رہے۔

☆.....☆.....☆

مرثیہ

ہاں ، اے نفسِ بادِ سحر ! شعلہ فشاں ہو
اے دجلہ خوں ! چشمِ ملائک سے رواں ہو
اے زمرہ قم ! لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو
اے ماتمیانِ شبِ مظلوم ! کہاں ہو
بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو
ماتم میں شبِ دین کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے محابا نہیں ہم کو
گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگہ نہ پایہ جو مدت سے پچا ہے
کیا خیمہ شہر سے رتبہ میں سوا ہے!

کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا
کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا
کیسا فلک اور مہر جہانتاب کہاں کا!
ہوگا دل بیتاب کسی سوختہ جاں کا
اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رو سے کہو برق نہیں ہے

سلام

سلام اُسے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اُس کو

نہ بادشاہ نہ سلطان یہ کیا ستائش ہے
کہو کہ خامسِ آلِ عبا کہیں اُس کو

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی؟
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو

خدا کا بندہ خداوندگار بندوں کا
اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اُس کو؟

فروغِ جہرِ ایماں حسینِ ابنِ علی
کہ شمعِ انجمنِ کبریا کہیں اُس کو

کفیلِ بخششِ اُمت ہے بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اُس کو

مسحِ جس سے کرے اخِ فیضِ جاں بخشی
ستم ہے لوثِ تیغِ جفا کہیں اُس کو

وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلسیل سبیل
شہید تشہ لب کربلا کہیں اُس کو

عدو کی سمع رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جن و اُس و ملک سب بجا کہیں اُس کو

بہت ہے پایہ گرد رہ حسین بلند
بقدر فہم ہے گر کیا کہیں اُس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرہ خاک
کہ نوک جوہر تیغ قضا کہیں اُس کو

ہمارے درد کی یارب ! کہیں دوا نہ ملے
اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو

ہمارا منہ ہے کہ دیں اُس کے حُسن صبر کی دادا
مگر نبی و علی مرجا کہیں اُس کو

زامِ ناقہ کف اُس کے میں ہے کہ اہل یقین
پس از حسین علی پیشوا کہیں اُس کو

وہ ریگ تفتہ وادی پہ گام فرسا ہے
کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں
علی سے آکے لڑے اور خطا کہیں اُس کو

یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
مرا نہ مانے مگر ہم مرا کہیں اُس کو

علی کے بعد حسن اور حسن کے بعد حسین
کرے جو اُن سے برائی بھلا کہیں اُس کو؟

نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقادِ کافر ہے
رکھے امام سے جو بخش کیا کہیں اُس کو

بھرا ہے غالبِ دل خستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اُس کو

غالب کے نوحہ

شاعری کی قدم ترین صنف نوحہ ہے۔ جب قائل نے ہائیل کو قتل کیا تو حضرت آدمؑ اور حضرت ہوا کے بین نوحہ کی ابتدا تھی اور پھر رفتہ رفتہ نوحہ دنیا کی ہر زبان اور دنیا کے ہر مقام پر پہنچ گیا جہاں موت پہنچ سکتی تھی۔ عربی ادبیات میں حضرت آدمؑ سے منسوب شعر سریانی زبان میں نوحے کی زبان میں ملتا ہے۔ سرچشم جان فریز را پنی کتاب گولڈن باؤ میں لکھتے ہیں۔ ”جب Isis اپنی بہن کے ساتھ جا کر اپنے شوہر Osiris کی لاش کے قریب بیٹھ گئی اور مسلسل نوحہ و بین کرنے لگی تو لوگ اس سے متاثر ہوئے چنانچہ یہ نوحہ و بین کے اشعار ایک عام رسم کی صورت میں ہر مرنے والے پر پڑھے جانے لگے۔ یعنی تقریباً چار (4) ہزار سال قبل مسیح نوحہ مقبول ہو چکا تھا۔ قدیم یونان میں ”سزموس“ ساتویں صدی قبل مسیح، ہندوستان میں سنسکرت کا شاعر ”امارو“ چوتھی صدی قبل مسیح، روم میں ”کیوش“ پہلی صدی قبل مسیح کے شاعر نے بھی نوحے لکھے وہ اُس دور میں بے پناہ مقبول ہوئے اور اسی طرح بعد مسیح بھی دنیا کے مختلف حصوں میں معروف نوحہ نگار شعرا پیدا ہوئے اور درودِ دل کے نغمے سناتے رہے۔ جہاں تک اُردو شاعری کا تعلق ہے نوحہ بھی دکن کی سرزمین سے نکلا اور جلد ہی شمالی، شرقی اور غربی برصغیر ہند میں پھیل گیا۔ نوحہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی رونا پیننا، بین کرنا، اور چلا کر مرنے والے پر رونے، کے ہیں۔ اصطلاح میں نوحہ امام حسینؑ یا شہدائے کربلا کے مصائب نظم کو کہتے ہیں۔ مہذب اللغات کے مؤلف جناب مہذب لکھنوی نے اس میں دو شرطیں بڑھادی ہیں کہ ایک ہی شہید کے حال میں ہو اور کسی ایک کی زبان میں ہو۔ بہر حال نوحوں کی بیاضوں سے آخر الذکر شرایط کی تائید نہیں کی جاسکتی ہے۔

اُردو نعتیہ مضامین میں حضرت فاطمہ زہراؑ سے منسوب ایک نعت کی نشان دہی کی جاتی ہے جب کہ ”فصول المحمہ“ میں ابن صباغ نے اسے نوحہ لکھا ہے اور اس کے موضوع اور مطالب نوحہ کے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس نوحہ کا ایک معروف شعر ہے۔

صبت علی مصائب لوانہا صبت علی الایام عدن لیا لیا

نوحہ پر تحقیقی کام مفقود ہے اسے ایک رونا رولانے کی چیز کہہ کر بہت کم توجہ کی گئی خود مشاہیر مرثیہ نگاروں نے جہاں رباعی اور سلام کو نیا زرخ دیا بہت کم نوحے تصنیف کئے اور اسی لئے عموماً مکئی نوحوں کا رواج برصغیر میں عام تھا اور وہ بھی زنانی مجالس یا جلوسوں کی حد تک۔ بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ غالب

نے فارسی میں پانچ نوے بھی لکھے ہیں۔ غالب کا اردو میں ایک سلام اور ایک تین بند کا مرثیہ موجود ہے جس سے کبھی واقف ہیں۔ غالب کے یہ پانچوں نوے مکی نوحوں کی صف میں شمار ہوتے ہوئے بھی ظلم و ستم، استعبداد و حق فراموشی، باطل اور ظلمت کے خلاف ایک اہم دستاویز معلوم ہوتے ہیں۔

غالب کے نوحوں میں قادر الکلامی اور معجز بیانی ہے جو غالب کا منفرد انداز ہے۔ نوحوں کے اشعار میں بلا کا سوز و گداز ہے جو پڑھنے اور سننے والے کو درد و احساس کا اسیر کر دیتی ہے اور نشتر کو تیز تر کر کے احساس کے قلب میں اتار دیتی ہے ان نوحوں پر اجمالی گفتگو سے قبل ہم ذیل کی جدول میں نوحوں کے مطلع اور مقطع اور تعداد شعر کی تفصیل پیش کر رہے ہیں :

نوحوں کی جدول

نمبر	تعداد شعر	مطلع	مقطع
1	12	ای کج اندیشہ فلک حرمت دین بایستی علم شاہ گلوں شد نہ چنین بایستی	چہ ستیزم بقضا ورنہ بگویم غالب علم شاہ گلوں شد نہ چنین بایستی
2	11	شد صبح بداں شور کہ آفاق بہم زد مانا کہ ز خون ریز بنی فاطمہ دم زد	ایں روز جہاں سوز کدماست کہ غالب شد صبح بداں شور کہ آفاق بہم زد
3	14	سرو چمن سروری افتاد ز پا ہای شد غرقہ بہ خون پیکر شاہ شہیدان ہای	غالب بہ ملائک نتواں گشت ہم آواز اندازہ آن کو کہ شوم نوحہ سرا ہای
4	11	ای فلک شرم از ستم بر خاندان مصطفیٰ داشتی زیں پیش سر بر آستان مصطفیٰ	قدسیان را نطق من آوردہ غالب در سماع گشتہ ام در نوحہ خوانی مدح خوان مصطفیٰ
5	14	وقت نیست کہ در پیچ و خم نوحہ سرانی سوزد نفس نوحہ گر از تلخ نوائی	غالب جگری خوں کن و از دیدہ فرو بار گر روی شناس غم شاہ شہدائی

کل فارسی نوے = پانچ عدد

کل اشعار نوے = 62 عدد

غالب نے نوے کسی مخصوص شہید کے حال میں نہیں لکھے بلکہ شہدائے کربلا اور ان میں مخصوص امام حسینؑ حضرت عباسؑ اور اولاد حضرت علیؑ کو مرکزیت دی ہے۔ غالب کے نوحوں کی خصوصیت اور انفرادیت یہ ہے کہ غالب نوحہ خواں نہیں بلکہ نوحہ گر ہے غالب مصیبت اور حادثہ کربلا سے متاثر ہو کر اس طرح نوحہ گری کرتے ہیں جیسے ایک ماں اپنے جوان بیٹے کی موت پر تہہ دل سے درد آمیز جملے کہتی ہے۔

تنہاست حسینؑ ابن علیؑ در صف اعدا
اکبرؑ تو کجا رفتی و عباسؑ کجائی
فریاد! ازاں حامل منشور امامت
فریاد! ازاں خواری و بی برگ و نوائی
غالبؑ جگری خون کن و از دیدہ فروبار
گر روی شناس غم شاہ شہدائی
غالبؑ جگر کو خون کر کے آنکھوں سے بہا دے اگر تو واقف ہے کہ امام مظلوم کا غم کتنا عظیم ہے۔

ای فلک شرم از ستم برخاندان مصطفیٰ
داشتی زیں پیش سر بر آستان مصطفیٰ
یا مگر گاہی ندیدی مصطفیٰ را با حسینؑ
یا مگر ہرگز نہ بودی در زمان مصطفیٰ
اے فلک تجھے شرم کرنا چاہیے کہ تو نے خاندان مصطفیٰؑ پر ستم کئے جبکہ تو آستان مصطفیٰؑ پر کھڑا تھا کیا تو نے مصطفیٰؑ کی محبت حسینؑ سے نہ دیکھی تو دور مصطفیٰؑ میں موجود نہ تھا۔

حیف باشد کہ ز اعدادم آبی طلبد
آنکہ سائل بہ درش روح الامیں بایستی
یہ افسوس ہے کہ حسینؑ دشمنوں سے سوال آہ کرے جب کہ خود روح الامیں سائل بن کر ان کے آستانہ پر آتے تھے۔

ای کج اندیشہ فلک حرمت دین بایستی
علم شاہؑ نگوں شد نہ چنیں بایستی

اے کج مدار فلک دین کی حرمت کو بچانا تھا۔ امام حسینؑ کا علم سرگوں ہو گیا ایسا نہیں ہونا تھا
غالبؒ اپنے نوحوں میں ہدایت بین اور شدید مصائب سے کام نہیں لیتے وہ بہت عجیب لہجہ میں دل کے
تاروں کو درد انگیز الفاظ سے اس طرح سے چھیڑ دیتے ہیں کہ آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اُردو نوحوں کی طرح اُن کے پاس
نثری الفاظ نہیں۔

ہی کاتب تقدیر کہ در زمرہ احیا

چوں نام حسینؑ ابن علیؑ رفت قلم زد

کاتب تقدیر نے جیسے ہی زندوں کے دفتر میں حسینؑ کا نام آیا قطع کر دیا۔

ای شہرہ بدامادی و شادی کہ نداری

کافور و کفن بگزم از عطر و قباہی

حضرت قاسم جو تازہ دولہا تھے عطر اور لباس کے بجائے کافور اور کفن سے سجائے گئے۔

آن حسینؑ است این کہ گفتی مصطفیٰ ”روحی فداک“

چوں گزشتی نام پاکش بر زبان مصطفیٰ

گرمی بازار امکاں خود طفیل مصطفیٰ است

ہیں چہ آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰ

غالبؒ نوحوں میں عظیم مطالب کا ذکر کرتے ہیں جو اکثر دوسرے شعرا کے نوحوں میں مفقود ہیں۔ غالبؒ
کے فارسی نوحوں کی عمدہ مثال علامہ نجمؒ آفندی کے اُردو نوحوں میں دیکھی جاسکتی ہے غالبؒ کے مضامین سے
گلگجنی ہمیشہ ہوتی رہی۔

تاچہ افتاد کہ بر نیزہ سرش گردانند

عزت شاہ شہیدان بہ ازیں بایستی

جیسے ہی امام مظلوم زمین پر گرے آپ کے سر مقدس کو نیزہ پر بلند کر دیا گیا یقیناً شہیدوں کے سردار کی
عزت یونہی ہونی چاہئے۔

غالبؒ کے نوحوں کو اگر تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو وہ ہر نقطہ نگاہ سے مکمل نظر آتے ہیں۔ اُن نوحوں میں

نوحہ کے تمام لوازمات ملتے ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ غالبؒ نہ صرف عظیم شاعر تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے عالم

بھی تھے۔ انھیں قرآن، احادیث، تاریخ اسلام، ادب، فلسفہ، تصوف اور نفسیات پر عبور حاصل تھا۔ اسی لئے نوحوں میں رولیف کے استعمال سے جو استفہامیہ اور بیانیہ انداز ہے وہ قاری کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر غالب اردو میں نوحے لکھتے تو نوحے مقبول ہوتے۔ جس دور میں غالب نے یہ نوحے تصنیف کئے فارسی نوحوں کا آخری دور تھا۔

مشہور ہے کہ عقبات عالیہ کی زیارت کے بحری جہاز میں جو بصرہ کی سمت رواں دواں تھا کچھ قافلے ایرانی بھی موجود تھے کسی ہندوستانی شخص نے غالب کا فارسی نوحہ پڑھا سامعین پر رقت طاری ہوئی اور اسے پسند کیا گیا۔ اس واقعہ کی اطلاع غالب کو ان کی زندگی میں ہی موصول ہوئی۔

☆.....☆.....☆

jabir.abbas@yahoo.com

نوحہ

ای کج اندیشہ فلک! حرمت دین بایستی
علم شاه نگون شد، نہ چنین بایستی!

تاچه افتاد کہ بر نیزہ سرش گردانند
عزت شاه شهیدان بہ ازین بایستی!

حیف باشد کہ فتد خستہ ز توسن بر خاک
آنکہ جولانگہ او عرش برین بایستی!

حیف باشد کہ ز اعدادم آبی طلبد
آنکہ سائل بہ درش روح امین بایستی!

تازیان را بہ جگر گوشہ احمد، چہ نزاع
وطن اصلی این قوم ز چین بایستی!

ایہا القوم! تنزل بود از خود گویم
میہمان بیخطر از خنجر کین بایستی!

سخن این است کہ در راہ حسین ابن علی
پویہ از روی عقیدت بجبین بایستی

چشم بدور، بهنگام تماشای رخس
رونما سلطنت روی زمین بایستی

داشت ناخواسته در شکر قدمش دادن
اگرش ملک و گرتاج و نگین بایستی

چون فرمان خود آرای و خود بینی و بغض
آن نگردید که از صدق و یقین بایستی

به اسیران ستمدیده پس از قتل حسین
دل نرم و منش مهرگزین بایستی

چه ستیزم بقضا، ورنه بگویم غالب
علم شاه نگون شد، نه چنین بایستی!

نوحہ

شد صبح بدان شور کہ آفاق بہم زد
مانا کہ ز خون ریز بنی فاطمہ دم زد

تا تلخ شود خواب سحر ریش شبیم
شورابہ اشکی بہ رخ امم حرم زد

چون ست کہ دستش نزند آبلہ کز قہر
گل زاتش سوازن بہ سر طرف خیم زد

حاشا کہ چنین خیمہ توان سوخت مگر دہر
بر کند ازین وادی و در دشت عدم زد

گوئی پی این خنجر بیداد فسان بود
آن سنگ کہ کافر بہ شہنشاہ امم زد

عباس علمدار کجا رفت کہ شبیر
دستی بہ پلارک زد و دستی بہ علم زد

زین خون کہ دود بر رخ شبیر توان یافت
کاندر رہ دین شاہ چہ مردانہ قدم زد

نشگفت که بالا بخود از ناز شهادت
کش خامه تقدیر بنام که رقم زد

هی، کاتب تقدیر که در زمره احیا
چون نام حسین بن علی رفت، قلم زد

زین حیف که بر آل نبی عربی رفت
آمد اجل و دست به دامان ستم زد

این روز جهان سوز کدامست که غالب
شد صبح بدان شور که آفاق بهم زد

نوحه

سر و چمن سروری افتاد زپا، های!
شد غرقه بخون پیکر شاه شهدا، های!

بر خاک ره افتاده تنی هست، سرش کو؟
آن روی فروزنده و آن زلف دوتا، های!

عباس دلاور که دران راهروی داشت
شمشیر بیکدست و بیکدست لوا، های!

آن قاسم گلگون، کفن عرصه محشر
وان اکبر خونین تن میدان و غا، های!

آن اصغر دلخسته پیکان جگر دوز
وان عابد غمدیده بی برگ و نوا، های!

ای قوت بازوی جگر گوشه زهرا
دست تو بشمشیر شد از شانه جدا، های!

ای شهره بدامادی و شادی که نداری
کافور و کفن، بگزم از عطر و قبا، های!

ای مظهر انوار که بود اهل نظر را
دیدار تو دیدار شه هر دوسرا ، های!

ای گلبن نورسته گلزار سیادت
نایافته در باغ جهان نشونما ، های!

ای منبع آن هشت که آرایش خلد اند
داغم که رسن شد بگلوی توردا ، های!

بالغ نظران روش دین نبی حیف!
قدسی گهران حرم شیر خدا ، های!

ماتمکده آن خیمه غارت زدگان ، حیف!
غارت زده آن قافله آل عبا ، های!

آن تابش خورشید دران گرم روی ، حیف!
وان طعنه کفار ، دران شور عزا ، های!

غالب! به ملانک نتوان گشت هم آواز
اندازه آن کو که شوم نوحه سرا ، های!

نوحه

ای فلک! شرم از ستم برخاندان مصطفیٰ
داشتی زین پیش سر بر آستان مصطفیٰ

ای بمهر و ماه نازان هیچ میدانی چه رفت؟
از تو بر چشم و چراغ دودمان مصطفیٰ

سایه از سروروان مصطفیٰ نفتد بخاک
هان، چه بر خاک افگنی سروروان مصطفیٰ

گرمی بازار امکان خود طفیل مصطفیٰ است
هیس، چه آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰ

کینه خواهی بین که با اولاد امجادش کنی
آنچه بامه کرده، اعجاز بنان مصطفیٰ

نیک نبود گرتو بر فرزند دلبنده رود
آنچه رفت از مرتضیٰ بردشمنان مصطفیٰ

یا تو دانی مصطفیٰ را فارغ از رنج حسین؟
یا تو خواهی زین مصیبت امتحان مصطفیٰ

یا مگر گاهی ندیدی مصطفیٰ را با حسین
یا مگر هرگز نه بودی، در زمان مصطفیٰ

آن حسین است این که سوزی مصطفیٰ چشمش برخ
بوسه چون باقی نمائی در دهان مصطفیٰ

آن حسین است این که گفتی مصطفیٰ "روحی فداک"
چون گزشتی نام پاکش بر زبان مصطفیٰ

قدسیان را نطق من آورده غالب در سماع
گشته ام در نوحه خوانی مدح خوان مصطفیٰ

نوحہ

وقتست کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی
سوزد نفس نوحہ گراز تلخ نوائی

وقتست کہ در سینه زنی آل عبا را
سر پنجه حنائی شود و رنگ هوائی

وقتست کہ جبریل ز بیمایگی درد
غم را ز دل فاطمه خواهد بگدائی

وقتست کہ آن پردگیان کز ره تعظیم
بر درگه شان کرده فلک ناصیه سائی

از خیمه آتش زده عریان بدر آیند
چون شعله دخان بر سر شان کرده روائی

جانها همه فرسوده تشویش اسیری
دلها همه خون گشته اندوه رهائی

ای چرخ! چو آن شد، دگر از بهر چه کردی
ای خاک! چو این شد، دگر آسوده چرائی

خود گرد و فرو ریز اگر صاحب مہری
برخیز و بخون غلت گرازاہل وفائی

تنہا ست حسین ابن علی در صف اعدا
اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی

توقیع شفاعت کہ پیمبر ز خدا داشت
از خون حسین ابن علی یافت روائی

فریاد! ازان حامل منشور امامت
فریاد! ازان نسخہ اسرار خدائی

فریاد! ازان زاری و خونانہ فشائی
فریاد! ازان خواری و بی برگ و نوائی

فریاد! ز بے چارگی و خستہ درونی
فریاد! ز آوارگی و بی سروپائی

غالب جگری خون کن و از دیدہ فروبار
گر روی شناس غم شاہ شہدائی

دیباچه دیوان غالب (تمنای دفن در نجف)

مشام شمیم آشنایان را صلا و نهاد انجمن نشینان را مژده که لغتی
از سامان مجمره گردانی آماده و دامنی از عود هندی دست بهم داده است.
نه چوبهای سنگ ژوپ خورده به هنجار نا طبیعی شکسته بی اندام تراشیده
بلکه به تبر شگافته بکار ریز ریز کرده به سوهان خراشیده.

آیدون نفس گداختگی شوق به جستجوی آتش پاریسی است. نه
آتشی که در گلخنهای هند افسرده و خاموش، و از کف خاکستر بمرگ
خودش سیه پوش بینی. چه بر روی مسلم است از ناپاکی باستخوان مرده
ناهار شکستن، و از دیوانگی برشته شمع مزار کشته آویختن هر آینه بدل
گداختن نیرزد و بزم افروختن را نشاید. رخ آتش به صنع برافروزنده، و آتش
پرست را بیادافراه هم در آتش سوزنده نیک میداند که پژوهنده در هوای
آن رخشنده آذر نعل در آتش است که بچشم روشنی هوشنگ از سنگ
برون تافته، و در آیوان لهر اسپ نشونما یافته، خس را فروغست، ولاله را
رنگ، و مغ را چشم، و کده را چراغ. بخشنده یزدان درون بسخن برافروز را
سپاسم که شراری ازان آتش تابناک بخاکستر خویش یافته، کار کاو سینه
شتافته ام، و از نفس دمه بر آن بر نهاده. بو که در اندک مایه روزگاران آن
مایه فراهم تواند آمد که مجمره را فرروشنائی چراغ و رائحه عود را بال
شناسائی دماغ تواند بخشید.

همانا نگارنده این نامه را آن در سراسر است که پس از انتخاب دیوان
ریخته به گرد آوردن سرمایه دیوان فارسی بر خیزد و بامستقاضه کمال این

فریور فن پس زانوی خویشتن نشیند امید که سخن سرایان سخنور ستای
پراگنده ایباتی را که خارج ازین اوراق یابند از آثار تراوشِ رگِ کلک این
نامه سیاه شناسند و چامه گرد آور را در ستایش و نکوهشِ آن اشعار
ممنون و ماخوذ نسگالند.

یا رب، این بوی هستی ناشنیده، از نیستی به پیدائی نارسیده، یعنی
نقشِ به ضمیر آمده نقاش که به اسد الله خان موسوم و به میرزا نوشه
معروف و به غالب متخلص است، چنانکه اکبر آبادی مولد و دهلوی
مسکن است، فرجام کار نجفی مدفن نیز باد! فقط.

بست و چهارم شهر ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۸ھ

عشقِ محمد و آلِ محمد خطوطِ کہ آئینے میں

18 / نومبر 1852ء - نبی بخش حقیر

بھائی صاحب، آپ کے دو خط آئے۔ پہلے خط میں آپ نے ایک بیت کے معنی پوچھے ہیں۔ وہ سنئے۔
تو گوئی مگر مہرِ زیر میں
فروزاں فوہ بود بہشتِ نگیں
یہ شعر شبِ معراج کی توصیف میں ہے کہ وہ شب ایسی روشن تھی یہ بہ سببِ روشنی کے زمیں ایسی چمکتی تھی کہ جیسے
ڈانک سے گلیزہ چمک جاتا ہے۔ آفتابِ رات کو تخت الارض ہوتا ہے اور ڈانک بھی نگینے کے تلے لگاتے ہیں اور نگینہ
بقدر ڈانک کی حقیقت کے چمکتا ہے پس جس نگینے کے نیچے آفتاب ڈانک ہوگا وہ نگینے کتنا درخشاں ہوگا۔ فوہ فارسی
لغت میں بمعنی ڈانک کے۔

15 / جولائی 1859ء - سید یوسف مرزا

جاننے ہو کہ علی کا بندہ ہوں۔ اُس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کھاتا

28 / جولائی 1859ء - سید یوسف مرزا

خدا یا ان آدرگانِ دہشتِ غربت کو تعینیت جب تو چاہے عنایت کر۔ مگر تھدقِ مرتضیٰ علی کا تندرست رکھ۔

18 / محرم الحرام 1276ء - سید یوسف مرزا

”نصیبِ اعدا نا ظر جی بہت بیمار ہیں۔ خدا خیر کرے، یوسف مرزا میری جان نکل گئی۔ کیا کروں کیوں کر خبر
منگاؤں؟ یا علی یا علی یا علی دس بارہ بار دل میں کہا ہوگا کہ مداری کا بیٹا دوڑا ہوا آیا اور تین خط لایا۔“

28 / نومبر 1859ء - سید یوسف مرزا

میں تو پنشن کے باب میں حکمِ اخیر سُن لوں پھر رام پور چلا جاؤں گا۔ غرض کہ انیس بیس مہینے ہر طرح بسر
کرنے ہیں اس میں رنج و راحت ذلت و عزت جو مقوم میں ہے وہ پہنچ جائے اور پھر علی علی کہتا ہوا ملکِ عدم کو چلا
جاؤں۔ جسمِ رام پور میں اور روحِ عالمِ نور میں۔ یا علی یا علی یا علی

سید غلام حسنین قدر بلگرامی۔ 1857ء

ایک نکتہ دقیق ہے یعنی مذہب کھٹہ امامیہ میں مجموعہ صفات عین ذات ہیں۔ پس ہم نے اگر خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبیؐ اور ائمہ کے ہر قول درست ہے۔

سید غلام حسنین قدر بلگرامی۔ 1865ء

اس خط کے آخر میں غالبؔ نے لکھا۔ غالبؔ اثنا عشری حیدری

میر محمدی مجروح۔ مئی 1861ء

میاں۔ کس قصے میں پنسا ہے فقہ پڑھ کر کیا کرے گا؟ طلب نجوم و ہیئت و منطق و فلسفہ پڑھ جو آدمی بنا چاہے۔

خدا کے بعد نبیؐ اور نبیؐ کے بعد امامؑ

یہی ہے مذہب حق و السلام والا کرام

علیؑ علیؑ کیا کرو اور فارغ البال رہا کرو

میر محمدی مجروح مئی۔ 1860ء

میر ادوارو گیر سے بچنا معجزہ اسد اللہی ہے۔ ان پیسوں کا ہاتھ آنا عطیہ ید اللہی ہے۔

میر محمدی مجروح۔ 1861ء

واللہ علیؑ کل شئی قدیر۔ خدا کا بندہ ہو، علیؑ کا غلام۔ میرا خدا کریم میرا خداوندی

علیؑ دارم چہ غم دارم

میر محمدی مجروح۔ 29 جولائی 1862ء

میر سر فراز حسین نہیں کہ ان کو پیار کرتا ہوں علیؑ کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں۔ اُس میں تم بھی آ گئے۔

مرزا حاتم علیؑ تہر۔ جولائی 1858ء

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے

غلام سا قی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

علاقہ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علیؑ کو بیچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں۔

مرزا حاتم علی مہر۔ ستمبر 1858ء

صاحب بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ خدا کرے میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو۔ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔

مرزا حاتم علی مہر۔ 1859ء

پروردگار بہ تصدیق ائمہ اطہار یہ پیش آمد تم کو مبارک کرے اور منصب ہائے خطیر اور مدارج عظیم کو پہنچا دے۔

نئی بخش حقیر کے ۱۲۱ اگست 1859ء کے خط میں حضرت علی کے فقرے پر خط تمام کرتے ہیں۔

عرفت ربی فی شیح العزائم۔ اسد اللہ

مرزا علا الدین خاں علانی 1862ء

دیکھا، ہم کو یوں پلاتے ہیں، درے کے پینے کے لونڈوں کو پڑھا کو مولوی مشہور ہونا اور مسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے، اور عرفاء کے کلام سے حقیقتِ حق وحدت وجود کو اپنے دل نیشن کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں، مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابوالآئینہ کا ہمسرہ مانتے ہیں۔ دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھتا ہوں۔ انبیاء سب واجب التتظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمتہ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت، اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے۔ اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے، ثم حسن، ثم حسین، اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام۔

بریں زلیسم ہم بریں بگورم

ہاں، اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے، تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا، بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنج کو تیز کروں گا، تاکہ مشرکین و منکرین نبوت مصطفیٰ و امامت مرتضوی اس میں جلیں۔

بنام مرزا علا الدین خاں ۲۷ جولائی 1864ء

”میں موحّد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ، لا مؤثر فی الوجود الا اللہ سمجھتے ہوئے ہوں۔ انبیاء سب واجب تعظیم اور اپنے اپنے وقت میں مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت۔ اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین، اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام

ع۔ بریں زیستہ ہم بریں بگذرم

ہاں اتنی بات اور ہے کہ زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آئچ کو تیز کروں گا تاکہ مشرکین و منکرین نبوت مصطفویٰ و امامت مرتضویٰ اس میں جلیں۔“

jabir.abbas@yahoo.com

حکایت

شنیدم کہ شاہی دریں دیر تنگ
ز پہلو بروں راند لشکر بجنگ

گزین شہسواران عثاں بر عثاں
مہیں نیزہ داراں سناں برسناں

بہ پیچش ز چرمیں عثاں ہائے سخت
زحل را بدلو اندروں پارہ رخت

بجانبش ز رخشاں سناں ہائے تیز
بروئے ہوا نور خور ریز ریز

دلیرانہ بال لشکر نام جوئے
بہ اقلیم بیگانہ آورد روئے

ز بس چست خود را بہ پیکار برد
بہ دشمن شبیخون بایوار برد

بدان دم کہ در رھروی برگرفت
ز بدخواہ اورنگ و افسر گرفت

میں نے سنا ہے کہ اس تنگ بت خانے (یعنی دنیا) میں ایک بادشاہ نے
مقام پہلو سے لشکر کو لڑائی کے لئے باہر نکالا

عمدہ شہسوار لگام اٹھائے ہوئے،
زبردست نیزہ باز بہت سی برچھیاں سنبھالے ہوئے چل پڑے

چڑے کی سخت لگامیں ایسی ابھی ہوئی، بل کھائی ہوئی تھیں کہ
مُرجِ دلو میں زحل کے لباس کے پُڑے اڑ گئے تھے۔

ان چمکتے ہوئے اور تیز نیزوں کی جنبش سے
ہوا میں سورج کی کرنیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں۔

شہرت کے طالب لشکر کو لئے ہوئے دلیری کے ساتھ،
وہ غیر ملک میں داخل ہو گیا۔

چونکہ بہت پھرتی کے ساتھ جنگ کے لئے گیا تھا اس لئے
دُشمن پر سرِ شام ہی شبِ خوں مارا۔

اسی سانس کے ساتھ جو رہروی میں لی تھی،
دُشمن سے تاج و تخت کو لے لیا۔

ز کالائے تاراج دامن فشانند
به لشکر زرو مال دشمن فشانند

از آن گنج کز لعل و گوهر شمرد
سرِ خصم پامزد خود بر شمرد

هنوز از غباری که برجسته بود
بسائره بر خاک ننشسته بود

که در جنبش از چرخ آرام یافت
زدادار پیروز گر کام یافت

نیازش ز فرخندگی ناز گشت
سوئی کشور خویشتن باز گشت

خود آهسته رو بود در ره زپیش
فرستاد فرمان بدستور خویش

که فرمان دهد تا بهر گونه بهر
به بندند آئین شادی به شهر

مالِ غنیمت میں جو کچھ ملا اس سے ہاتھ اٹھایا
اور اپنے لشکر پر مال و زر تقسیم کر دیا۔

اس خزانہ سے جس میں ہیرے موتی تھے
بادشاہ نے اگر کچھ لیا تو اپنی محنت کا صلہ صرف دشمن کا سر لے لیا۔
(باقی سب دوسروں کو ملا)

ابھی جنگی طوفان کا غبار بھی
پوری طرح بیٹھنے نہ پایا تھا کہ

تقدیر نے حرکت کو راحت میں بدل دیا
اور فتح دینے والے پروردگار نے اس کی مُراد پوری کر دی۔

خدا سے اس کی دُعا نیاز و ناز میں تبدیل ہو گئی اور،
وہ اپنے ملک کو واپس ہوا۔

خود تو شاہی لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا،
مگر پہلے سے اپنے وزیر کو فرمان روانہ کر دیا۔

اس مطلب کا حکم جاری کیا جائے کہ ہر طرح سے ہر حصہ شہر کو
جشنِ عیش کے لئے آراستہ کریں۔

نمطها به آراستن نو کنند
پرستاری بخت خسرو کنند

بدی دلكشامزده كز شه رسيد
بهار طرب را سحر گه رسيد

به روزی که بایستی از شاهراه
بایوان خرامد خداوند گاه

هم از شام مشعل بر افروختند
امیدان بکوشش نفس سوختند

به مهتاب شستند سیاهی خاک
فشاندند پروین بدی بای خاک

ببازارها سوبش و صف به صف
به پیرایه بندی کشودند کف

ز هر پرده نقش برانگیختند
بهر گوشه چینی در آویختند

راستے بنا سجا کر نئے کردئے جائیں اور
بادشاہ کی فتح مندی شان سے منائی جائے۔

بادشاہ کی طرف سے اس خوش خبری کا آنا تھا کہ
عیش و کامرانی کی بہار کا آغاز ہوا۔

اس روز جس دن کہ شاہی سواری شاہرہ سے
آنا چاہئے تھی کہ محل میں داخل ہو۔

تو شام ہی سے چراغاں ہونے لگا،
اور انتظامی محکمے کے لوگوں نے بہت دوڑ دھوپ دکھائی۔

مٹی کی پیشانی چاندنی سے دھوئی اور
خاک کے ریشمی فرش پر ثریا کے ستارے بکھیر دئے۔

بازاروں میں ہر طرف آرائش کے لئے قطار در قطار،
لوگوں نے ہاتھ کھولے۔

ہر پردہ رنکس تصویر بنائی اور
ہر ایک گوشے میں چین کی نقاشی فراہم کردی۔

بدان گونه آئینه ها ساختند
که بینندگان چشم و دل باختند

سحرگاه چون داد بار آفتاب
زهر گوشه سرزد هزار آفتاب

زمین را ز گرمی بجوشید مفر
برون داد از کان گهر هائے نغز

به آرائش جاده ره گزار
صدف ریخت از بحر دُر بر کنار

تو گوئی ز تاب گهرها بروز
که نگهسته پیرایه شب هنوز

چو هر کس به اندازه دسترس
به شادی زد از خود نمائی نفس

گرومے ز بے مایه زندانیان
علی الرغم نو کیسه سامانیان

آئینے اس وضع کے بنائے گئے تھے کہ
دیکھنے والوں کی آنکھ اور دل ان آئینوں ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔

صبح ہوتے جب آفتاب برآمد ہوا تو (آئینوں کی بدولت)
ہر ایک گوشے سے ہزاروں آفتاب جھلکنے لگے۔

گرمی کے مارے زمین کا بھیجا پگھل گیا
کان سے عمدہ عمدہ جواہر اُبل پڑے۔

سوارے کے راستے کی سجاوٹ کی خاطر
پہلی نے سمندر کے اندر سے کنارے پر موتی اگل دئے۔

یوں کہو کہ موتیوں کی آب و تاب سے دن کے وقت
وہ عالم تھا گویا (تارے چمک رہے ہیں) رات ابھی باقی ہے۔

جب ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق جشن میں
آرائش کا پورا اہتمام کیا

تو قیدیوں کے ایک مفلس گروہ نے بھی،
پیٹ بھرے نو دولتوں کے مقابلے میں (سجاوٹ کی ٹھانی) اور

بہ آئیں بہ بستند از خویشتن
سیہ پردہ بر رخ انجمن

کہ ہر تار زان پردہ زنجیر بود
نوائالہ گریہ و گریز بود

بہ مرغولہ کاندروا داشتند
ہمان دود دل برہوا داشتند

براجزائے تن جا بجا بند سخت
بہر بند لغتے زن لغت لغت

نفس گرم شغل چراغان ز آہ
ز گرمے خس و خار سوزان براہ

چو گیتی کشا موکب خسروے
قدم سنج اندازہ رہروے

بہ شہر اندر آورد از راہ روئی
رسیدند گوہر کشاں پوئی پوئی

اپنی طرف سے انہوں نے
ایک سیاہ پردہ اس انجمن میں قائم کیا

پردہ بھی کیا، جس کے ہر ایک تار میں زنجیر کی کیفیت سمائی ہوئی تھی
اونچے نیچے سُرور سے جو موسیقی پیدا کی وہ فریاد کی تھی

اُس پیچ و تاب سے جو اُن کی آواز میں تھی،
دل کے دھوئیں ہوا میں اڑاتے تھے

اُن کے بدن کے جوڑ جوڑ پر سخت گرہیں تھیں
اور ہر گرہ میں بدن کے ٹکڑے کسے ہوئے تھے

گرم آہ کی وجہ سے ان کے سانسوں کی لپٹ نے چراغاں کر رکھا
تھا اور اس کی گرمی سے راہ کے خس و خوار جلتے تھے

جب یہ جہانگیر سواروں کا شاہی گروہ
شان کے ساتھ قدم تولتا ہوا آہستہ آہستہ

شہر کے اندر داخل ہوا
تو موتیوں کا انبار لانے والے دوڑتے ہوئے پہنچے

بدان جاده گوهر فرو ریختند
به مغز میس رنگ و بوریختند

ز آئیس که در شهر بر بسته بود
دو صد نقش بر یک دگر بسته بود

بدان تارود خطوه چند پیش
بجانبید هر نقش برجائے خویش

جگر گون نگاهانِ خویش نوا
گرفتند چون داغ بر سینه جا

ز اشک فرو خورده مُشتی گهر
ملک رافشانند بر رهگذر

ز خون گشته پنهان هوسهای خویش
کشیدند خوانهای یاقوت پیش

شه دیده و را دل از جائے رفت
بخاموشیش بر زبان هائے رفت

انہوں نے بادشاہ کے راستے پر بہت سے موتی بکھیر دئے ، زمین کے
اندر رنگ و بو پیدا کیا ، یعنی رنگ اور خوشبو کی چیزیں ڈالیں

شہر میں جو سجاوٹ کا اہتمام ہوا تھا،
اس میں بے شمار آرائش پر آرائش تھی

اس کے ساتھ چند قدم آگے چلنے کو،
ہر صورت نے اپنی جگہ سے حرکت کی

وہ سُرخ آنکھ والے اور نالہ خونیں کرنے والے
سینے کے داغ کی طرح سامنے آئے

جیسے اوروں نے راہ میں موتی بکھیرے تھے
اس بد نصیبوں نے ضبط کئے ہوئے آنسو کے موتیوں کا بکھراؤ کیا

اُن کی جو آرزوئیں کچل کر لہو ہو چکیں تھیں
انہیں کے یا قوت سامنے خوان میں چُن دئے

صاحبِ نظر بادشاہ کا دل بے چین ہو گیا،
اور وہ خاموش تھا کہ یکایک زبان سے آہ نکلی

خموشی بدل جوئی آواز شد
ترخم به گفتار دمساز شد

لب از جوش دل چشمه نوش ریخت
نوید رھائے بسر جوش ریخت

دہ دودہ و گنجہ انھا ز پے
گدایان رواں کاروانھا ز پے

عزیزی کہ یارائے گفتار داشت
بھر پردہ اندازہ بار داشت

ز بیداد ذوق شناساوری
فغان برکشید اندران داوری

کہ الماس در زر نسا نندگان
نہ سنجیدہ گوہر فشانندگان

بیایند و داغ بیائے روند
جگر تشنہ مرحبائے روند

دل جوئی کے لئے خاموشی آواز ہوگئی
اور رحم کا کلمہ زبان تک آیا

سینے کے جوش سے لب تک حرف شیریں پہنچا
رہائی کا مژدہ اس کی زبان تک آیا

ایک کارواں خاندانی جاگیر اور خزانے لئے ہوئے پیچھے پیچھے
اور اُن بے نواؤں کا قافلہ آگے آگے روانہ ہوا (یعنی شاہ نے یہ عطا کی)

بادشاہ کا ایک مُقرب جسے بات کرنے کی ہمت تھی
اور ہر خلوت میں آنے کی اجازت تھی

وہ اس عنایت بے جا پر ضبط نہ کر سکا، (راز جاننے کے شوق کی شدت سے)
اور اس نے احتجاج کیا (اس داد و دہش کے بارہ میں آواز بلند کی) کہ

جو لوگ سونے میں ہیرے رکھتے ہیں (یعنی اُمراء اور جوہری)
اور بن تولے موتی لٹانے والے (یعنی امرا نے شاہ کے خیر مقدم میں
سونے کے ساتھ ہیرے لٹائے ، موتی بکھیرے)

وہ آتے ہیں اور پُر مایہ ہونے کا داغ اٹھا کر چلے جاتے ہیں اور، ان کا خیر مقدم
بھی نہیں ہوتا (یعنی شاہ نے ان سے مرحبا بھی نہ کہا)

تهی کیسگان تادمی برکشند
بگردون زرد لعل و گوهر کشند

به حرفے کز ولب گهر خیز شد
جهانباں چنین پاسخ انگیز شد

که اینان جگر خستگان مندند
به آهن فرو بستگان مندند

بجز موی و ناخن که بینی دراز
زبان کوتاه از دعوی برگ و ساز

لباس از گلیم و زرا از آهنست
گر آهن زمن ور گلیم از من است

نیاورده اند آنچه آورده اند
زمن برده اند آنچه آورده اند

به آئیس در آئینه انجمن
مرا کرده اند آشکارا به من

مفلس لوگوں نے ایک سانس لی تو،
گاڑی بھر بھر کے زر و لعل و گوہر لے گئے (حالانکہ شاہ کے خیر مقدم
میں انھوں نے کچھ بھی نہ کیا تھا)

ایسے لفظ سے جس کے ادا کرنے میں لب سے موتی گرے،
بادشاہ نے یوں جواب دیا

یہ لوگ میرے کارن دکھی ہیں اور، اگر انھیں طوق و زنجیر میں
جکڑا گیا تو میرے حکم پر ہی جکڑا گیا ہے

ان کے بال و ناخن دراز ہیں اور
دعویٰ سروسامان سے زبان کوتاہ ہے

اُن کے کپڑے پھٹی پرانی گوڈری کے اور اُن کے زیور بجائے سونے کے
لوہے کے ہیں، لوہا اور گوڈڑ دونوں میرے ہی دئے ہوئے ہیں

جو کچھ یہ لوگ لائے ہیں اپنی طرف سے نہیں،
بلکہ جو میں نے دیا وہی لائے ہیں

محفل کی آرائش میں شریک ہو کر، انھوں نے مجھے آئینہ دکھا دیا
اور میری حقیقت مجھ پر ظاہر کر دی کہ

از آن رو که در تب زتابِ منند
همان ذرّه آفتابِ منند

تو نیز اے کہ ہر چیز و ہر کس زتست
بہار و خزان و گل و خس زتست

بروزے کہ مردم شوند انجمن
شود تازہ پیوند جانِ ما بہ تن

روان را بہ نیکی نوازندگان
بسرمایۂ خویش نازندگان

گھرہائے شہوار پیش آورند
فرومیدہ کردار پیش آورند

زنوری کہ ریزند و خرمن کنند
جہان را بخود چشم روشن کنند

بہ ہنگامہ بالیں جگر گوشگان
در آیند مُشتے جگر گوشگان

یہ لوگ میرے ہی تاب (غصہ) سے تپ میں ہیں اس لئے میرے
آفتاب ہی کے ذرے ہیں (اس تمثیل کے بعد شاعر خدا سے مخاطب ہوتا ہے)

اے وہ، کہ ہر چیز تجھ سے ہے
تیرے ہی ذات سے بہار، خزاں، مَھول اور گھاس سب کا ظہور ہوا ہے

اس روز کہ جب (آخری حساب ہوگا) سب لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور،
جسموں میں پھر سے جان ڈالی جائے گی

تو وہ لوگ جنہوں نے رُوح پر نیکیوں کا احسان کیا ہے
اپنے سرمائے پر ناز کرتے ہوئے

ایک سے ایک بڑا موتی لا کر رکھ دیں گے اور ایک سے ایک
اچھے اعمال پیش کریں گے

اس نُور کے سبب جو اُن سے پھیلے گا (ان کے جواہرات سے جو نور نپا
پڑے گا) اور جو اُن کا حاصل ہوگا، وہ اپنی ذات سے جہان کی آنکھیں
روشن کریں گے (اس کی بدولت دنیا روشن ہو جائے گی)

اس ہنگامہ میں محبوب لوگوں کے ساتھ
کچھ جگر کھانے والے آئیں گے

ز حسرت بدل برده دندان فرو
ز خجالت سراندر گریبان فرو

در آن حلقه من باشم و سینه
ز غم هائے ایام گنجینه

در آب و در آتش بسر برده
ز دشواری زیستن مرده

تن از سایه خود به بیم اندرون
دل از غم به پهلو دو نیم اندرون

زناسازی و ناتوانی بهم
دم اندر کشاکش ز پیوند دم

ز بس تیرگی هائے روز سیاه
نگه خورده آسیب دوش از نگاه

به بخشائے برنا کسی هائے من
تهی دست و درمانده ام وائے من

یہ لوگ حسرت کے مارے شدید الم و تکلیف میں ہوں گے،
اور شرم سے سر جھکائے ہوئے

انہی لوگوں کے حلقے میں یہ گنہگار بھی،
زمانے بھر کے غموں سے بھرا ہوا سینہ لئے موجود ہوگا

میں، جس نے برسات کے پانی اور گرمی کی آگ دونوں کے ڈھکے
اٹھائے ہیں اور مر مر کے جیا ہوں

جس کا جسم اپنے ہی سائے سے ڈرتا رہا اور،
غموں کے مارے پہلو میں دل دو ٹکڑے رہا۔

حالات کی ناسازی اور اپنی بے بسی کے مارے
میرا سانس لینا دوبھر تھا، زندگی اجیرن تھی

بڑے دنوں کے شدید اندھیرے کے سبب،
شب گزشتہ کا صدمہ بھی سامنے ہے

میری نالائقی پر ترس کھا کر مجھے اس روز بخش دینا،
میں خالی ہاتھ ہوں اور عاجز ہوں افسوس میری حالت پر

بہ دوش ترازو منہ بار من
نسب جیدہ بگزار کردار من

بہ کردار سنجے می فزائے رنج
گرا تباری درد عمرم بسنج

کہ من با خود از هر چه سنجید خیال
ندارم بغیر از نشان جلال

اگر دیگران را بود گفت و کرد
مرا مایه رنجست و درد

چه پرسی چو آن رنج و درد از تو بود
غمی تازه در هر نورد از تو بود

فردہل کہ حسرت خمیر منست
دم سرد من ز مہریر منست

مبادا بہ گیتی چو من ہیچ کس
جہیمے دل وز مہریری نفس

اس روز (اے پروردگار) ترازو کے پلڑے میں میرے اعمال
نہ رکھنا ، بن تو لے ہی مجھ سے درگزر کرنا

اعمال وزن کر کے میرا دکھ اور نہ بڑھانا
تو لے تو یہ کہ عمر بھر میں کتنے دکھوں سے لدا رہا ہوں

خیال میں جتنی چیزیں آسکتی ہیں ، اُن سب میں سے میرے
پاس سوائے ”نشانِ جلال“ (تیرے غضب کے آثار) کے اور کچھ
نہیں رہا ہے۔

دوسروں کے پاس تو قول و عمل کا ذخیرہ ہوگا بھی،
میرے پاس لے دے کر عمر بھر کی سکائی درد و رنج ہے اور بس!

جب وہ درد و رنج سب تیرا ہی دیا ہوا ہے تو پھر اس کا پوچھنا کیا،
ہر تعمیرِ حال میں ایک نیا غم تیری طرف سے پہنچا

مجھے چھوڑ دے کہ حسرت میری گھٹی میں پڑی ہے، اور، میری آہ سرد
جسم و جاں کو کپکپانے اور عذاب میں رکھنے کیلئے کافی ہے

دنیا میں کوئی مجھ جیسا بد بخت نہ ہو جس کے دل میں جہنم کی آگ اور
سانس میں برفانی کڑھ زمہریہ کی سردی

بہ پرسش مرا درہم افسردہ گیر
پرکاہ را صرصرے بُردہ گیر

پس آنگہ بدوزخ فرستادہ دان
در آتش خس از باد افتادہ دان

زدودی کہ برخیزد از سوزِ من
شود بیش تارِ یکئِ روزِ من

در آن تیرگی نبود آبِ حیات
کہ بروی خضر را نویسی برات

زدودش رارے کہ من دردم
نہ گردوں فرازم نہ اختردم

فُتد برتنم چون ازان شعلہ داغ
نسوزد بخاک شہیدان چراغ

اگر نالم از غم ز غوغائے من
نہ پیچد بفردوس آوائے من

مجھے سوال و جواب سے ریزہ ریزہ ہوا محسوب کر،
سمجھ لے کہ گھاس کا تنکا تھا جسے آندھی اڑا کر لے گئی

اس کے بعد یہ سمجھ لے کہ مجھے دوزخ بھیجا جا چکا،
جیسے کوئی تنکا جو ہوا کے جھونکے سے آگ میں جا پڑا

میرے جسم ہونے سے جو دھواں اُٹھے گا
اس سے میرے دن یا تقدیر کی سیانی اور بڑھ جائے گی

یہ وہ تاریکی ہوگی جس میں آبِ حیات نہیں،
کہ جس پر خضر کو نصیب عطا ہو جائے

جو دھواں اور شرر میرے جلنے سے اُٹھے گا
وہ نہ آسمان بنائے گا اور نہ تارے

میرے جسم پر جب اس شعلے کا چمکا لگے گا تو
اس سے شہیدوں کی قبر پر چراغ نہیں جلے گا

اگر میں غم و الم سے فریاد کروں تو،
یہ فریادیں اتنی بلند ہوں گی کہ جنت تک آواز جائے

کہ زہاد می نوشیں زان صدا
بہ افشاندن دست کو بند پا

و گر ہم چنین ست فرجام کار
کہ می باید از کردہ راندن شمار

مرا نیز یارائے گفتار دہ
چو گویم بر آن گفتہ ز نہار دہ

دریں خستگی پوش از من مجوئے
بود بندہ خستہ گستاخ گوئے

دل از غصہ خون شد نہفتن چہ سود
چونہا گفتہ دانی نہ گفتن چہ سود

زبان گر چہ من دارم اما ز تست
بہ تست ار چہ گفتارم اما ز تست

ہمانا تو دانی کہ کافر نیم
پرستار خورشید و آذر نیم

کہ بہشت نشیں عابد و زاہد لوگ سُن کر
تالیاں بجائیں اور خوشی سے ناچیں

اور اگر یہی انجام کار ہے،
کہ دنیا میں انسان نے جو کچھ کیا اس کا شمار کیا جائے

تو مجھے بھی بات کہنے کی طاقت دے۔۔۔ اور
جو میں کہوں اس پر میری خطا معاف ہو

اتنا تنگ آچکا ہوں کہ عذر معذرت کی توقع مجھ سے نہ رکھی جائے
آدمی بہت تنگ ہو گا تو گستاخی پر اتر آئے گا

میرا دل غم و غصے نے لہولہاں کر رکھا ہے اب چھپانے سے کیا فائدہ
یوں جب بن کہے تجھے سب خبر ہے پھر نہ کہنے سے کیا حاصل

اگرچہ منہ میں زبان میں رکھتا ہوں لیکن دی ہے تو نے ہی
اور جو کچھ میں تجھے کہتا ہوں وہ بھی تیرا ہی کرنا ہے

تجھے خوب معلوم ہے کہ (میں جیسا کچھ ہوں) کافر بہر حال نہیں ہوں،
میں سورج یا آگ کی پوجا نہیں کرتا

نہ کشتم کسے را باہرِ منے
نبردَم ز کس مایہ در رهنِے

مگر می کہ آتش بگورم ازوست
بہ ہنگامہ پروازِ مورم ازوست

من اندوہ گین و می اندہ رُبائی
چہ می کردم اے بندہ پرورِ خدائی

حساب می ورامش و رنگ و بوئے
ز جمشید و بہرام و پرویز جوئے

کہ از بادہ تا چہرہ افروختند
دلِ دشمن و چشمِ بد سوختند

نہ از من کہ از تاب می گاہ گاہ
بدریوزہ رُخ کردہ باشم سیاہ

نہ بستان سرائی نہ مے خانہ
نہ دستان سرائی نہ جانانہ

نہ کسی کو کمر و دغا سے میں نے قتل کیا
نہ زبردستی کسی کا مال و اسباب لوٹا

البتہ (اتنا ہی جرم کیا کہ) شراب پی جس سے میری قبر میں آگ ہے
اور پی کر ہنگامہ آرائی میں چھوٹی کی سی اڑان بھری

میں غم کا مارا اور شراب کی خاصیت یہ کہ گم غلط کر دیتی ہے پی لی،
یہ نہ کرتا تو اے بندہ پرور، میں کیا کرتا!

شراب اور موسیقی و رنگ و بو کا حساب،
تو جمشید، بہرام اور خسرو پرویز جیسے بادشاہوں سے لے،

کہ یہ لوگ جب شراب سے چہرہ پر رونق پیدا کرتے تو،
اپنے دشمنوں کا دل اور آنکھ جلاتے تھے

نہ مجھ سے کہ شراب کے اثر سے کبھی کبھی،
بھیک مانگ کر اپنا منہ کالا کیا

شراب پینے کو (سروسامان چاہئے جو میسر نہ آیا) نہ باغ باغیچے
نہ سلیقے کے عے خانے،
نہ مطرب نہ معشوق،

نہ رقص پری پیکران بر بساط
نہ غوغائے رامش گران در رباط

شبانگہ بہ می رہنمونم شدی
سحرگہ طلب گار خونم شدی

تمنائے معشوقہ بادہ نوش
تقاضائے بیہودہ میفروش

چہ گویم چو منگام گفتن گزشت
ز عمر گرانمایہ بر من گزشت

بسا روز گاران بدل داد گے
بسا نوبهاراں بہ بی باد گے

بسا روزِ باران و شبِ ہائے ماہ
کہ بودست بی می بچشم سیاہ

افقِ ہا پُراز ابرہ من مہرے
سفالینہ جام من از می تہرے

نہ محفل کے فرش پر پری چکیوں کا رقص
نہ دیوان خانے میں گانے بجانے والوں کا شور

ہم نوالہ، ہم پیالہ معشوق کی تھمتا رات کی تاریکی میں پینے کی طرف
اکسا کر لے جاتی تھی۔
اور دن میں شراب فروش (اپنا تقاضا لئے) میرا خون پینے پر تلا ہوتا

ایک طرف شراب (معشوقہ) کی طلب اور دوسری طرف شراب فروش کے بیہودہ
تقاضے (لفظ و نشر مرتب ہے۔ شعر سابق کے دونوں مصرعے یہاں
کے دونوں مصرعوں کو بالترتیب کھولتے ہیں)

جب کہنے کا وقت گزر گیا تو اب میں کیا کہوں کہ
گرانمایہ عمر میں مجھ پر کیا کیا گزری

بہت زمانے عاشقی میں کئے
اور بہت سے موسم بہار ایسے بھی گزرے کہ شراب نہ ملی،

بہت سے برسات کے دن اور پونم کی راتیں
میری نظر میں شراب نہ ہونے سے سیاہ تھیں

برسات کے موسم میں گھٹائیں گھر گھر کر آتی تھیں لیکن
میرا مٹی کا پیالہ سوکھا پڑا رہتا تھا

بهاران و من در غم برگ و ساز
در خانه از بی‌نوائی فراز

جهان از گل و لاله پر بوئ و رنگ
من و حجره و دامن زیر سنگ

دم عیش جزرقص بسمل نبود
باندازه خواهش دل نبود

اگر تافتم رشته گوهر شکست
و گریافتم باده ساغر شکست

چه خواهی زدلق می آلود من
بیس جسم خمیازه فرسود من

ز پائیز گویم بهارم گزشت
ز می بگزم روزگارم گزشت

بناسازگاری ز همسایگان
بسرمایه جوئی ز بیمایگان

بہار کے دن اور میں سروسامان کی فکر میں مبتلا
بے نوائی کے سبب دروازہ کھلا رہتا (سامان ہی نہ تھا کہ چوری کا ڈر ہو)

دنیا میں پھولوں سے چمن کے تختے بھرے اور رنگ و بو کا سیلاب
اور میں حجرہ میں بند عاجز و بے مایہ رہا

عیش کا جو لمحہ زندگی میں میسر آیا وہ مرغِ لعل کی پھڑک تھا،
اور وہ بھی جتنا دل چاہتا تھا ویسا نہ ملا

حالت یہ رہی کہ (ہار بنانے کو) اگر تاگا بٹ لیا تو موتی ٹوٹ گیا،
اور کہیں سے شراب نصیب ہوئی تو پیالہ ٹوٹ گیا

میری شراب آلود گودڑی سے (اے مالکِ روزِ حساب) اب کیا چاہئے؟
انگڑائیوں (بد انجامیوں) سے میرے تھکے تھکائے جسم کو دیکھ

بہار کا ذکر ختم ہوا، اب اپنے خزاں کے زمانے کا ذکر کرتا ہوں
شراب کا ذکر چھوڑتا ہوں کہ میرا (پینے پلانے کا) زمانہ گزر گیا

کہ یہ سارا زمانہ ہمایوں سے بگاڑ مول لینے میں اور
بے حیثیت لوگوں سے مانگنے مانگنے میں ہی گزر گیا

سراز مَنّتِ ناکسان زیر خاک
لب از خاکبوسِ خسان چاک چاک

بہ گیتی درم بینوا داشتے
دلہم را اسیر ہوا داشتے

نہ بخشندہ شاہیکہ بام دہد
بہر بار زر پیل بام دہد

کہ چون پیل زانجاہر انگیزمے
ژرش برگدایان فروریزمے

نہ تازک نگارے کہ نازش کشم
بہر بوسہ زلف درازش کشم

چوزان غمزہ نیشی بدل برخورد
رگ جان غم نوک نشتر خورد

بدان عمر ناخوش کہ من داشتم
ز جان خار در پیرهن داشتم

نالائقوں کے احسان سے زمین میں سر دھنسا رہا
اور کمینوں کی قدم بوسی سے لب اُدھڑے رہے

اے پروردگار تُو نے دنیا میں مجھ کو بے حیثیت رکھا اور اس بے نوائی
پرستم یہ کہ سینے کو آرزوؤں سے بھر دیا

نہ وہ دریا دل بادشاہ جس کے دربار میں میری رسائی ہوتی اور
ہر باریابی پر ہاتھی بھر کے سونا دیا جاتا

کہ میں وہاں سے ہاتھی پر سونا لادے نکلتا تو
محتاجوں پر ساری دولت بکھیرتا چلا جاتا

(دولت اور اس کے جائز مصرف سے جو محرومی رہی وہ اپنی جگہ) ایسا
نازک بدن محبوب بھی مجھے نصیب نہ ہوا جس کے تاز اٹھاتا،
پیار کرنے میں لمبی زلفیں کھینچ لیا کرتا

کہ جب اس کے غمزے کا نشتر دل پر پہنچے تو
رگِ جاں اس کی تکلیف کا لطف اٹھائے

اپنی ناگوار زندگی کے سبب،
جسم میں جان ایسے تھی جیسے لباس کے اندر کاٹنا ہو

چو دل زیں ہوسہا بجوش آمدی
زدل بانگ خونم بگوش آمدی

منوزم ہماں دل بجوش اندرست
زدل بانگ خونم بگوش اندرست

چوں آن نامرادی بیاد آیدم
بفردوس ہمدل نیا نیاسایدم

دلے را کہ کمتر شکید بہ باغ
در آتش چہ سوزی بسوزندہ داغ

صبوحی خورم گر شراب طہور
کجا زہرہ صبح و جام بلور

دم شب روی ہائے مستانہ کو
بہ ہنگامہ غوغائے مستانہ کو

دران پاک میخانہ بے خروش
چہ گنجائ شورش نائی و نوش

ان آرزوؤں سے جب میرا دل جوش میں آتا تو
دل سے کانوں تک خون کی سنسناہٹ سنائی دیتی تھی

اب بھی وہی دل جوش کھا رہا ہے اور
دل سے کانوں تک خون کی آواز سنائی دیتی ہے

جب مجھے اپنی زندگی کی وہ ناکامی یاد آئے گی تو
جنت میں بھی راحت نہ ملے گی (یہ یاد بے چین رکھے گی)

میرا جیسا دل ، جسے باغ (باغ بہشت) میں چین نہ ملتا ہو
اسے جھنم کی آگ میں جلانا کیا ضرور (جلانے کو) داغِ حسرت تو تھا ہی

اگر صبح سویرے شرابِ طہور منہ کو لگائی بھی تو
صبح کا ستارہ اور بلور کا جام (جنت میں) کہاں نصیب ہوگا

مستی میں راتوں کا مٹر گشت کہاں ہو سکتا ہے کہ
ہنگامہ کریں اور مستی میں شور مچائیں

جنت تو ایک پاکیزہ مے خانہ ہے جس میں ہو حق کا گذر نہیں
نہ گانے اور شراب نوشی کا شور مینٹر

سیہ مستی ابرو باران کجا
خزان چوں نہ باشد بهاران کجا

اگر خور در دل خیالش کہ چه
غم هجر و ذوق وصالش کہ چه

چه منت نهد ناشناسانگار
چه لذت دهد وصل بے انتظار

گریزد دم بوسہ اینش کجا
فریید بسو گندوینش کجا

برد حکم و نبود لبش تلخ گوئی
دهد کام و نبود دلش کام جوئی

نظر بازی و ذوق دیدار کو
بفردوس روزن بہ دیوار کو

بادل اٹھیں ، بارش ہو اور اس میں پھر پی کر بہنے کا لطف آئے
یہ بات جنت میں میسر نہیں آسکتی کیوں کہ جب وہاں خزاں ہی
نہیں تو بہار کا لطف کیا خاک آئے گا؟

جب حور موجود ہوگی تو دل میں اس کا خیال کیسے آئے گا؟
نہ غم بھر ہوگا نہ شوق وصل

جس حسینہ سے پہلے کی جان پہچان نہ ہو وہ ہم پر کیا احسان
دھرے گی ، اور جس وصل کی خاطر انتظار کی کٹھن گھڑیاں نہ
گذاری ہوں ، اس میں کیا لذت ملنے والی ہے!

اس حور کو بھلا یہ کہاں آتا ہے کہ ہم پیار کرنے لگیں تو وہ ہاتھ چھڑا
کر بھاگ لے ، نہ یہ کہ جھوٹی قسمیں کھا کر فریب دے

اُسے ہمارے حکم کی تعمیل سے غرض ہوگی ، جلی کٹی باتوں سے اس کے لب
آشنا نہ ہوں گے ، (یہ بھی کیا ایک طرفہ معاملہ ہوا کہ) ہماری پیاس
تو بجھا دے لیکن خود اسے کسی بات کی کوئی پیاس نہ ہو

جنت میں نہ نظر بازی کا لطف ، نہ کسی کو تکنے کی آرزو ، یہ سب
باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں دیوار اور روزن دیوار ہو ، جب یہی نہ
ہوں گے تو تاکنے جھانکنے کے لطف سے بھی محروم رہیں گے

نه چشم آرزو مند دلالة
نه دل تشنه ماه پر کاله

ازینها که پیوسته میخواست دل
هنوزم همان حسرت آلاست دل

چو پُرسش رگے را بکاود زدل
دو صد دجله خونم تراود زدل

بهر جرم کز روئی دفتر رسد
زمن حسرتی در برابر رسد

به فرمائی کایں داوری چون بود
که از جرم من حسرت افزون بود

هر آئینه هم چون منی را به بند
تلافی فراخور بودن گزند

بدیسی مویه در روز امید و بیم
بگریم بدانسان که عرشِ عظیم

نہ آنکھوں کو یہ آرزو ہوگی کہ دلالہ آئے اور ادھر سے پیغام لائے،
نہ دل کو کسی مہ پارہ کی طلب ہوگی

یہ ساری آرزوئیں دل میں بھری ہوئی اس دنیا سے لایا ہوں اور
ان کے سبب آج تک دل حسرت زدہ ہے

جب سوال و جواب کی کش مکش ہوگی تو دل کی کوئی دکھتی رگ
کھرچ جائے گی اور، خون کے دو سو دریا اُبل پڑیں گے

میرے نامہ اعمال میں جتنے جرم سامنے آئیں گے
اُن میں سے ایک ایک کے مقابل ایک حسرت ہوگی

اب آپ ہی فرمائیے کہ یہ کیسی عدالت ہوئی
جہاں میرے گناہوں سے بڑھ کر حسرتیں نکل آئیں

یقیناً مجھ جیسے گنہگار کی --- حالت قید میں
ملائی کی جائے نہ کہ سزا دی جائے

قیامت کے دن میں
ایسے نالہ و زاری سے روؤں گا کہ عرش عظیم

شود از تو سیلاب را چاره جوی
تو بخشی بدان گریه ام آبروی

و گر خون حسرت هدر کرده
زیاداش قطع نظر کرده

گزشتیم ز حسرت امیدیم هست
سپید آب روئی سپیدیم هست

که البتہ ایس روندنا پارسا
کج اندیشه گبر مسلمان نما

پرستارِ فرخنده منشور تست
هوادارِ فرزانه و خشور تست

به بند امید استواری فرست
به غالبِ خطِ رستگاری فرست

پر طوفان آ جائے گا اور عرش تجھ سے پناہ چاہے گا
اور تو میرے اس رونے کے سبب مجھے آبرو بخش دینا

اور اگر تو نے میری حسرتوں کا خون جائز رکھا
اور فیصلہ کیا کہ جرم و سزا کا معاملہ ٹال دیا جائے ، تو

حسرت کو میں نے چھوڑا ، مجھے ایک امید ہے کہ
رو سپیدی کیلئے ایک سپید آب (صاف پانی) موجود ہے

کہ یہ رند فطرت انسان جس نے پرہیزگاری کی زندگی بسر نہیں کی
جس کے خیالات کج کج ، ظاہر کو مسلمان اور ویسے بے دین ہے۔

تیرے پاکیزہ فرمان (قرآن) کا ماننے والا
اور تیرے دانش مند نبی کا چاہنے والا

اس کی اُمید کی کڑی کو مضبوطی عطا کر اور
نجات کا پروانہ غالب کے نام روانہ کر دے

مُغَنّی نامہ

مُغَنّی دگر زخمہ بر تار زن
گل از نغمہ تر بدستار زن

بہ پروازش آن گل افشان نوائے
نگویم غم از دل دل از من رُنائے

دل از خویش بردار و برساز نہ
ہم از خویش گوشی بر آواز نہ

ز گنجینہ ساز بردار بند
دریں پردہ نقشے بہنجا ر بند

برامش بہ ژہرہ ہم آواز شو
بہ آہنگ دانش نوا ساز شو

کہ دانم زدستانسرائے چنیں
دلآویز باشد نوائے چنیں

ز کام و زبان ہر سہ جان را درود
ز جان جاودانی روان را درود

مُغنی تار پر دوسری مضرب لگا ، کوئی ایسا پُر اثر نغمہ سنا کہ تیری
دستار پر فضیلت کا پھول چڑھے

اپنی وہ گل فشاں آواز سنا کر نہ صرف دل سے غم کو ،
بلکہ میرے سینے سے دل کو اڑا لے جا (یعنی دل ربائی کر)

اپنی ذات سے دل ہٹا کر، ساز پر لگا اور ،
پھر جو آواز بلند ہو اس کو سُن (متوجہ ہو)

ساز (کہ آوازوں کا خزانہ ہے) کھول دے اور
اس پردہ ساز سے سلیقہ کا نقش پیدا کر

نغمہ چھیڑ کر (مطربہ فلک) زہرہ کی آواز ملا دے اور
عقل کے آہنگ میں موسیقی چھیڑ

کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ ایسے مطرب سے
ایسا ہی دل آویز نغمہ سنا جائے گا

تیرے حلق اور زبان دونوں سے تینوں جانوں (روح نباتی،
روح حیوانی، روح انسانی) کو تحفہ پہنچے اور،
ہماری روح کی طرف سے ہمیشہ زندہ رہنے والی روح پر صلوة ہو

گھر جوئے رامژدہ کز تیرہ خاک
درخشد ہمے گوہر تابناک

کہ ہر گوہرے را کہ دارند پاس
بدان گیرد اندازہ گوہر شناس

دمی کاندر آئین زمن میرود
تو دانی سخن در سخن میرود

سخن گرچہ گنجینہ گوہرست
خرد را ولی تابشے دیگرست

ہمانا شبہائے چوں پر زراغ
نہ بینی گھر جذبہ روشن چراغ

بہ پیرایش ایس کھن گار گاہ
بدانش توان داشت آئین نگاہ

بود بستگی را کشاد از خرد
سر مردخالے مباد از خرد

جسے موتیوں کی تلاش ہے اسے خوش خبری ہو کہ بے نور مٹی سے
دملتا ہوا موتی مظهرِ عام پر آ رہا ہے

کیوں کہ وہ موتی جسے عزیز رکھا جاتا ہے
اسی موتی سے جوہری (موتی کی قدر و قیمت کا) اندازہ کرتا ہے

میری طرف سے جو ”آئین“ میں سخنِ سنجی ہوتی ہے
تو اس میں بات سے بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے

کلام یا شاعری اگرچہ موتیوں بھرا خزانہ ہے لیکن ،
عقل کی بات جب سخن میں آئے تو اس کی آب و تاب کچھ اور ہی ہے

لازم بات ہے کہ کڑے کے پر جیسی سیاہ راتوں میں
موتی بھی نظر نہیں آتا، جب تک کہ اسے روشن چراغ دکھایا نہ جائے

اس پرانے کارخانے (فنِ سخن) کی آرائش میں
عقل ہی سے درست سلیقہ ملحوظ رکھا جا سکتا ہے

مشکلات کا حل عقل ہی کرتی ہے
مرد کے سر میں عقل ہمیشہ رہے، کبھی وہ عقل سے خالی نہ ہونے پائے

خرد چشمه زندگانی بود
خرد را به پیری جوانی بود

فروغ سحر گاه روحانیان
چراغ شبستان یونانیان

پگاهے کہ پوشیدہ رویانِ راز
بہ خمیازہ جستند از خوابِ ناز

چہ خمیازہ عنوانِ نامِ آوری
خمارِ مئے خواہشِ دلبرے

ازان پیش کایں پردہ بالا زند
نگہ را ملائے تماشا زند

ردائے فلک گوہرِ آما شود
بساطِ زمیں عنبرِ اندا شود

نوردی ازان پردہ برجائے خویش
بروں داد نوری ز سیمائے خویش

عقل زندگی کا سرچشمہ ہے اور جب
آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو عقل اس کی جوان ہو جاتی ہے

عقل ہی روحانی لوگوں کی صبح کا اُجالا اور
یونانی اہل علم کی خواب گاہ کا چراغ ہے

اس صبح کو جب راز کے پردے میں منہ چھپانے والے، (الوہی جلوے)
خوابِ ناز سے انگڑائی لے کر اٹھے

یہ انگڑائی کیا تھی، خود کو روشناس کرانے کی ابتداء
یا دلبری کی خواہش کا خمار ،

تو اس سے پہلے کہ یہ پردہ اٹھایا جائے اور
نگاہ کو مشاہدے کی دعوت دی جائے

اور آسمان کی چادر موتیوں سے بھرے اور زمین کے فرش پر خوشبو
کا لیپ ہو (آسمان و زمین اپنی موجودہ صورت میں نمودار ہوں)

اس غیب کے پردے میں سے
ایک تہ نے اپنی پیشانی سے ایک نور کی چھوٹ ڈالی۔

زیالی کہ رخشائی برق زد
سراپردہ جوشِ انا الشرق زد

نخستیں نمودار هستی گرائے
خرد بود کامد سیاہی زدائے

بہ پیمانہائے نظر نور پاک
نمودند قسمت براجزائے خاک

زہر ذرہ کمان آفتابی شود
نگہ سرخوش کامیابی شود

هنوزم در آئینہ رنگ بست
خیالے ازان عالم نور هست

کف خاک من زان ضیا گسترست
کہ چون ریگ رخشان بانجم گریست

کسی کو دم از روشنائی زند
بمخود فال دانش ستائی زند

بجلی کی سی چمک نے جو بازو پھیلائے تو سرا پردہ غیب یوں
دکھ اٹھا گویا اس نے انا الشرق (میں ہوں شرق) کہا۔

عقل ہی تھی جس نے سب سے پہلے عالم وجود میں قدم رکھا اور اس نے
تاریکی کو صاف کیا (حکما کے مذہب کے مطابق اول مخلوق عقل اول ہے)۔

عقل کا پاکیزہ نور خاک کے اجزا کو اُن کے (فکر و) نظر کے
پیمانے یا ظرف کے مطابق بانٹ دیا گیا

ہر ذرہ سے جو اس آفتاب سے چمک جاتا ہے،
نگاہ اپنی فتح مندی میں سرشار ہوتی ہے

آج تک میرے پچے رنگ کے آئینے میں
اسی عالم نور کی ہلکی سی پرچھائیں باقی ہے

اسی نور ازل یا عقل کی روشنی کا کرم ہے کہ میری مٹھی بھر خاک کو
ضیا گستری حاصل ہے اور
وہ چمک دار ذروں کی طرح ستارے پیدا کر رہی ہے

وہ جسے ذہنی روشنی کا دعویٰ ہے اور جس نے
عقل کی تعریف و تحسین کرنا اختیار کیا ہے

دریں پرده خود را ستایش گریست
که دانند مردم که دانشورست

خرد جویم از خود بود مرگ من
بہ ہستی خرد بس بود برگ من

سخن گرچہ پیغام راز آورد
سرود ارچہ در اہتزاز آورد

خرد داند ایس گوہر یس در کشاد
زمغز سخن گنج گوہر کشاد

خرد داند آن پرده برساز بست
برامش طاسمے ز آواز بست

بدانش توں پاسِ دم داشتن
شمسِ خرامِ قلم داشتن

اس پردہ میں وہ خود اپنی ستائش کرتا ہے
تاکہ لوگ اس کی دانش وری یا ہوش مندی کے قائل ہو جائیں

اگر عقل کے ہاتھوں موت آتی ہو تب بھی مجھے عقل کی ہی
تلاش و تمنا ہے
زندگی میں مجھے ایک ہی سروسامان چاہئے۔ یعنی رُخ، وہی میرے
لئے کافی ہے

سخن اگرچہ دل کی بات ظاہر کرتا ہے اور،
اگرچہ نغمہ و سرود جوش پیدا کرتا ہے، لیکن

عقل ہی ہے جو یہ موتیوں کا سا ذرہ کھولنا جانتی ہے
سخن کے معانی سے موتیوں کا خزانہ کھولتی ہے
(یعنی شعر میں حسن معانی پیدا کرنا عقل کا کام ہے)

عقل ہی ساز پر موسیقی کا پردہ باندھتی ہے اور
ساز سے آواز کا طلسم پیدا کرتی ہے

عقل کے ذریعے ہی آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ کتنی بات کہے،
اور قلم کتنے قدم چلے

ازیں بادہ ہر کس کہ سرمست تر
بافشاندن گنج تردست تر

بہ مستی خرد رهنمائے خودست
رؤد گرز خود ہم بجائے خودست

بکام دل می پرستان شبے
بساقی گری خاست نوشیں لبے

تبسم کنان بادہ در جام ریخت
پئے نقل از پستہ بآدم ریخت

ز لب ہوسہ بر لب جام زد
بغود کرد پیمانہ را نامزد

لبش رامی از بسکہ افشردہ تنگ
بیامیخت بالب چو بالعل رنگ

عقل کا نشہ وہ ہے کہ جو فحش جتنا مست ہو
وہ اتنا ہی قیمتی خزانہ لٹانے میں فیاض ہوتا ہے

مستی کے عالم میں بھی عقل اپنی رہنمائی کر لیتی ہے
بہکے بھی تو بھٹکنے نہیں پاتی
(ارسطو کا مذہب یہ ہے کہ عقل فعال ہی ہر انسان میں إدراکِ کلیات
کرتی ہے یعنی عقلِ فعال کے پرتو سے انسان عاقل ہے، اُس نے
انسانوں کو یہ فیض کیسے پہنچایا اس کو مرزا نے ایک تمثیل سے آگے کے
اشعار میں بیان کیا ہے)

ایک رات کیا ہوا کہ مے نوشوں کی مراد بر آئی ،
ایک شیریں لب نے ساقی گری کی خدمت انجام دینی شروع کی
(یعنی عقلِ فعال نے فیض پہنچانے کا ارادہ کیا)

مسكراتے ہوئے اس نے جام میں شراب ڈالی اور
گزنک کے طور پر اپنے پستہ گوں لبوں سے بادام بھی پیش کئے

جام کے لبوں پر اپنے لب کا بوسہ دیا اور
پیالے کو اپنے سے منسوب کر لیا (کہ یہ میری صحت کا جام ہے)

شراب نے اس کے لبوں کو زور سے بھینچا (یا لبوں کا چٹکارہ لیا)
تو ہونٹوں میں یوں گھل مل گئی جیسے رنگ لعل میں ملا ہوتا ہے

همیخواست باتشنگان دست بُرد
خودش باده خویش از دست برد

بدان می که خود خورد و از دست شد
نه یک تن دوتن کانجمن مست شد

کجا در خورِ آن شیرابیم ما
ز میخواره ساقی خرابیم ما

چو ساقی رو خود نمائی گرفت
به مستی خرد زور وائی گرفت

سیه مست تر هر که هشیار تر
سبکدوش تر چون گرانبار تر

جگر گون نوائے که نامش دلست
ز ته جرعه خواران این محفلست

نشیدے کہ مستانِ این می کشد
صبرِ راز قلم ناله از نے کشد

شیریں لب ساقی کا جی چاہا کہ پیاسوں کا متاع اڑالے
تو اپنی شراب سے خود ہی پی کر بہک گیا اور وہ اُسے چڑھ گئی

وہ شراب جو اس نے خود پی اور پیتے ہی بہکا ،
ایک دوپینے والے نہیں بلکہ پورا مجمع مست ہو گیا (باوجودیکہ پی خود ساقی نے)

ہم کہاں اس قابل کہ وہی شراب ہمیں بھی نصیب ہو، ہم تو ساقی
سے خوار کے مارے ہوئے ہیں ،
اس کی مستی دیکھ کر خود مست ہو گئے ہیں (یعنی عقل تو صرف عقلِ فعال
ہی کو حاصل ہے انسانوں پر اسکا پرتو پڑا ہے)

جب ساقی کو اپنا جلوہ دکھانے کی سوجھی تو ،
عالمِ مستی میں اس سے رواجِ عقل حادث ہوا (یعنی انسانوں میں عقل کام کرنے لگی)

اب جو جتنا ہشیار ہے، اتنا ہی بد مست ہو کر رہے گا اور ،
جو جس قدر بھاری ہوتا جائے گا اتنا ہی بوجھ سے آزادی محسوس کرے گا

وہ خونیں نالے کرنے والا جس کا نام دل ہے ،
اسی محفل میں تلچھٹ کے گھونٹ دو گھونٹ پینے والوں میں شامل ہے

اس شراب سے مست ہونے والے جب ترانہ گاتے ہیں تو
قلم کی سرسراہٹ اور بانسری کی فریاد پیدا ہوتی ہے

سرود سخن روشناسِ همست
که هر یک ز وابستگانِ دمست

بود در شمارِ شناسا ورے
خرد را به گفتار هم گوهرے

زہے کیمیائے معانی سخن
بخود زندہ جاودانی سخن

سخن را ازان دوست دارم کہ دوست
به تصدیق از ما طلب گار اوست

سخن گرچه خود گوهریں افسرست
سخن در سخن لعل با گوهرست

سخن باده اندیشه مینائے او
زبان بے سخن لائی پالائے او

به پیمودنِ باده پیمانہ گوش
خرد ساقی و خود خرد جرعه نوش

کلام یا شعر سے جو نغمہ بلند ہوتا ہے اس میں درد کی کسک بھی ہے،
کیوں کہ ہر ایک دم (لمحہ یا سانس) سے وابستہ ہے، (دم اور غم کا ساتھ ہے)

دانش مند کے نزدیک عقل اور گفتار
کا جوہر یا اصل ایک ہے

خن یا کلام دراصل معانی کی کیمیا ہے
اس کے کیا کہنے وہ اپنے دم سے زندہ چادواں ہے

مجھے خن اس لیے عزیز ہے کہ دوست (خالق حقیقی) ہم سے
یہ چاہتا ہے کہ خن کے ذریعے اس کی تصدیق کریں
(یعنی تصدیق باللسان واجب کی ہے)

اگرچہ کلام خود موتیوں کا تاج ہے،
لیکن کلام میں کلام یا بات میں بات نکل آئے تو گویا لعل و گوہر کا ساتھ ہوا

خن شراب کے مثل ہے اور فکر و خیال اس کی بوتل ہے
وہ زبان جو (دل کش) خن سے محروم ہو، تلچھٹ چھاننے والی صافی
کی طرح ہے (کہ نہ شراب نہ بوتل)

بادہ پیائی (شراب نوشی) میں کان ہی پینے کا کام کرتے ہیں
عقل ہی ساقی ہے اور وہی خود پینے والی

حریفان دریں بزم همواره مست
ببوئی ز می جملہ یکبارہ مست

پلنگینہ پوشان دریں انجمن
چو گردون برقص اندرون چرخ زن

خرد کرده در خود ظہوری دگر
دل از دیدہ پذیرفتہ نوری دگر

ز گنجی کہ بینش بویرانہ ریخت
در آفاق طرح پری خانہ ریخت

زدودن ز آئینہ زنگار بُرد
زدانش نگہ ذوق دیدار بُرد

دریں حلقہ اوپاش دیدار جوئے
بدر ویزہ رنگ آورده روئے

خرد کرده عنوان بینش درست
رقم سنجئے آفرینش درست

شراب پینے والے یاروں کو دیکھو تو اس محفل میں ہمیشہ ہی مست پاؤ گے
ادھر شراب کی مہک آئی ادھر سکھوں کو نشہ چڑھا

اس محفل میں جو لوگ سپاہی ہیں ،
وہ جھومنے اور ناچنے پر آتے ہیں تو آسمان کی طرح گھومتے ہیں

عقل نے اپنے وجود میں ایک اور ہی جلوہ دکھایا ہے
دل کو آنکھوں کی طرف سے ایک اور روشنی پہنچی ہے

بصیرت یا خرد نے جو خزانہ ویرانے میں ڈالا ،
اسی سے دنیا میں حسن و زیبائش کا سامان ہوا

آئینے کو گھس کر چکایا گیا تو اس کا رنگ جاتا رہا ،
نگاہ نے عقل سے دیدار کا ذوق حاصل کیا ہے

اس حلقے میں وہ بد نظر آدمی جو محض دیدار کا بھوکا ہے
وہ صرف رنگ کی بھیک چاہتا ہے

عقل ہے جو نگاہ کا زاویہ درست کرتی ہے ،
(اور بصیرت کی راہیں کھول دیتی ہے)
اور عالم آفرینش، یعنی کائنات کی تحریر میں درستی پیدا کرتی ہے۔

فروغ خرد فرّۀ ایزدیت
خدانشناسی ز نابخردلست

نظر آشواروئے دانائیش
عمل روشناس توانائیش

زاندیشہ دم زد نظر نام یات
بکردار رفت از اثر کام یافت

بچشم سبکسرازو گوش تاب
گران پائے خواهش ازودر حساب

چنان سطوتش راز بون خشم و آزر
کہ فرمان او بُردہ گرگ و گراز

غضب را نشاط شجاعت دهد
ز خواهش بہ عفت قناعت دهد

باندازه زور آزمائی کند
خورد پادہ و پارسائی کند

عقل کا نور خدا کی شان ہے
اگر آدمی خدا کو نہ پہچانے تو یہ عقل کا فتور ہوا

غور و فکر (یا نظر) اس کی حکمت کو پہچانتے ہیں
اور علم اس کی قوت کا روشناس ہے

جب خرد نے غور و فکر کیا تو اس کا نام نظر ہوا
جب عمل میں ظہور کیا تو اثر سے کامیاب ہوئی

عقل ہی سطحی نظر کے کان گرم کرتی ہے (اسے ادب سکھاتی ہے)
اور خواہش کے بھاری پاؤں کی عقل سے کش مکش ہے

عقل کے سامنے غصہ اور لالچ دونوں اس قدر ذلیل شکار ہیں کہ غضب ناک بھیڑیا
اور لالچی سور دونوں اس کے حکم کے تابع رہتے ہیں (یعنی انسان جب غضب میں
بھیڑیا ہو جائے اور لالچ میں سور، تو بھی اس کو عقل روکتی ہے)

قوت غضبیہ کو عقل انسانی شجاعت کے لطف سے بدل دیتی ہے اور
خواہش میں روک تھام پیدا کر کے قناعت صفت بنا دیتی ہے
(شجاعت کے معنی بر محل مزاحمت یا مقابلہ کرنا)

خرد ایک حد کے اندر زور آزمائی کرتی ہے، شراب پی کر بھی پارسائی
قائم رکھتی ہے (اور بے اختیار نہیں ہونے پاتی)

بدین جنبش از مرگ بخشد نجات
بر اندیشه پیماید آب حیات

منشائے شائسته عادت شود
نظر کیمیائے سعادت شود

زدانش پدید آید آئین داد
رسی چون بدین پایه نعم المعاد

برنداز تو گر خود سرانندگی
ندارد زیانے بیائندگی

جگر خوں کن و از دل آزاد زی
بدین جاودانی روان شاد زی

چنان دان که مردی بر اسپی سوار
بدشتی رخ آورده بهر شکار

جگر خواره یوزیست همراه او
جگر خواری یوز دل خواه او

عقل کی حرکت موت سے نجات دلانے والی اور
خیالات میں آپ حیات کی تاثیر پیدا کرنے والی ہے

پسندیدہ خصلتیں (اگر عقل سے کام لیا جائے تو) انسان کی عادت
بن جاتی ہیں اور
(نظر میں فطرت بدل ڈالنے کا وہ کمال پیدا ہوتا ہے کہ) نظر ہی
کیا ہے سعادت بن جاتی ہے

عقل ہے جو انصاف کے اصولوں کی پابندی کراتی ہے،
جب اس مقام کو پہنچ جاؤ تو انجام بخیر ہے

اگر تجھ سے خود سرائی کو دور کر دیں تو،
اس صورت میں کوئی قائم ضرر پیدا نہیں ہو سکتا (تیرے لئے)

رنج و غم اٹھا اور دل کی خواہش سے آزاد رہ،
اس طرح جو حیات جاوید حاصل ہوتی اس میں شاد رہ

یوں سمجھو کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر
جنگل میں شکار کرنے نکلتا ہے

ایک خوں خوار (شکاری) چیتا اس کے ساتھ چل رہا ہے اور،
چیتے کی یہ خوں خوری سوار کے منشا کے مطابق ہے۔

کند گربان دیشہ رفتارها
نگهدار اندازه کارها

نگیرد سمنندش ره توسنے
بود رام یوزش بصید افگنے

بہ نیروئ مردی و غم خوارگی
همیش یوز آسوده هم بارگی

چنیس کس بدیگونه رخس و پلنگ
تواند کہ صیدی در آرد بچنگ

دگردشت پیمانه رپیشہ نیست
شناسائے فرجام اندیشہ نیست

ره انجام بیراہہ پوئی کند
دواندر روش زشت خوئی کند

چرد درد چراگاہ تا برگ و شاخ
رود در پے صید در سنگلاخ

اب اگر سوار سوچ سمجھ کر آگے بڑھتا ہے اور
اندازے اور مناسبت کا خیال رکھتا ہے،

اس کا گھوڑا بے قابو ہو کر سرپٹ نہیں دوڑ جاتا تو،
چیتا شکار پر جھپٹنے میں شکاری کے حکم کی پابندی کرے گا

مردانگی کی قوت اور ہمدردی کے اثر سے
چیتا بھی مزے میں رہے گا اور شکاری بھی

اس قسم کا آدمی، ایسے گھوڑے اور چیتے کو
ساتھ لے کر شکار مار لائے گا

لیکن اگر یہ شخص ہنر مندی سے خالی ہے اور
غور و فکر کر کے اچھے نتیجہ کو نہیں جانتا

تو راستہ بھٹک جائے گا اور وہ
جانور بھی شرارت پر اتر آئے گا

ایسے شخص کی غفلت سے گھوڑا تو چراگاہ کے اندر
اتنا کھا جاتا ہے کہ (دوڑنے کے لائق نہیں) پتے ٹہنی تک چر جانے
میں لگ جائے گا اور شکار میں پتھریلی زمین پر دوڑایا جائے گا تو۔

بجوشد بسر مغز رخش از تموز
به خارا شود سفته چنگال یوز

بمستی یکے گشته پولاد پائے
ز تندی یکے رفته پولاد خائے

مرایں رازِ پُری شکم بادناک
مرآن رازِ گرمی زباں چاک چاک

سوار اندرین هرزه گردی نژند
نه رویش براه و نه صیدش به بند

سواری که رخشش نه فرمان برد
ندانم که بیچاره چون جان برد

من بے خبر کایں قدم میزنم
مپندار کز داد دم میزنم

بدین دم که در نامه رانم همی
بدان خاک ناچیز مانم همی

گرمی اور پیاس کے مارے گھوڑے کا بھیجا پک جائے گا اور
چیتے کے پنجے کنکر مٹھر زخمی ہو جائیں گے

ایک کی حالت مستی کے زور میں یہ ہوگی کہ پاؤں فولاد کی طرح سخت اور
بے حرکت ہو جائیں اور تیزی میں دوسرے کا حال یہ ہوگا کہ گویا اس کی تھوئی فولاد پر
پڑتی ہو۔

ایک کا پیٹ ایسا تن گیا ہوگا کہ اس میں ہوا بھر جائے گی
اور دوسرے کی زبان گرمی کے مارے ٹکڑے ہونے لگے گی

ادھر سے ادھر بھٹکنے میں سوار خود بے حال ہو جائے گا
نہ راستے پر قدم نہ شکار بند میں شکار

وہ سوار جس کا گھوڑا اس کے کہنے پر نہ چلتا ہو
نہ جانے پیارے کی جان کیسے بچے گی

میں ایک بے خبر آدمی، جو چل رہا ہوں (یعنی جو کچھ بیان کر رہا ہوں اس سے)
یہ نہ سمجھنا کہ مجھے حق گوئی کا دعویٰ بھی ہے

بلکہ اس کلام سے جو اس کتاب میں آرہا ہے
میں اس ناچیز خاک کی مانند ہوں

کز آن خاک ریحان و سنبُل دَمَد
دگر گونه گون لاله و گل دَمَد

تماشائیان را بود سرو و تاک
بُود هم چنان جوهر خاک خاک

ز دردی که دل را بهم می زند
ز جوشی که خاطر بغم می زند

بُود در گزرگاه آواز من
شناور بخون گوش دمساز من

بدانش غم آموزگار منست
خزانِ عزیزان بهار منست

غمی کز ازل در سرشت منست
بود دوزخ اما بهشت منست

به غم خوشدم غمگسار غمست
به بیداشی پرده دارم غمست

کہ جس خاک سے ریحان اور خوش رنگ پھول کھلتے ہیں
اور طرح طرح کے لالہ و گل اُگتے ہیں

سیر کرنے والوں کو سرد و انگور کی تیل کا تماشا نظر آتا ہے
مگر یہ سب خاکی ہیں اُن کی اصل خاک ہے

لیکن اس درد سے جو دل کو تباہ کرتا ہے،
اور سینے میں غم سے جوش آتا ہے، اُن کی وجہ سے

میری آواز کی راہ میں وہی کان ساتھ دیتے ہیں
جو خون کی موج میں تیر چکے ہوں

غم ہے جس نے مجھے عقل و دانش کی تعلیم دی ہے (یہی غم)
جو دوستوں کو اُجاڑ دیتا ہے، میرے حق میں بہار ثابت ہوا

وہ غم ازل سے میری فطرت میں ہے (کسی کے لئے)
دوزخ ہو تو ہو میرے لئے جنت ہے

میرا اور غم کا اچھا نباہ ہو رہا ہے، کیونکہ یہ میرا ہمدرد ہے
اور غم ہے جس نے میری
کم عقلی کا بھرم رکھ لیا (غم نے پردہ کھڑا کر دیا ورنہ
بے عقلی ظاہر ہو جاتی)۔

زمن جوئے در بدن کو زیستن
جگر خوردن و تازہ روزیستن

درشتی بہ نرمی زیوں داشتن
رسد گرستم غمزہ پنداشتن

بہ جز از دروں سو جگر سوختن
بناز از بروں سُورُخ افروختن

بہ هنگامہ نیرنگ ساز آمدن
ز خود رفتن و نور باز آمدن

زدل خار خار گم انگیزختن
خسک در گزار نفس ریختن

سمن چیدن و در رہ انداختن
دل افشردن و در چہ انداختن

بدریوزہ گنجینہ اندوختن
ببازیچہ دانائی آموختن

(سیکھنا ہے تو) مجھ سے دیکھو کہ بُرے حالات میں مزے کی
زندگی کیوں کر گزاری جاتی ہے،
اور اپنا جگر کھا کو خوش و عزم کیوں کر جیا جاتا ہے

زنی سے (زندگی کی) سختیوں کے دانت کھٹے کر دینا،
اور ستم ہو تو اس کو ناز و غمزہ سمجھنا (قدرت کی شوخی شمار کرنا)

عاجزی اور بیچارگی کے مارے اندر سے تو دھواں اٹھ رہا ہو اور
فخر و ناز کے عالم میں باہر سے چہرے پر رونق رہے

کار گزاری میں رنگا رنگ طلسم باندھ دینا
بیخود ہو جانا اور جلدی سے پھر ہوش میں آ جانا

دل سے غم کی پریشانی اٹھا دینا اور
سانس کی آمدورفت کی راہ میں کانٹے بچھانا

پہلے چینیلی کے پھول چننا اور پھر انھیں راستے میں لٹاتے جانا
اپنا دل نہچوڑ کر کنویں میں ٹپکانا

بھیک مانگ مانگ کر خزانہ بٹورنا (دوسرے کے علم و عقل سے خوشہ چینی کر کے)
کھیل کھیل میں دوسروں کو دانائی سکھانا۔

طرب را به مے خانه گردن زدن
طرب خانه را قفل آهن زدن

روان کردن از چشم همواره خون
بشورا به شستن ز رخساره خون

به رفتن سراز پائے نشاختن
بمآئدن تن از جائے نشاختن

شگفتن ز داغی که بردل بود
نهفتن شرارے که در دل بود

بدیں جاده کاندیشه پیموده است
غمم خضر راہ سخن بوده است

نظامی نیم کز خضر در خیال
بیاموزم آئین سحر حلال

زلالی نیم کز نظامی بخواب
به گلزار دانش برم جوئے آب

سے خانہ ہی میں عیش و عشرت کی گردن اڑا دینا
اور پھر محفلِ عیش پر لوہے کا موٹا تالا ڈال کر بیٹھ جانا

آنکھوں سے لگاتار لہو پڑکانا اور
پھر گالوں پر لہو کے دھبے کھاری پانی سے دھونا

جب چلنے کی پڑی ہو تو سر چہر کی تمیز نہ رکھنا
اور جب تھکن سوار ہو تو جسم و مقام کو ایک کر دینا

دل پر داغ لگے تو اسی سے رکھل اٹھنا
سینے میں چنگاری اڑے تو اُسے اپنے وجود میں چھپالینا (یہ سب مجھ سے سیکھو)

قوتِ فکر نے جو یہ راہِ سخن طے کی تو (کچھ آپ سے آپ نہیں کر لی)
غم نے اس میں میری رہنمائی کی

میں کوئی نظامی (مجتہد) نہیں ہوں کہ عالمِ تصور میں
خضر سے حلالِ جادہ (شاعری) کے نکتے سیکھ لیتا
(نظامی نے کہا ہے مجھے خضر نے شعر کہنا سکھایا ہے)

اور نہ زلاتی (خوانساری) ہوں کہ عالمِ خواب میں نظامی سے
فیض اٹھا لیتا اور اس طرح عقل کے چن میں نہر نکال کر لے آتا
(زلاتی نے کہا ہے کہ خواب میں مجھے نظامی نے تعلیم دی)۔

نظامی کشد ناز تا بم کجا
زلالی بُود خفته خوابم کجا

مرا بسکه در من اثر کرده غم
بمرگ طرب مویه گر کرده غم

نظامی به حرف از سروش آمده
زلالی از در خسروش آمده

من از خویشتن بادل درد مند
نوائے غزل بر کشیده بلند

غزل را چو از من نوائی رسید
زوالا پسیجے بجائی رسید

که نشگفت کایں خسروانی سرود
شود وحی وهم بر من آید فرود

نظامی ناز کرتا ہے ، مجھے ناز کرنے کی قوت کہاں؟
زلّائی سویا ہوا ہے مجھے خواب کہاں میسر؟

چونکہ غم میری طبیعت میں اتر گیا اور
میرے لطف و مسرت کی موت پر غم نے مجھے سوگوار بنا دیا ہے

نظامی کو (اس پر ناز ہے کہ) فرشتے نے غیب سے آکر مضامین
دئے تب اس نے لکھا ،
اور زلّائی کو نظامی سے فیض پہنچا، تب حوصلہ بڑھا

میں نے نظامی یا زلّائی کی طرح غیبی سہارے اور دوسرے کی فیض رسانی
پر بسر نہیں کہہ بلکہ) دلی درد مند کے زور پر اپنے
دم سے کام لیا، اور غزل کی لئے خوب اونچی اٹھائی

جب غزل (شاعری) کو میرے لئے ملی تو وہ
عالی ہمتی کے سبب ایسے بلند مقام کو پہنچ گئی کہ

اب اگر یہ عالی شان نغمہ وحی کا درجہ حاصل کر لے اور
پھر مجھ پر نازل ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

نباشم گراز گنجہ گنجم بس ست
بغم گر چنیں پردہ سنجم بس ست

کنونم بسر شور گفتار نیست
بساز غزل زخمہ برتار نیست

بہ شعر ارچہ کمتر شکیم ہمے
بدیں پردہ خود را فریبم ہمے

کسے کش بجائے بود دل بہ بند
بہ افسانہ لختے گسارد گزند

کسے را کہ باغم شہ مارے بود
روا باشد ار غم گسارے بود

کہ درخستگی چارہ جوئی کند
بغم خواری افسانہ گوئی کند

چو میرد بر آن مردہ نالد ہم او
سر انجام کارش سگالد ہم او

اگر میں (نظامی کی طرح) گنجہ کا رہنے والا نہیں ، نہ سہی ،
میرا شاعری کا گنج ہی بہت ہے اور غم کے نغمے جو سناتا ہوں اسی طرح
سناتا رہوں تو کافی ہے

اب حال یہ ہے کہ میرے سر پر کچھ کہنے (یا لکھنے) کا سودا سوار نہیں
رہا، غزل کے ساز کے تار پر زخمہ نہیں لگاتا

اگرچہ شعر کہنے سے اب تسکین و صبر نہیں ہوتا
لیکن شاعری کے پردے میں خود کو فریب دے لیتا ہوں

وہ جس کا دل کہیں لگا ہو
وہ افسانہ کہہ کر دکھوں سے جی بہلا لیتا ہے

جس آدمی کا غم سے حساب چل رہا ہو،
مناسب ہے اگر ایسے کے ساتھ کوئی ہمدردی کرنے یا دکھ بٹانے
والا بھی رہے۔

تاکہ تکلیف کے وقت میں کوئی تدبیر سوچے اور، غم خواری کے جذبے
سے (اور کچھ نہیں تو) افسانہ گوئی کیا کرے
اور اگر دکھوں سے اس کی جان نکل جائے تو لاش پر رولے
چھینر و تکفین کے بندوبست میں لگ جائے۔

مرا بین کہ چوں مشکل افتاده است
چہ خونہاست کاندردل افتاده است

خود از درد بیتاب و خود چارہ جوئے
خود آشفته مغزو خود افسانہ گوئے

بہ تنہائی از ہمدمانِ خودم
بدل مردگی نوحہ خوانِ خودم

کسم در سخن کارفرمائی نیست
بہ بخشندگی منت افزائی نیست

چہ گوید زبان آور بے نوا
چہ آید ز ہیلاج بے کد خدا

شپے کایں ورق را کشودم نورد
بہ پرکار اندیشہ تیز گرد

شب از تیرگی اہرمن روئے بود
ز سودا جہاں اہرمن خوئے بود

ایک میں ہوں کہ جب مشکل میں پڑا تو
کیسے کیسے شدید صدمے اٹھا رہا ہوں کہ

خود ہی درد کے مارے تڑپ رہا ہوں اور
خود اس کے علاج کی فکر کھائے جاتی ہے ، دماغ ٹھکانے
نہیں اور خود ہی افسانے سنا رہا ہوں (اوروں کا دل بہلانے کو)

ہمدموں سے جدا ایسی تنہائی میں ہوں کہ
دل کے مردہ ہونے پر خود ہی اپنا نوحہ خواں ہوں

شاعری میں بھی کوئی میرا کارفرما (حوصلہ دینے والا) نہیں ہے اور
نہ کوئی ایسا ہے کہ اپنی عطا سے ہمت بڑھائے

صاحبِ سخن بے سرو سامانی کے عالم میں ہو تو کیا کہے (کیا نہ کہے)
کد خدا (شوہر) کے بغیر اکیلی کد بانو کیا دے سکتی ہے!

ایک رات جب میں نے تیزی سے گھومنے والے
تصور کی پرکار سے اس ورق کو کھولا

وہ رات اپنی تاریکی میں اہرن کا چہرہ تھی اور
تاریکی سے جہاں کو ایسا سودا بڑھا کہ لوگ بُھوت بلا ہو گئے
(اہرن خالقِ شر ہے اور بے اختیار لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہے)۔

بہ خلوت ز تار یکیم دم گرفت
نشاطِ سخن صورتِ غم گرفت

در آن کنج تار و شبِ هولناک
چراغِ طلبِ کردم از جانِ پاک

چراغِ کہ باشد ز پروانہ دور
چراغِ کہ باد از ہر خانہ دور

نہ بینی نشانِ ز روغنِ درو
کند شعلہ بر خورشِ شیونِ درو

چراغِ کہ بے روغنِ فرو ختم
دلی بود کز تابِ غم سو ختم

زی زدنِ غم آمد دلِ افروزِ من
چراغِ شب و اخترِ روزِ من

نشاید کہ من شکوہ سنجم ز غم
خرد رنجِ داز من چور نجمِ ز غم

ایک تو تنہائی اور اس پر اندھیرا ، میرا دم گھٹنے لگا
شعر کی لذت بھی غم کی صورت اختیار کر گئی

اس اندھیرے کونے اور بھیاںک رات میں
جانِ پاک (روح القدس) سے میں نے چراغ کی دعا کی

ایسا چراغ مانگا جس کے پاس پروانہ بھٹکنے نہ پائے اور
جس کی روشنی ہر ایک مکان سے دور ہو

ایسا چراغ جس میں تیل کا گزر نہ ہو اور
جس کا شعلہ خود اپنے اوپر فریاد کرے

وہ چراغ (مجھے مل گیا اور) میں نے تیل کے بغیر ہی روشن کیا،
یہ چراغ کیا تھا؟ میرا دل ! جسے غم کی آگ نے روشنی دی

خدا کی طرف سے غم مجھ کو اس دل کی روشنی کے لئے عطا کیا گیا ہے
وہ رات کا چراغ بھی ہے، دن کا سورج بھی

مجھے زیب نہیں دیتا کہ غم کی شکایت کروں
اگر میں غم سے راضی نہ ہوں تو عقل مجھ سے ناراض ہو جائے

غمِ دلِ زمنِ مرحباً جوئے باد
دلِ زارِ ولبِ مرحباً گوئے باد

دلِ مہمچو غائبِ بغمِ شاد باد
بدیں کنجِ ویرانہ آباد باد

دل کا غم ہمیشہ مجھ سے خوش آمدید کا طلب گار ہے
دل دکھی بھی ہو تو ہونٹوں پر واہ واہ ہی رہے

جس طرح غالب اپنے غم میں شاد رہتا ہے اسی طرح میرا دل بھی
شاد رہے اور یہ ویرانہ اس (غم کے) خزانے سے آباد رہے۔

ساقی نامہ

بیا ساقی آئیں جم تازہ کن
طرازِ بساطِ کرم تازہ کن

بہ پرویز از می درودی فرست
بہ بہرام از نی سرودی فرست

بہ دور پیالے بہ پیمائے مے
بشور دمام بہ فرسائے نئے

قدح را بہ پیمودن مے گسار
نفس را بفرسودن نئے گمار

نکیسادمات را برامش در آر
سہی سرو را در خرامش در آر

بخشم ار بلائی زیاراں بہ گرد
بہ کام دل شاد خواران بہ گرد

مبادا نظامی ز راحت برد
بدستان سوئے خاتماہت برد

ہاں ، ساقی آ ، اور جمشید (شراب کے موجد) کا چلن تازہ کر دے ،
بساط کرم کی از سر نو آرائش کر

پرویز (شاہ ایران) کی روح کو مے نوشی سے ثواب پہنچا
اور بہرام کو بانسری کے نغمے سے

مے یوں پی جائے کہ جام کا دور زوروں پر ہو اور
بانسری میں نغمہ کا تار بند جائے

پیالے کو حکم ہو کہ پلائے جائے اور
سانس بانسری کے فرسودہ کرنے میں لگی رہے

تکیسا ایسے موسیقی دانوں کو ساز پر لا اور
ایک سرو قامت کو رقص میں اُتار

اگر غمتے میں تو بلا بھی ہو تو دوستوں سے کیا بگاڑ ! (یا یہ کہ
طیش میں دوستوں کے بگاڑ کو پھیر دے ، ٹال جا)
مزے سے پینے والوں کی آرزو پوری کر

دیکھنا نکلتی (گنجوی) کہیں تجھے بے راہ نہ کر دے ،
داستان میں وہ تجھے خانقاہ کی طرف نہ لے جائے

فریبش مخور چون می آشام نیست
ستم دیده گردش جام نیست

خود او راست از پارسا گوهری
سپهری سروشی بساقتی گری

وَرع پیشه مسکین چه داند ترا
به آرائش نامه خواند ترا

رضا جوئے من شو کہ ساغر کشم
گرم نیل و جیحون دہی در کشم

ز پیمودن مے بجام سفال
خورد نجلہ در ساغر خاکمال

اگر زود مستم پریشان نیم
وگر دیر مستم گرانجان نیم

پذیرد زمی گوهرم آب و رنگ
به مستی فزون گرددم هوش و هنگ

اس کی چال میں مت آجانا ، وہ پینے والوں میں نہیں ہے ،
اس نے گردشِ جام کا ستم اپنی جان پر نہیں سہا ہے

نظامی کی پارسائی فطرت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ
آسمانی فرشتہ اس کی ساقی گری کرتا ہے

بچارا نیک پرہیز گار آدمی، وہ تجھے کیا جانے
صرف اپنے کلام کی آرائش کی خاطر تیرا نام لیتا (اور ساقی نامہ
لکھتا) ہے

میری خوشنودی حاصل کر کہ میں واقعی جام پیتا ہوں ،
اگر تو، نیل اور جیحوں جیسے دریا بھی انڈیل دے تو (بے تحاشا) چڑھا جاؤں

میں جو مٹی کے کوزے میں شراب پیتا ہوں تو
میرے ساغر میں دجلہ کا پانی نہ سے اُوپر نہیں اٹھتا

اگر مجھ پر جلد نشہ چڑھ جائے تو بدحواس نہیں ہوتا
اور اگر دیر میں نشہ چڑھے تو بھی ملال نہیں ہوتا

شراب سے میرا جوہر چمک اٹھتا ہے اور
مستی کے عالم میں عقل اور زور پر ہوتی ہے

ز اندازہ سنجے برانم کہ تو
گرانمایہ لیک دانم کہ تو

بہ ساقی گری رند و آزادہ
خورے بادہ اماتنک بادہ

ہر آئینہ چوں یک دوساغر کشی
زمستی خرد را بخون در کشی

بلغزد ترا پایا بر رفتار در
سراسیمہ گردے بہر کار در

بجان در رسد کار کز تاب مے
گلوئے صراحی ندانی ز مے

ازاں پیش کایں رفتگی رودد
گل جلوہ بے خودی بودد

بنیدش جائے و بیارائے بزم
بنہ بادہ و گل بہ پهنائے بزم

میرا اندازہ یہ کہتا ہے کہ تو یوں تو
عالی مرتبہ ہے لیکن ساقی گری میں رند اور آزاد طبیعت
رکھتا ہے۔

شراب (پینے کو) پی لیتا ہے لیکن
(عالی ظرف نہیں) جلدی بھکنے لگتا ہے

جوں ہی ایک دو جام لئے کہ
مستی کی وجہ سے عقل کا خون کرنا شروع کیا

چلنے میں تیرے پاؤں ڈگمگاتے ہیں اور
ہر کام میں گھبراہٹ سوار ہو جاتی ہے

جب نشہ تیری جان میں سرایت کرتا ہے تو
تجھ کو صراحی کے گلے اور بانسری میں تمیز نہیں رہتی

اس سے پہلے کہ یہ واقفگی ہو اور
بے خودی کا مہول مہکنے لگے

ایک جگہ طے کر کے محفل سجا دے
شراب اور مہول محفل کی بساط پر لگا دے

فرومشته از دوسوئے بر عذار
شکن در شکن طرّہ مشکبار

بہ می دادن اے سرو سوسن قبائے
بہ زلف درازت مییچاد پائے

ہمانا تو دانستہ کزدو سال
ننوشم می الا بہ بزم خیال

ز لب تشنگی چون بمی در خورم
تو کمتر خور امروز تا بر خورم

تو آن چشمہ کز تو خضر آب خورد
سکندر ز لب تشنگی تاب خورد

نہ خضرے کہ در آب باشی بغیل
تو آبی ولی کوثر و سلسبیل

دونوں طرف سے رخساروں پر بل کھائی ہوئی سیاہ زلفیں پڑی
ہوئی ہیں

اے سون جیسی رنگا رنگ قبا رکھنے والے سروقامت ساقی،
شراب (کا جام) بڑھاتے وقت تیرے پاؤں لمبی زلفوں میں نہ الجھیں
(دور سنبھل کے رہنا)

تجھے تو اچھی طرح معلوم ہے کہ دو سال سے
میں نے شراب نہیں پی، اگر پی تو عالم خیال میں

چونکہ لب تشنگی سے شراب کا مستحق ہوں
آج کے دن خود تھوڑی ہی پینا تاکہ مجھے پوری پڑ جائے

(اے ساقی تو (آب حیات کا) ایک چشمہ ہے کہ خضر نے تجھ سے
اپنی پیاس بجھائی اور سکندر نے پیاس کی ہڈت سہی

تو خضر نہیں ہے کہ (اپنی پیاس تو بجھائی لیکن) دوسروں کو
دینے میں کنبوسی کرے
تو پانی تو ہے لیکن تو (جنت کے حوض اور نہر) کوثر و سمیل
کا پانی ہے (کہ وہ سب ناچیوں کے لئے ہوگا)

هر آئينه چون اعتقاد ايس بود
منوش و بنوشان كه داد ايس بود

ز خود رفته تركيست هندوے تو
عجب نبود از خويى خوئے تو

كه جوئى رضائے ز خود رفته
دهى مے به ترك جگرتفتة

تو اے آن كه پهلونشين مئے
به پيغاره اندر كمين مئے

ندانى پس از روز گارى دراز
بمى كرده ام دست بارى دراز

در اندیشه محو تلاشم هنوز
قدح ساز و ساقى تراشم هنوز

دريں داستان نيز گروار سے
بخويشت گفتم از بے كسے

تیرے متعلق جب یہ اعتقاد ہے تو خود نہ پی ،
بلکہ پلا کیوں کہ داد و دہش یہی ہے

تیرا یہ ہندوی (غالب) ایک بے قابو خُرق ہے
تیری شرافت سے کچھ بعید نہیں ، اگر ایک

بہکے ہوئے بے قابو آدمی کی خوشنودی حاصل کرے ، اور
اس جگر جلے ترک کو شراب سے نوازے

(اے ساقی) تو میرے ساتھ کا اٹھنے بیٹھنے ولا ہے اور ہمیشہ
طعن کرنے کے موقع کی تاک میں رہتا ہے

تجھے کیا معلوم نہیں ہے کہ ایک زمانے کے بعد
میرا ہاتھ ایک بار شراب تک پہنچنے والا ہے

میری تلاش و طلب ابھی تک محض خیال میں ہے
خود (اپنے تصور سے) ساقی تراش لیتا ہوں ، پیالہ بنا لیتا۔

اسی کہانی میں اگر حقیقت کو پہنچو تو (نہ قدح ہے نہ ساقی)
ہیکسی کے مارے اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہا ہوں۔

میں خویش و جام سفالِ خودم
نہ ساقی کہ من ہم خیالِ خودم

چہ ساقی یکے پیکر سیمیا
میں آرزوئے مرا کیمیا

مرا دست گاہِ مے و شیشہ کو
نشاطے چنیں جز در اندیشہ کو

مے و شیشہ بگزار و بگزرِ زمن
ہمانا نہ من بلکہ این انجمن

گل و بلبل و گلستانِ نیزم
مہ و انجم و آسمانِ نیزم

نمودیست کان را بُود بود ہیچ
زیاں ہیچ و سرمایہ و سود ہیچ

بعرض شناسائیِ ہرچہ هست
بہ و ہمست پیدائیِ ہرچہ است

ساقی کیا ، بس ایک فرضی وجود ہے کہ
(جس سے بات کر لیتے ہیں اور اس طرح دل کی بھڑاس نکال لیتے
ہیں) اپنی آرزو کے تانے کی کیمیا (بنالی ہے)

یہ میری بساط کہاں کہ شراب و شیشہ لے کر بیٹھوں
صرف تھوڑے میں ان محفلوں کے مزے لے لیتا ہوں

شراب و شیشہ کا ذکر تو درکنار مجھے بھی جانے دے،
کیوں کہ خود میری کیا حقیقت ، یہ ساری کی ساری انجمن
(کائنات کی محفل)

گل ، بلب ، باغ
چاند ، ستارے ، آسمان ، سبھی کچھ

یہ سب نمود بے بود ہیں ، ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں
کم یا زیادہ نقصان ، سرمایہ اور نفع یہ سب بچ ہیں

موجودات کے پہچاننے میں جتنی چیزیں ظاہراً موجود ہیں،
اُن کا وجود دائم و تصور میں ہے، ورنہ کیا !

کیا ایسا نہیں ہے جب کہیں تنہا بیٹھے ہو (تنہائی کے عالم میں)
ایک باغ کا تصور بنا لیتے ہو

بہ آرایش باغ رو آورے
دراں باغ از دجلہ جو آورے

دمانی گل و نرگس از رومے خاک
نشانی بطرف چمن سرو و تاک

نواگر کنے مرغ برشاخسار
بموج آورے آب در جوئے بار

بخویش ارچہ داری گمانی ز باغ
بروں از تو نبود نشانی ز باغ

در اندیشہ پنہاں و پیدائوئے
گل و بابل و گلشن آراتوئے

نمود دو گیتی بہ گیتی خدائے
چنینست دیگر ندانیم رائے

من و تو کہ بدنام پیدائیم
رقم هائے منشور یکتائیم

باغ کی آرائش کی طرف متوجہ ہوئے تو
اس باغ میں دریا سے نہر کاٹ کر لائے

مٹی سے گلاب اور نرگس کے پودے اگائے
کناروں پر سرو کھڑے کئے اور انگور کی بیلیں لگادیں

ٹہنیوں پر چڑیوں کو بٹھایا کہ چبکیں
نہر میں پانی کی موج رواں کردی

اپنی جگہ (بیٹھے بٹھائے) تصور کر رہے ہو کہ باغ لہلہا رہا ہے
حالانکہ اصلیت میں تمہارے ذہن سے باہر اس کا نام
و نشان تک نہیں

خیال و تصور میں ظاہر بھی تم ، باطن بھی تم،
اس کے مہول ، بلبل اور باغبان بھی تم،

یہ دونوں جہاں موجود ہیں ان کا وجود مالکِ حقیقی کے لئے
بالکل ایسا ہی ہے (کہ صرف علم الہی میں ہے) اس کے سوا
ہم کوئی بات نہیں مانتے

ہم پر ، تم پر وجود صرف ایک الزام ہے،
ہم تو دراصل اس کی یکتائی کے فرمان کی تحریریں ہیں

ولیکن چو ایس ایزدی سیمیاست
بدانست حسی چنیں دیرپاست

نمودی که حق راست نبود چرا
زمان چون از آنجاست نبود چرا

دو گیتی ازان جو نمی بیش نیست
ازل تا ابد خوددمی بیش نیست

زمان و مکان را ورق درنورد
خیالی بُرون ریز از هر نورد

نه از من ز سعدی شنوتا چه گفت
سخن گفت در پرده اما چه گفت

رو عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عارفان جز خدا هیچ نیست

مگر چونکہ یہ سب قدرت کا نظر فریب تماشا ہے لہذا
حسی کیفیت میں دیر تک ٹھہرتا ہے

یہ نمود چونکہ خدا کی طرف سے ہے تو ایسی (دیرپا) کیوں نہ ہو ،
کیونکہ زمانہ کا وجود بھی خدا ساز ہے

دونوں دنیاؤں کو اس کی نہر کی ایک ہلکی سی تری سمجھو ،
اس سے زیادہ کچھ نہیں ، ازل سے ابد تک تمام زمانہ لے دے
کرایک لمحے کے برابر ہے

زمان و مکان کا ورق لپٹ رہا ہے اور
ہر ایک تہہ میں سے ایک خیال ظاہر ہوتا ہے

مجھ سے کیا سعدی سے سُنو کہ کیا کہتا ہے ،
بات اس نے پردے میں کہی ، مگر کیا خوب کہی !

عقل کی راہ بہت الجھی ہوئی ہے ، (اس لئے)
معرفت رکھنے والوں کے نزدیک سب کچھ خدا ہی خدا ہے ،
اس کے سوا کچھ نہیں۔

دگر رَہروی گوید از زیرِ دلِ
کہ حقست محسوس و معقول خلق

خیالے در اندیشہ دارد نمود
ہماں غیب غیبست بزمِ شہود

نشائے رازِ خیال خودیم
نواہائے سازِ خیال خودیم

خوشت باد غالبِ بساز آمدن
نواسنج قانونِ راز آمدن

بہ گیتی مگر حرفِ دیگر نماند
ویا خود ترا ہوش درسر نماند

کہ چون سینہ کمتر دہد بانگِ خون
بہ نشتر کشائی رگِ ارغنون

(اس راہ کا) ایک اور مسافر (مجتبیٰ الدین ابن عربی) اپنی کملی کے نیچے سے کہتا ہے کہ، ”الحق محسوس والمخلوق معقول“ یعنی جو کچھ محسوس ہے وہ ذات حق ہے، عقل نے بہک کر اس کو مخلوق کا حصہ قرار دیا ہے

ہر موجود ایک خیال ہے جو تصور میں ظاہر ہوا ہے (ورنہ کیا ہے) یہ ظاہراً نظر آنے والی رونق تمام غیب الغیب ہے

ہم (ماڈی وجود) کیا ہیں اپنے ہی خیال کے راز کی نشانی اور اپنے ہی ساز خیال کی آوازیں (خالق کے تصور یا علم الہی کی ظاہراً صورتیں ہیں۔ ورنہ اس سے علیحدہ کوئی وجود نہیں)

غالب تمہیں مبارک ہو کہ تم نے ساز اٹھایا اور (مخلیق کے) راز کا نغمہ بلند کرنے لگے

شاید دنیا میں اور کوئی (کہنے کو) بات نہیں رہی یا تمہارے ہوش ٹھکانے نہیں رہے؟

کہ ایسے وقت میں جب سینے میں خون کی سنسناہٹ بہت کم ہوگئی تو نشتر سے ارغٹوں (ارگن باجے) کی رگ کھولتے ہو؟

چه زان راز پنہاں نوا بر کشے
کہ چون باز پرسند دم در کشے

بہ گفتار اندیشہ برہم مزن
در اندیشہ دل خوں کن و دم مزن

نہ دانی کہ دانش بہ گفتار نیست
دریں پرده آواز را بار نیست

ندانی کہ مینا شکستن بہ سنگ
نہ بخشد بدل ذوق گلابانگ چنگ

تصوفا نہ زبید سخن پیشہ را
سخن پیشہ رند کثر اندیشہ را

نشان مند ایں روشنائی نہ
غزل خوان و میخور سنائی نہ

غزل گر نہ باشد نوائے دگر
بود دل سلامت هوائے دگر

پوشیدہ راز کو زبان پر کیوں لاتے ہو؟
 اگر لوگ پوچھ بیٹھیں تو دم سادھ کر رہ جاؤ گے (یعنی وحدت
 وجود بیان میں نہیں آسکتی)

زبان پر لا کر فکر کو پریشان نہ کرو،
 تصور میں ہی دل کا خون کر لو اور دل کی بات زبان پر نہ لاؤ

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ عقل کی بات گفتار (کا لباس)
 قبول نہیں کرتی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آواز کا دخل نہیں ہوتا

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہاتھ سے مینا کو توڑو تو
 دل کو وہ مزا نہیں ملتا جو موسیقی کی دل کش آواز میں ہے

بات کرنے والے (شاعر) کو تصوف زیبا نہیں ، اور
 بات کرنے والا بھی کیسا ، جو رند ہو اور الٹی سیدھی سوچتا ہو

تمہیں اس روشنی کا حصہ نہیں ملا (اپنا کام کرو)
 غزل پڑھو ، شراب پیو ، تم کوئی حکیم سنا کی نہیں ہو کہ تصوف چھانٹو

اگر غزل نہیں تو کوئی اور بات کرو
 دل سلامت ہے تو کوئی اور خواہش کرو

اگر مجلس آرائے را عود نیست
بر آتش فگندن نمک سود نیست

غزل گر ملال آرد افسانہ گوئے
کہن داستانہائے شاہانہ گوئے

من آن خواہم اے لا ابالی خرام
کزین پویہ خوشتر سگالی خرام

ز شاہان سخن گر گھر سفت نیست
سخن گفتن از حق جگر سفت نیست

ننالی زغم گر جگر سفتہ شد
سخن ہائے حق ہیں کہ چون گفتہ شد

خود ایں نامہ فہرست رازِ حقست
درون و بیرونش طرازِ حقست

زانگیز معنی و پردازِ حروف
بہ ہنگامہ بستی طلسے شگرف

اگر محفل برپا کرنے والے کے پاس عود نہ ہو تو
آگ پر نمک ڈالنے سے کیا فائدہ!

اگر غزل سے اکتا گئے ہو تو افسانہ کہو
شاہوں کے قدیم قصے بیان کرو

بے پروائی سے چلنے والے، میں یہ چاہتا ہوں کہ تو
اس رفتار سے کوئی بہتر روش سوچ

بادشاہوں کے تذکرے لکھنا اگرچہ موتی پرونے کا کام ہے
لیکن (اس کے مقابلے میں)
حق کی بات کرنا جگر پرونے کے برابر ہے

اگر جگر چھد گیا تو اس دکھ کی فریاد نہ کرو
ذرا یہ دیکھو کہ حق باتیں کیسے کہی گئی ہیں

یہ نامہ (مثنوی) خود ہی حق کے راز گنوتا ہے
اندر باہر سے اس میں حق کی گوٹ لگی ہوئی ہے

معنی کی اٹھان اور لفظ کی پردریش سے
تم نے کمال کا طلسم باندھ دیا ہے

سخن چوں زہدم بہ پیغارہ نیست
مرا از پذیرفتنش چارہ نیست

بہ زہدم ثنا گوئی نابودہ کس
برالائی جاہ نستودہ کس

نہ زرگفت کانم تہ خاک نیست
سخن در سخن می رود پاک نیست

سخن را خود آنگونہ دانم سرود
کزیں نیز خوشتر توانم سرود

ولی تاب در خود نیابم کنوں
صریر قلم برتتابم کنوں

دریغاکہ در ورزش گفتگوئی
بہ پیری خود آرائی آورد روئی

چونکہ میرے ہدم نے طعنے کی نیت سے بات نہیں کی،
اس لئے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا (یعنی اب میں
غزل کو چھوڑ کر شاہِ دو عالم کی داستان بیان کروں گا)

کوئی شخص میری پرہیزگاری اور عبادت کا مداح تو ہے
نہیں اور نہ میرے عالی مرتبہ ہونے کا ثنا خواں ہے

سونا یہ کبھی نہیں کہتا کہ زمین کے نیچے میری کان نہیں ہے ،
(یعنی خاک میں سے سونا نکلتا ہے ، اسی طرح میری ذات جو کسی
طرح ستودہ نہیں ، زر کا مخزن ہے) ،
البتہ اگر بات سے بات نکلی تو کوئی ہرج نہیں

میں شعر کی رگ رگ سے اس درجہ واقف ہوں کہ (جو کچھ
لکھ چکا ہوں) اس سے بھی بہتر لکھ سکتا ہوں

لیکن اب میں اپنے اندر طاقت نہیں پاتا،
صریرِ قلم کے سننے کی بھی تاب نہیں

افسوس کہ جب پڑھایا آگیا تو میں سخن گوئی میں
اپنا زور دکھانے چلا ہوں

بہ برنائیم روئے پیری سیاہ
زم بود برفرق مشکیں کلاہ

کنوں نیست ظلِ ہمایم بسر
بہ پیری قتاد ایس ہوایم بسر

سیاہی زموئے سرم زود رفت
مگر کاتش افسرد کایں دود رفت

شبایم کہ تاب و تبی بودہ است
ز شبہائے جوزا شبے بودہ است

بدامن - کہ دارم شماری دراز
شبے کوتاہ و روزگاری دراز

نبود ارچہ لبہائے خندان مرا
ولی در دهن بود دندان مرا

کہ ہر گہ بہ ہنگامہ غم خورد می
زمردم نہاں در دل افشرد می

اس پیری کا منہ کالا ہو،
جب میں جوان رعنا تھا تو سر پر بالوں کی سیاہ ٹوپی رہتی تھی

اب وہ ہما کا سایہ میرے سر پر نہیں رہا (جوانی کی بادشاہی ختم ہوگئی)
اور بڑھاپے میں یہ خواہش سر پر سوار ہو گئی

میرے سر کے بالوں سے سیاہی جلد اڑ گئی
شاید آگ بجھ گئی تو یہ دھواں (بالوں کی سیاہی) بھی غائب ہو گئی

میری جوانی کا زمانہ رنج و مشقت کا تھا
وہ ایک رات تھی جوتا کی راتوں میں سے (جو مختصر ہوتی ہیں)

افسوس، کتنا بُرا ہوا ! ایک طولِ طویلِ حساب ہے
اس رات کا جو مختصر تھی اور اس زمانے کا جو دراز ہے

اگرچہ میرے ہونٹ ہنسی سے کھلے نہیں رہتے تھے
پھر بھی منہ میں دانت تو تھے

کہ جب بھی کوئی ناگوار واقعہ ہوتا اور مجھے غم کھانا پڑتا تو
لوگوں کی نگاہ بچا کر اپنے ہی دل میں (غصے کو) پس ڈالتا تھا

چه گریم که لب هائے خندان کجا
جگر خائِم از غصه دندان کجا

به بی برگئیم گلفشان بودنست
به دم سردی آتش زبان بودنست

دریغ از ترقی معکوس من
که باشد سر من بپا بوس من

فلک بسکه ناچیز خواهد مرا
بیالاند اما یکا آمد مرا

ز سرباد پندار بیرون شده
سهی سرو من بید مجنون شده

بود قد خم گشته چو گان من
سرم گوئی و اندیشه میدان من

چه غم گرفت فلک رنگم از روئی بُرد
توانم ز خود در سخن گوئی بُرد

اب کیا روؤں کے ہنسنے والے لب نہ رہے اور
غصے سے اپنا جگر چبانے کو دانت کہاں ہیں؟

اپنی خزاں میں مجھے گل فشانی کرنا ہے
سرد سانسوں کے عالم میں شعلہ زبانی دکھانا ہے

میری الٹی ترقی پر افسوس کہ
سر جھک کر پاؤں چھونے لگے

آسمان (زمانے کی گردش) کا تقاضا ہے کہ میں ذلیل
اور بے حیثیت رہوں،
اس لئے بڑھاپا تو ہے، لیکن اسی کے ساتھ گھٹنا بھی رہا ہے

سر سے غرور نکل گیا اور سیدھا بھرا ہوا بدن
بیڈ مچنوں کی طرح خمیدہ ہو گیا

جھکا ہوا قد (جھکتے جھکتے) چوگان ہوا ہے
سر کی گیند ہے اور خیالات کا میدان۔ (گیند بٹا کھیلا جا رہا ہے)

آسمان اگر میرے چہرے کی رونق اڑا لے گیا تو کوئی غم نہیں
(ابھی اتنا دم ہے کہ) اپنے بل پر میدانِ خن کی بازی جیت سکتا ہوں

ننالم ز پیری جوانم برائے
هنوزم بود طبع زور آزمائے

سخن سنج معنی ترازم هنوز
به شیوائی شیوه لازم هنوز

هنوزم جگر موج خوں میزند
زدل تیش غم سربروں میزند

ز چشم همان خوں بد اماں چکد
به تن نبود اقامت از مژگان چکد

ز حرفے کہ اندر ضمیر آیدم
هنوز از دهن بوئے شیر آیدم

بهر بذله کز لب فشام چوقند
خضر "در من قال" گوید بلند

بدستان زنی خامه منقار من
مدر خون مرغ گل از خار من

بڑھاپے کا رونا نہیں ہے کیونکہ عقل تو جوان ہے
زور آزما طبعِ رسا ابھی رکھتا ہوں

اب بھی شعر کہتا ہوں اور اُن میں معافی کا حسن پیدا کرتا ہوں
اپنے طرزِ فصاحت پر بھی ناز ہے

اب بھی میرے جگر سے خون کی موج اٹھتی ہے
دل میں سے غم کا نشتر باہر سر نکالتا ہے

وہی خون میری آنکھوں سے اب بھی دامن پر ٹپکتا ہے ،
بدن میں باقی نہیں رہا لیکن پلکوں سے بہتا رہتا ہے

میرے دل میں جو حرف (مضمون) آتے ہیں
(وہ ایسے اچھوتے ہوتے ہیں کہ) اُن کے منہ سے دودھ کی
بو آتی ہے (یعنی نوزائیدہ ہیں)

لب سے جو شیریں اور لطیف بات نکل جاتی ہے، اس پر
خضر کی طرف سے داد ملتی ہے اور واہ وا کی صدا بلند ہوتی ہے

نغمہ سرائی میں میرا قلم منقار (چونچ) کا کام کرتا ہے
میرے کانٹے سے بلبل کا خون مفت میں ہوتا ہے
(یعنی رشک سے بلبل مرتی ہے)

توانم کہ درکار گاہ ہنر
بہ نیروئے یزدان پیروز گر

زہم بگسلم باستانی تراز
سخن را دهم جاودانی تراز

سریرے ترازم کہ در سایہ اش
بود بالاش قدسیاں پایہ اش

نہالے نشانم کہ در پائے او
مہ وزہرہ ریزد ز بالائے او

رہے پیش گیرم کز اقبال من
دیوڈ خضر بے خود بدنبال من

نفس را کنم با دعائے گرو
کہ باشد مرآن را اثر پیش رو

اب بھی مجھ میں اتنی سکت ہے کہ ہنر مندی کے میدان میں
خدا کی توفیق شامل حال ہو تو

پرانے طرز کو چھوڑ کر، سخن کو وہ طرز عطا کروں جو
جاوداں ہو، یعنی وہ طرز ہمیشہ رہے (کیونکہ اس سے بہتر طرز ممکن نہیں)

ایک ایسا تخت سجادوں کہ اس کے سائے میں پایہ فرشتوں
کاکلیہ بن جائے

ایک ایسا درخت لگاؤں کہ اس کی جڑ میں چاند اور زہرہ
(جیسے روشن پھل پتے) اوپر سے ٹپکتے رہیں

ایسا راستہ اختیار کروں کہ میرے اس طرف منہ کرنے سے،
خضر (جیسا رہبر) میرے پیچھے دوڑتا آئے

سانس کو ایسی دُعا کے لئے وقف کروں،
جس دعا کے آگے آگے اثر چلا ہے

مثالی نویسم کہ پیغمبران
نویسند "لایب فیہ" ہر ان

زبان تازہ سازم بہ نیروئی بخت
بہ ذکر شہنشاہ بے تاج و تخت

گزشت آن کہ دستاںسرائے کھن
ز کیخسرو و رستم آرد سخن

منم کم بود در تراز کلام
شہنشاہ پیر سپہبد امام

ز فردوسیم نکتہ انگیز تر
ز مرغِ سحر خوان سحر خیز تر

فروردن شمع ساسانیان
بود صبح اقبال ایمانیان

رقم سنج منشور یزدانیم
ز ایمانیان گویم ایمانیم

ایسی تمثیل لکھوں کہ پیغمبروں کی طرف سے
اس پر ”دریں چہ شک“ لکھا جائے

تقدیرِ یاور ہو اور اپنی زبان کو
شہنشاہِ بے تاج و تخت کے ذکر سے تروتازہ کر لوں

وہ زمانہ کہ پُرانا داستانِ سرا (فردوسی)
کنخرو (شہنشاہ) اور رستم (سپہ سالار) کے فسانے سُنانا تھا

میں وہ ہوں کہ کلام کی آرائش میں ،
میرے شہنشاہِ پیغمبر ہیں اور سپہ سالارِ امام ہیں

فردوسی سے بڑھ کر شاعرانہ نکتے پیدا کر سکتا ہوں
بلبل سے بھی سویرے اٹھ جاتا ہوں
(یعنی ذوقِ نغمہ سرائی زیادہ رکھتا ہوں)

ساسانی (بادشاہت) کا چراغ بجھا تو
اہلِ ایمان کے اقبال کی صبح ہوئی

میں خدائی فرمانِ قلم بند کرتا ہوں،
خود اہلِ ایمان سے ہوں، انھیں کا ذکر زباں پر آتا ہے

کسے را کہ ناز و بہ بیگانگان
خورد در شمار دزدیوانگان

بہ اقبال ایمان و نیروی دین
سخن رانم از سید المرسلین

دریں رہ پیچ سفر ہا بسیست
بود راست لیکن خطر ہا بسیست

ز پالغز ہا کاندیں رہ بود
بود رہ دراز ارچہ کوتہ بود

بمستے توان نغز گفتار بود
مرا باید از خویش ہشیار بود

سخن گفتن و پاس رہ داشتن
سخن راز سُستی نگہ داشتن

یکے در شبستان بہ شبہائے دی
ہم آتش نہد پیش و ہم مرغ و می

وہ جو غیروں (کے کارناموں) پر ناز کرتا ہو،
عقل کی رُو سے دیوانہ ہے

ایمان کی اقبال مندی اور دین کی پشت پناہی سے،
میں پیغمبر سید المرسلین کے متعلق لکھ رہا ہوں

یہ وہ راستہ ہے جس میں سفر کے طریق بہت ہیں،
یہ راستہ سیدھا سہی لیکن بہت خطرے درپیش ہیں

یہ راستہ مختصر سہی، قدم پھسلنے کے سبب
راہ دراز ہو جاتی ہے

مستی میں آدمی خوش بیانی رکھا سکتا ہے
مجھے ذرا اپنے سے ہوشیار رہنا چاہئے

بات کہی ہے اور یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ راہ سے بے راہ نہ ہو جاؤں
پھر یہ بھی کہ کلام میں جھول نہ آنے پائے

دے (جاڑے) کی رات میں (کوئی یوں بسر کرتا ہے کہ) رات
کو خواب گاہ میں انگلیٹھی روشن کر کے مرغ اور شراب تیار کر کے رکھ لیتا ہے

یکے را بہ عشرت گہہ شہریار
زمی بوئے مشک آید اندر بہار

مرا بیس کہ دی ماہ واردی بہشت
نیامد بجز دانہ سبجہ کشت

بہ بزمی کہ دروی بود اجتناب
ز رود و سرود و شراب و کباب

سخنور چہ گفتار پیش آورد
کزان رنگ بر روئے خویش آورد

نماند بشاہان دیہیم جوئے
شمار شہنشاہ درویش خوئے

دریں بزم او بپاش را بار نیست
می و ساغر و زخمہ و تار نیست

نہ من بلکہ این جا برا مشگرے
اگر زہرہ آید شود مشترے

کسی کو بادشاہ کے رنگ محل میں
بہار کے موسم میں شراب سے مٹک کی خوشبو آتی ہے

ایک میں ہوں کہ دے (جاڑا) اور اردی بہشت دونوں مہینوں میں
تسلیج کے دانوں کے سوا کوئی غن میٹر نہیں

اس محفل میں جہاں رُود (ایک باجہ) نغمہ ، شراب و کباب
ان سب سے پرہیز لازم ہے

وہاں شاعر ایسی کیا بات کہے
جس سے وہ سرخرو ہو جائے

درویشی کی ادائیں رکھنے والے شہنشاہ (رسول خدا) کا ذکر
تاج و تخت کے بھوکے بادشاہوں کے تذکرے سے مختلف ہے

یہ وہ محفل ہے جہاں عیاشیوں کا گزر نہیں،
یہاں نہ شراب ہے ، نہ پیالہ ، نہ مضراب ، نہ تار

میں ہی نہیں بلکہ اگر یہاں زہرہ (آسمان کا ناچنے والے والا
ستارہ) بھی آجائے تو موسیقی بھول کر مشتری ہو جائے گا

اگر جائے دستاںسرائے بُدے
رہ و رسم جادو نوائے بُدے

زبان را برامش گرو کردمے
دم جنبش زخمہ نو کردمے

ہمم زخمہ از دیگران تیزتر
ہمم ساز دانش نوا خیزتر

بہ آزادگی خسروی می کنم
بدیں پشت دولت قوی می کنم

نباشد اگر پائے دیں در میان
نہم ہفت خوان بلکہ ہفتاد خوان

پر م از تو بر تر ببال گزاف
تو سیمرغ آری و من کوہ قاف

تو سوسن فرستی بخنیا گرے
مرا جنبش کلک رقص پرے

اگر نغمہ سرائی کا موقع ہوتا اور
شاعری کا جادو جگایا جاتا

زبان کو نغمہ نوازی میں لگا دیتا اور
جنش زخمہ کے جادو کو نیا کر دیتا

میرا مضرب بھی دوسروں سے زیادہ تیز ہے
اور عقل کا ساز بھی میرے یہاں زیادہ پُر صدا ہے

آزادی (کی نعمت) سے میں بادشاہی کرتا ہوں ،
آزادی کی بدولت میری سلطنت مضبوط ہے

اگر دین ایمان کا معاملہ بیچ میں نہ آگیا ہوتا تو ،
(اے ساتی) شاہنامہ کے ہفت خواں (سات سکھن مرحلے)
کیا ؟ میں ستر خواں ایجاد کرتا

تعلیٰ کے بازوؤں سے میں تجھ سے بھی اونچا اڑتا
تو سیرغ لے کر آئے تو میں پورا کوہ قاف اٹھا لاتا

تو سوسن سے کہتا کہ ناچ دکھائے اور
میرے قلم کی حرکت پری کا ناچ دکھا دیتی

تو کان بادہ مائے گوارا زنی
دم از نقل و می آشکارا زنی

من و جام بے بادہ درخون زدن
باب تشنگی جوش جیحوں زدن

ترازانکہ کہ ایس طرز و ہنجا نیست
مرا با تو دعویٰ بہ گفتار نیست

ببین تا چہ نازان بخویش از منست
کسی کاں پس از تست و پیش از منست

بنامش گرا از صاف می قرعہ ایست
مرا نیز فرمان تہ جرعہ ایست

یکے صاف آب طربناک خورد
یکے خود بہ تہ جرعگی پاک خورد

ز سر جوش نوشاں چگوئی خموش
بتہ جرعہ خواراں رہا کن خروش

تو وہ ہے کہ مزے مزے کی شرابیں اڑا رہا ہے اور،
کھلے عام شراب اور گزک کے لطف اٹھانے کا اڈعا کرتا ہے

مگر میں شراب کے جام لہو سے بھرتا ہوں ، اور
تفنگی کا جوش جیچوں کی برابر ہے

تیرا نہ تو یہ طرز ہے ، نہ طریقہ
پھر تجھ سے ”گفتار“ کا دعویٰ کروں تو کیسے کروں!

ذرا دیکھو تو، وہ شخص جو تیرے بعد ہے اور مجھ سے پہلے گزرا ہے ،
میرے مقابل میں کتنا ناز کر رہا ہے (فردوسی جو آزاد تھا کہ
داستان کی آرائش نے اور نغمہ سے کرے)

صاف ستھری شراب کا اگر قرمہ اس کے نام نکلا (اس کے لئے مقدر
ہوئی) تو پھر مجھے بھی حکم ہو کہ تلچٹ ہی منہ سے لگالوں

کسی	کو	صاف	شراب	ملی	تو
کسی	نے	پوری	تلچٹ	پی	لی

اُبال پینے والوں کے بارے میں کیا کہتا ہے ، چُپ ہو جا۔
جو لوگ تلچٹ پیتے ہیں اُن کے ذکر میں آواز بلند کر

بنوشیدن ارماف می خوشترست
ولی دُرد را مستیِ دیگرست

دگر غالبِ ای عهد و رائے تو سُست
به پیمانِ دانش و فائے تو سُست

حدیث می و شیشه و جام چيست
چگوئی و ایس شیوه را نام چيست

نه گفتی که بیزار گشتم ز مے
بریدم ز بزم و گزشتم ز مے

زدیوانگی تا کی اے شور بخت
نهی در گزر گاه سیلاب رخت

به رفتار ناخوش مشوتیز گرد
دریں ره به شوخی میانگیز گرد

به مستی دریں راه دستان مزن
میا شوب و هوئی چومستان مزن

اگرچہ پینے میں صاف شراب ہی اچھی رہتی ہے،
لیکن تلچھٹ کی مستی کچھ اور ہی ہے

پھر وہی بات غالبؔ؟ تمہارا عہد اور ارادہ کچا ہی نکلا
عقل سے جو پیان باندھا تھا اسے آخر نباہ نہ سکے

شراب، بوتل اور جام کا ذکر کیا لے بیٹھے
یہ کیا کہہ رہے ہو، یہ کیا طریقہ ہے؟

کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ میں شراب سے بیزار ہو چکا ہوں،
محفل سے قطع تعلق کر لیا اور پینا پلانا ترک کر دیا؟

اے بد نصیب غالبؔ، تم کب تک دیوانے پن سے
سیلاب کی راہ میں اپنا سامان رکھتے رہو گے؟

ناگوار رفتار سے تیز تیز نہ چلو،
اس راہ میں گستاخی کے ساتھ گرد و غبار نہ اڑاؤ

اس راہ میں مستی کے ساتھ خن سرائی مت کرو
حواس کھو کر بدستوں کی طرح شور نہ مچاؤ

ادب در زمین جوئی و آئیں گزیں
بہ فن سخن شیوہ دیں گزیں

براہے کنی پویہ کز پائے تو
درخشہد چو خورشید سیمائے تو

بہ کارے زدی دست کز ساز تو
دم جبرئیل است ہمارا تو

چو کشتی نشینانِ دریا نورد
بسیار از رہت بر مرغی زاد گرد

ترا بہت در کاریاری دہاد
بہ پیوند دیں استواری دہاد

اس سر زمین میں ادب اختیار کرو سلیقے سے کام لو
اور شاعری کے فن میں دینی طریقہ اختیار کرو

تم اس راہ میں دوڑ رہے ہو کہ تمہارے پاؤں سے
تمہاری پیشانی سورج کی طرح چمک رہی ہے

تم نے اس کام میں ہاتھ ڈالا ہے کہ
جبرئیل کا دم تمہارے نغمہ کا ہم راز ہو گیا ہے

دریا کی سیر کرنے کے لئے جو لوگ کشتی سے نکلتے ہیں
اُن کی طرح سیر کرو راستے میں گرد نہ اڑاؤ

تقدیر اس کام میں تمہاری یاوری کرے
اور دین و ایمان سے تمہارا تعلق سلامت رہے

کتابیات

- 1 دیوان غالب مرزا اسد اللہ خاں غالب 1993ء دہلی
- 2 انتخاب غالب امتیاز علی عرشی 1942ء بمبئی
- 3 شرح دیوان غالب عبدل باری آسی 1990ء لاہور
- 4 شرح دیوان غالب سید علی حیدر طباطبائی 1932ء لکھنؤ
- 5 علامہ غالب مالک رام 1957ء دہلی
- 6 مرقع غالب پرتھوی چندر 1966ء دہلی
- 7 دیوان غالب امتیاز علی عرشی 1992ء لاہور
- 8 محاسن کلام غالب عبدالرحمن بجنوری 1985ء لکھنؤ
- 9 شعرا لہجہ شبلی نعمانی 1988ء لاہور
- 10 مثنویات غالب ظ۔ انصاری 1983ء دہلی
- 11 اردو معلیٰ مرزا اسد اللہ خاں غالب 1985ء الہ آباد
- 12 نوادر غالب اکبر حیدر کشمیری 2003ء دہلی
- 13 ذکر غالب مالک رام 1955ء دہلی
- 14 تعبیر غالب نیر مسعود رضوی 1973ء لکھنؤ
- 15 مقدمہ شعرو شاعری الطاف حسین حالی 1964ء الہ آباد
- 16 نگارشات ادیب مسعود حسن ادیب 1969ء لکھنؤ
- 17 نادر ذخیرہ غالبیات فرح ذنج 2003ء ملتان
- 18 تذکرۃ الشعرا حسرت موہانی 1999ء کراچی
- مرتبہ شفقت رضوی
- 19 نقش نیم رخ تنویر علوی 2002ء دہلی

20	خطوط غالب کا تحقیقی مطالعہ ... کاظم علی خان	1981ء	لکھنؤ
21	خطوط غالب مالک رام	1962ء	لکھنؤ
22	عروس سخن تقی عابدی	2004ء	لاہور
23	غالب پر چند مقالے نذیر احمد	1991ء	نئی دہلی
24	غالب نما شیر سلطان پوری	1969ء	لکھنؤ
25	نظامی جنتزی محمد سلطان مرزا	1949ء	دہلی
26	ذکر و باران تقی عابدی	2006ء	لاہور
27	ہما غالب نمبر عبدالوحید صدیقی	1969ء	نئی دہلی
28	اردوئے معلیٰ غالب نمبر خواجہ احمد فاروقی	1969ء	نئی دہلی
29	نقوش غالب نمبر محمد طفیل	1969ء	لاہور
30	نعت رنگ جلد (12) صبیح رحمانی	2001ء	کراچی
31	آب حیات محمد حسین آزاد	1962ء	الہ آباد
32	یادگار غالب الطاف حسین حالی	1980ء	الہ آباد